سلسلۂ مطبوعات
۲

سیرت خاتم النبیینؐ

سیرتِ نبویؐ پر جامع اور مدلّل تصنیف

ڈاکٹر ماجد علی خاں
پی-ایچ-ڈی، ڈی-ٹی-ایچ (علیگ)؛ ڈی-لٹ (آسٹریلیا)، وغیرہ
فاضلِ دینیات، مولوی فاضل، فاضل درس نظامی

اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن
۲۷۳، ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

ملنے کا پتہ:۔ کتب خانہ عزیزیہ۔ اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶

قیمت : سو روپیہ

نام کتاب : سیرت خاتم النبیین

مصنف : ڈاکٹر ماجد علی خاں

تعدادِ اشاعت : ایک ہزار ۱۰۰۰

طابع وناشر:۔
اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن
۲۷۳، ذاکر نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

مطبوعہ:۔ جہانگیر آفسیٹ پریس ۹۵-۲ روڈگران، لال کنواں، دہلی ۶

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ
خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔

محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں
لیکن اللہ کے رسول ہیں اور (سب) نبیوں
کے ختم پر ہیں (یعنی اللہ کے آخری نبی ہیں)۔

فہرست مضامین

پیش لفظ

(انگریزی سے ترجمہ کیا گیا)

استاذی

مولانا پروفیسر سعید احمد اکبر آبادیؒ

اس کتاب کو رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ (سعودی عرب) کی طرف سے منعقد کرائے گئے سیرت کے تحقیقی مقالات کے عالمی مقابلہ میں اعلیٰ انعام حاصل کرنے کا امتیاز حاصل ہے۔ اس کا فیصلہ عالم اسلام کے چوٹی کے عرب اور غیر عرب علماء پر مشتمل ایک اعلیٰ کمیٹی نے کیا تھا۔ اس لیے اب اس کتاب کے مزید تعارف کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور کارناموں پر انگریزی میں لکھی گئی کتابوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن ان کتابوں میں عام طور پر دو نقص ہیں۔ جو کتابیں غیر مسلم مصنفین نے لکھی ہیں، چاہے ان کا دانشورانہ معیار کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو، وہ حقیقت سے دور ہیں، جبکہ انگریزی میں مسلمانوں کی لکھی ہوئی اکثر کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں کی اُس جماعت کے خیالات کی ترجمانی نہیں کی گئی ہے جو راسخ العقیدہ ہے۔

یہ کتاب ان دونوں نقائص سے پاک ہے۔ اس لئے انگریزی زبان میں موجود سیرت کے وسیع ذخیرہ میں ایک اہم بیش قیمت اور وقیع اضافہ ہے۔ اس کتاب کی چند خوبیاں حسب ذیل ہیں:

(۱) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں پیش آنے والے واقعات کا تسلسل کے ساتھ صرف تاریخی بیان ہی نہیں ہے بلکہ یہ کتاب مدینہ منورہ کے معاشرہ کے سماجی و اقتصادی مسائل پر بھی پُر مغز بحث کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کیا حل پیش کیا۔

(۲) یہ کتاب مغربی مصنفین کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے گئے مختلف غلط

الزامات، بہتانات اور ان کے ذریعہ پیدا کی گئی غلط فہمیوں کی مدلّل طریقہ سے اور استدلالی قوت کے ساتھ تردید کرتی ہے۔

(۳) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو ایسی ٹھوس بنیادوں پر ثابت کیا گیا ہے کہ جس میں شک وشبہ کا کوئی شائبہ بھی باقی نہیں رہتا۔

(۴) اس کتاب میں "غزوات" کو جدید تحقیقی طرز پر اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا اُس سے یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو جائے گا کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے کبھی بھی جارحانہ قدم نہیں اُٹھایا۔ بلکہ آپ کا ہر قدم اللہ کی طرف سے آنے والی ہدایت کی روشنی میں دفاعی ضروریات کے تحت اٹھتا تھا۔

(۵) اس کتاب کے بنیادی مآخذ قرآن مجید، کتب احادیث اور سیرت کی ابتدائی کتابیں ہیں۔

(۶) اس کتاب کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت وسیرت کو ایک نبی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے نہ کہ ایک عام مصلح کی حیثیت سے۔ ہمارے زمانہ کے کچھ نمایاں سیرت نگار بھی سیرت کے اس پہلو کو اجاگر کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ قارئین یقیناً اس کتاب سے مستفید ہوں گے۔

مولانا پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی
یو۔جی۔سی پروفیسر، شعبۂ عربی،
کالی کٹ یونیورسٹی (کیرالہ) انڈیا۔
سابق ڈین، فیکلٹی آف تھیالوجی
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، انڈیا۔
(انگریزی سے ترجمہ از مصنف)

انگریزی تحریر ۸؍جنوری ۱۹۷۹ء کو لکھی گئی۔

مقدّمہ

(برائے انگریزی ایڈیشن)

از :۔ ڈاکٹر ماجد علی خاں

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

موجودہ دور کے مغربی علوم میں تعلیم یافتہ کے ذہنوں پر، جو کہ اسلام کا مطالعہ مستشرقین کے ذریعہ مغربی زبانوں میں لکھی گئی کتابوں اور مضامین سے کرتے ہیں، باعتبارِ حقائق و عقائد ایک ایسا مسموم اثر ثبت ہو جاتا ہے جس کا خود ان کو بھی احساس نہیں ہو پاتا۔ مستشرقین مغرب کے رہنے والے وہ عیسائی اور یہودی دانشور و اسکالرز ہیں جنھوں نے اسلامی و شرقی علوم کا مطالعہ کر کے اسلام کی اصل ہیئت و شکل کو مسخ کرنے کے لیے مغربی زبانوں میں، بالخصوص انگریزی میں، فاسد لٹریچر کے انبار لگا دیے ہیں۔ مستشرقین ایک تحریک کی صورت میں علمی اُفق پر نمودار ہوئے۔ ان کی اس سازشی تحریک کی ابتدا تیرہویں صدی عیسوی سے ہوئی۔ ان لوگوں کا واحد مقصد اسلام اور پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپؐ کی سیرت کو، عیسائی دنیا کے سیاسی مقاصد کے تحت، مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کرنا تھا۔ درحقیقت مستشرقین کی یہ تحریک صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی مسلسل شکست کے نتیجہ میں پیدا ہوئی۔ جنگی محاذ پر اپنی ناکامی دیکھ کر کچھ عیسائی و یہودی دانشوروں نے یہ تحریک چلائی کہ اسلام کی اثاثی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے اور پھر اس کی اصل تعلیمات کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ عام لوگ اسلام کی صحیح تعلیمات سے واقف نہ ہو سکیں اور اس طرح اللہ

کے اس دینِ متین کی تبلیغ و اشاعت رُک جائے۔ یہ لوگ اپنی اس سازش میں ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

پچھلی دو صدیوں میں مستشرقین اپنے تمام ذرائع و وسائل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ طیبہ پر نازیبا حملے اور گمراہ کن تنقیدیں کرنے میں بروئے کار لائے۔ ان دو صدیوں (یعنی اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی) میں مغربی مصنفین نے عیسائی دنیا کے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے کھلّم کھلاّ اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسلام اور پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلّم) پر زبان درازی کی ہے۔ بلکہ آپ کے اعلیٰ اخلاق و کردار کی ایک ایسی بھیانک تصویر پیش کی ہے جس کو پڑھ کر انسان اسلام اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے دل برداشتہ اور بدظن ہو جائے۔ مستشرقین کے ذریعہ مختلف مغربی زبانوں میں لکھی ہوئی اس دور کی سیکڑوں اس قسم کی تصانیف آج بھی مغربی ممالک کے کتب خانوں میں مل جائیں گی۔ احقر نے ویسٹ انڈیز کے زمانۂ قیام میں ان میں سے چند کو دیکھا بھی ہے۔

موجودہ صدی (یعنی بیسویں صدی) میں مستشرقین نے ایک نیا حربہ استعمال کیا۔ اسلام و سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر معاندانہ تنقید اور کھلّم کھلاّ نازیبا حملے کرنے کے بجائے انھوں نے نام نہاد اور خود ساختہ تاریخی حقائق کے پس پردہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) پر طعن و تشنیع کر کے ان کو معروضی و علمی شکل دینا شروع کی۔ ان میں سے کچھ مستشرقین نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملہ میں بظاہر غیر جانب دار ہیں لیکن اپنی اس غیر جانب داری کو وہ نبھا نہ پائے اور بالآخر ان کے اندر کا فساد اور بغض و عناد ایک اور شکل میں ظاہر ہوا۔ ایسے مستشرقین نے پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غیر معمولی کامیابی اور اسلام کی ترقّی کو مادّی ترازو میں تولا اور روحانی حقیقت کو یکسر فراموش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن اللہ کی طرف سے بھیجی گئی وحی و ہدایت کی روشنی کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوا بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی مادّی صلاحیتوں کی وجہ سے

ہوا اور اس طرح یہ لوگ آپؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت و رسالت کی نفی ایک ایسے انداز میں کرنے لگے جس کو ہمارا پڑھا لکھا طبقہ (بالخصوص مغربی تعلیم یافتہ طبقہ جو کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہا ہے) بالکل سمجھ نہیں پایا اور مستشرقین کے پھیلائے ہوئے اُس جال میں پھنس گیا یا مادیت کے اس سیلاب میں بہنے لگا جو مغربی اور مادی علوم کی شکل میں دنیا کو غرقِ آب کرنے کے لیے رواں دواں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی حیثیت ایک نبی اور ایک رسول کی ہے۔ آپؐ دُنیا کے دوسرے مصلحین و مفکرین سے مختلف وحی الٰہی سے روشنی حاصل کرتے تھے۔ آپؐ کا ہر قول و فعل وحی الٰہی کے تابع تھا (قال اللہ تعالیٰ فی القرآن العظیم وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ النجم) اور آپ اپنی خواہشِ انسانی سے بات نہیں کرتے ہیں بلکہ آپؐ کا ارشاد (نری) وحی ہے جو آپؐ پر بھیجی گئی ہے) آپؐ اللہ کی ہدایت کو عالم میں عام کرنے کے لیے ایک نمونہ بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر آپؐ کی ذات گرامی سے وحی کے اس روحانی پہلو کو نکال لیا جائے تو پھر آپؐ صرف ایک مصلح و مفکر رہ جائیں گے۔ آپؐ کے دور کے کفار بھی آپؐ کو ایک اعلیٰ کردار و اخلاق و صلاحیت کا انسان تسلیم کرتے تھے وہ صرف آپؐ کی نبوت و رسالت (یعنی آپؐ پر بھیجی جانے والی وحی) کے منکر تھے۔ موجودہ دور کے کچھ مستشرقین نے یہی حربہ استعمال کر کے آپؐ کی ذات گرامی کو نبوت و رسالت سے الگ کرنے کی کوشش کی ہے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے کچھ لوگ اس دامِ فریب میں گرفتار ہو کر یہ کہنے لگے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا آپؐ کی نبوت و رسالت سے الگ کر کے اور اسلامی عقائد سے کنارہ کشی اختیار کر کے صرف مادی انداز میں مطالعہ کیا جائے۔ جب آپؐ کی ذات گرامی سے نبوت و رسالت کو الگ کر لیا جائے گا تو (میں ان حضرات سے سوال کرتا ہوں کہ) پھر ایسے مطالعہ میں کیا معروضیت باقی رہ جائے گی۔ مادیت کے اس سیلاب میں بہنے والے ذرا کنارہ تک آئیں اور کھلے دل سے اس پر غور فرمائیں۔ کیا اس ذہن کے انسان باعتبارِ عقائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کفارِ مکہ کے مشابہ نہیں ہو جائیں گے؟

عام طور سے مستشرقین نبوت و رسالت کے اسلامی عقیدے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ کیونکہ عیسائیوں کے یہاں نبوت و رسالت کا وہ تصور نہیں ہے جو اسلام نے ہمیں عطا کیا ہے۔ عیسائی اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن کے اندر الوہیت کا ایک حصّہ تھا اور وہ تثلیث کے ایک عنصر تھے۔ اسلام کسی بھی انسان کے اندر بشمول انبیاء و رسل الوہیت کا کوئی شائبہ بھی ماننے سے صاف انکار کرتا ہے۔ اسلام میں نبی (یا رسول) ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس پر اللہ کی طرف سے وحی بھیجی جاتی ہے تاکہ وہ وحی کے ذریعہ اتارے گئے اللہ کے احکامات و اوامر کو عام انسانوں تک پہنچائے اور خود بھی اس وحی پر عمل کر کے ایک عملی نمونہ پیش کرے۔ اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کریں تو ہم مستشرقین کے کیے گئے اعتراضات کا نہ صرف بآسانی جواب دے سکتے ہیں بلکہ اُن کے دامِ فریب میں بھی مبتلا ہونے سے بچ جائیں گے۔

مندرجہ بالا مقصد کے پیشِ نظر راقم السطور نے اپنی اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ ابتدائی ماخذ و مصادر سے استفادہ کرنے کے بعد کیا ہے۔ مغربی مصنّفین کے اعتراضات کے جواب میں لمبی مباحث اور لاحاصل مناظرہ کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت حقائق کی روشنی میں اس طرح بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان اعتراضات کا جواب خود بخود عیاں ہو جائے اور عام قارئین کی سمجھ میں بھی آجائے۔ البتہ جہاں کہیں شدید ضرورت محسوس کی گئی وہاں مستشرقین کے اعتراضات کی طرف اشارہ ضرور کر دیا گیا ہے۔ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ تمام مباحث و تحقیق معروضی انداز میں ہو۔

اس کتاب کے خاص بنیادی ماخذ و مصادر حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ قرآن مجید

۲۔ صحاح ستہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ، اور سنن نسائی)

۳۔ سیرت رسول اللہ لابن اسحاق جیسا کہ ابن ہشام نے السیرۃ النبویہ میں اس کو پیش کیا ہے۔

۴۔ الطبقات الکبریٰ لمحمد ابن سعد اور ان کے ذریعہ کیا گیا واقدی کے مغازی کا بیان۔

۵۔ تاریخ وتفسیر لابن جریر الطبری

۶۔ المواہب اللدنیہ لمحمد زرقانی

۷۔ الروض الانف لعبدالرحمٰن سہیلی (شرح سیرۃ لابن ہشام)

۸۔ الدرر فی اختصاص المغازی والسیر لحافظ ابن عبدالبر

۹۔ الکامل فی التاریخ لابن الاثیر

۱۰۔ مقدمہ وتاریخ لابن خلدون

۱۱۔ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر

۱۲۔ السیرۃ النبویۃ لابن حزم

مندرجہ بالا بنیادی اور ابتدائی ماخذ کے علاوہ راقم السطور نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر لکھی گئی تقریباً دو سو کتابوں کا عربی، اردو اور انگریزی میں مطالعہ کیا ہے اور ان میں سے اکثر کے حوالے بھی مناسب مقامات پر دیے گئے ہیں۔ ان تمام کتابوں میں ایک اہم کتاب اردو میں لکھی گئی مشہور تصنیف "سیرۃ النبیؐ" ہے جس کو ہندوستان کے دو مشہور عالم مولانا شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی نے چھ ضخیم جلدوں میں لکھا ہے۔ اس پوری کتاب کو سیرت کی دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس سے بھی اس کتاب میں استفادہ کیا گیا ہے۔

احقر کی اس کتاب کا خاکہ اس وقت تیار کیا گیا تھا جبکہ راقم السطور ویسٹ انڈیز (جنوبی امریکہ) کے ایک ملک ٹرینیڈاد اینڈ ٹوباگو کے ایک مشہور کالج "اسجا کالج" میں تدریسی خدمت میں مشغول تھا۔ وہاں پر راقم السطور کو اس ملک کی مختلف لائبریریوں سے استفادہ کرنے کا بھی موقعہ ملا۔ اس کتاب کی تکمیل علی گڑھ میں ۱۹۷۶ء میں ہوئی جہاں احقر مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات سنی میں لکچرر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ راقم السطور

علی گڑھ کی مختلف لائبریریوں کے اسٹاف کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے اس سلسلے میں پورا تعاون کیا۔ ان لائبریریوں میں یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری (بالخصوص اسکا حبیب گنج کلیکشن)، فیکلٹی آف تھیالوجی کی لائبریری، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، عربی اور ویسٹ ایشیئن اسٹڈیز کی مشترکہ سیمنار لائبریری، اور شعبۂ تاریخ کی سیمنار لائبریری، خصوصیت سے شامل ہیں۔ راقم السطور نے اپنے وطن رامپور (یو۔ پی) کی مشہور زمانہ رضا لائبریری سے بھی کافی استفادہ کیا جس کے لیے وہ اس کے ڈائرکٹر مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی (جو اب انتقال کر چکے ہیں) مشکور ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اجر عظیم عطا کرے۔

ربیع الاول ۱۳۹۶ھ / مارچ ۱۹۷۶ء میں رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ (سعودی عرب) نے سیرت پر لکھے گئے تحقیقی مقالات کے عالمی مقابلہ کا اعلان کیا۔ جس میں غیر مطبوعہ مقالات ہی پیش کیے جا سکتے تھے۔ اس کتاب کا غیر مطبوعہ نسخہ بھی اس مقابلہ میں بھیج دیا گیا تا کہ اس کی طباعت میں آسانی ہو سکے۔ اس مقابلہ میں ایک ہزار ایک سو بیاسی ۱۱۸۲ مقالات دنیا کے مختلف ممالک سے مختلف زبانوں میں بھیجے گئے تھے۔

اللہ جل شانہ' کا احسان ہے کہ اس کتاب کو اس مقابلہ میں دوسرے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ مقابلہ کا اعلان رجب ۱۳۹۸ھ / جولائی ۱۹۷۸ء میں کیا گیا۔ اس مقابلہ میں شامل مقالات کا معائنہ مندرجہ ذیل عالمی شہرت کے حامل علماء کی جیوری نے کیا تھا۔

۱۔ جناب شیخ حسن آل شیخ، وزیر ہائر ایجوکیشن، حکومت سعودی عرب

۲۔ جناب شیخ عبداللہ بن حمید، مسجد حرام، مکہ مکرمہ کے چیف سپروائزر اور سعودی سپریم کورٹ کے صدر (جسٹس)

۳۔ جناب شیخ عبداللہ بن باز، رئیس عمومی، ریسرچ اینڈ منسٹریشن اینڈ گائڈ سعودی عرب، سابق وائس چانسلر اسلامک یونیورسٹی، مدینہ منورہ۔ سعودی عرب۔

۴۔ جناب مولانا کوثر نیازی، وزیر، امور دینیہ، پاکستان۔

۵۔ جناب شیخ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود، شیخ ازہر، جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر۔

۶۔ جناب مولانا سید ابوالحسن علی الندوی، ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، انڈیا۔

۷۔ جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، رکن مجلس تاسیسی، رابطۂ عالم اسلامی

راقم السطور رابطہ عالم اسلامی کی سیرت طیبہ پر اس مقابلہ کو منعقد کرانے کی سعی کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور مندرجہ بالا علماء کرام کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے اس حقیر کوشش کو سراہا اور راقم السطور کی ہمت افزائی کی۔ اللہ تعالیٰ اس کو شرفِ قبولیت سے نوازنے اور سیرتِ طیبہ (علیہا الصلوٰۃ والسلام) و دین کے عام ہونے کا ذریعہ بنائے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلّم

خاکسار
(ڈاکٹر، مولوی) ماجد علی خاں
شعبۂ اسلامک اسٹڈیز
جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵، انڈیا۔

انگریزی تحریر ۳؍نومبر ۱۹۷۹ء کو لکھی گئی۔
اردو تحریر ۷؍جولائی ۱۹۸۹ء/۳؍ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
بروز جمعہ کو مکمل کی گئی۔
۲۷۳، ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

مقدمہ برائے اردو ایڈیشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَوَفَّقَنَا وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّنَا سَیِّدِ الْاِنْسِ وَالْجَانِّ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ مَا دَامَ الْمَلَوَانِ۔

انگریزی کتاب پر رابطۂ عالم اسلامی کی جانب سے انعام ملنے کی اطلاع کے بعد سے ہی دوستوں کا یہ اصرار رہا کہ اس کا اردو ترجمہ بھی آنا چاہیے اور ہندی کے شائقین کی یہ خواہش رہی کہ ہندی میں بھی ترجمہ ہو۔ بہرصورت راقم السطور نے خود ہی اردو میں اس کا ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا لیکن یہ معاملہ برابر ٹلتا رہا یہاں تک کہ ۱۹۸۵ء میں جامعہ ملّیہ میں (اس وقت بی۔ اے انگریزی، عربی کے) ایک طالب علم مولوی زبیر احمد سلمہٗ کے بیحد اصرار سے یہ کام شروع ہوا۔ لیکن چند ماہ کے بعد پھر التوا میں پڑ گیا۔ دوبارہ اس کام کو ۱۹۸۷ء میں شروع کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اکتوبر ۱۹۸۸ء میں کتاب کے اصل حصہ کا ترجمہ پورا ہو گیا۔ مقدمہ کا ترجمہ اور انڈیکس کی تیاری بعد میں ۱۹۸۹ء میں کی گئی۔

اس کتاب کے اردو ترجمہ کی اس وجہ سے بھی ضرورت تھی کہ اس نہج پر اردو میں سیرت کی کتابیں بہت کم ہیں، اس کتاب میں راقم السطور نے غزوات اور سرایا اور ان کی وجوہات واسباب پر جس انداز سے بحث کی ہے اس کی کوتاہ نظر میں اردو کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتی۔ اس کتاب میں احقر نے ختمِ نبوت پر بھی تفصیلی بحث کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کے

موضوع پر اردو، عربی اور دیگر زبانوں میں مستقل تصانیف تو بہت مل جائیں گی لیکن سیرت کی کتاب کے اندر اس موضوع پر تفصیلی گفتگو خال خال ہی ملے گی، اسی مناسبت سے کتاب کا نام بھی رکھا گیا ہے۔

چونکہ راقم السطور کا تعلق کسی جماعت سے نہیں ہے اور راقم السطور "وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" (سورہ حم السجدہ، آیت ۳۲) کے تحت آزادانہ طور پر دین کی خدمت انجام دے رہا ہے، ساتھ ہی ساتھ جو دین کے کام مختلف ڈھنگ سے اور مختلف طریقوں سے اخلاص کے ساتھ ہو رہے ہیں اُن کو نہ صرف پسند کرتا ہے بلکہ ہر ممکن تعاون کے لیے بھی تیار ہے۔ بہرصورت راقم السطور کا کسی جماعت سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے یہ کتاب بھی جماعتی اختلافات سے پاک ہے۔ یہ اس وجہ سے تحریر کر رہا ہوں کہ اردو میں سیرت پر لکھی گئی کچھ کتابوں میں ایک مخصوص جماعت کا عکس صاف صاف نظر آتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مخصوص "تحریک" کو چلانے کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے، حالانکہ آپؐ دیگر انبیاءؑ و رسلؑ کی طرح ایک نبیؑ و رسولؑ تھے اور آخری نبیؐ و رسولؐ تھے اور آپؐ کا مشن پوری کی پوری انسانیت کو اللہ واحد کی عبادت اور اس کے احکامات کی تعلیم دینا تھا نہ کہ کسی مخصوص "تحریک" کا رکن یا کارکن بننا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (سبا ۳۴، آیت ۲۸)

"اور ہم نے تو آپؐ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے (ایمان والوں کو ہماری رضا و ثواب کی) خوشخبری سنانے والے اور (ایمان نہ لانے پر ان کو ہمارے غضب و عذاب سے) ڈرانے والے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔"

(سبا ۳۴، آیت ۲۸)

اس کتاب میں موجودہ صدی کی ابتدائی چھ سات دہائیوں میں اردو اور انگریزی

میں سیرتِ طیبہ پر لکھی گئی اہم کتابوں کے مصنفین کے خیالات بھی جگہ جگہ نقل کیے گئے ہیں جس سے قارئین کو مختلف علماء اور اسکالرز کے خیالات معلوم ہونے اور اُن سے مستفیض ہونے کا موقع مل سکے گا۔

راقم السطور کو اُمید ہے کہ کتاب کے اس اُردو ترجمہ کو اُردو داں طبقہ یقیناً پسند کرے گا۔ خدا کرے یہ ادنیٰ سی کوشش سیرت لٹریچر کے عظیم ذخیرہ کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ثابت ہو۔ آمین۔

اپنی اس انگریزی کتاب کے بیشتر حصّہ کا ترجمہ میں نے عزیزی مولوی زبیر احمد سلمہ (متعلم، ایم۔اے، عربی، جامعہ ملّیہ اسلامیہ) کو املاء کروایا۔ اس کام کو انھوں نے بڑی مستعدی سے انجام دیا، جس سے ترجمہ کی تکمیل میں بہت سہولت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجرِ عظیم عطا کرے۔

کتاب کے اس اُردو ایڈیشن میں حوالوں میں کچھ ترمیم و تنسیخ کی گئی ہے، نیز کچھ حوالوں کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ "ھلال خصیب" کے نقشہ کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ دراصل اس ایڈیشن میں دوبارہ تحقیق کی گئی ہے کیونکہ معمولی سا بھی شبہ ہونے پر راقم السطور نے تمام حوالہ جات کو از سرِ نو دیکھا ہے اور پھر اردو میں لکھا ہے۔ اس وجہ سے اس ترجمہ میں بھی کافی دیر لگی۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر سعی کو ذریعۂ مغفرت اور وسیلۂ شفاعتِ شفیع المذنبین آقا رنا مدار، سیّدنا و مولانا و شفیعنا و حبیبنا و ہادینا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بنائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مشہور اشعار پر ان سطور کو ختم کرتا ہوں۔

یا مخجل الشمس والبدر المنیر اذا
تبسم الثغر لمع البرق منه اضا
کم معجزات رأینا منك قد ظهرت
یا سیّد ذکرہ یشفی به المرضٰی

(خطبات نبوی از مولوی محمد عبد اللہ، ص ۱۴۳)

اے وہ ذات جس (کے جمال جہاں آرا) سے آفتاب اور بدرِ منیر بھی شرمندہ ہوتے ہیں!

جب آپؐ تبسّم فرماتے ہیں تو (گویا کہ) برق چمکنے لگتی ہے (اور روشنی پھیل جاتی ہے)

ہم نے آپؐ سے بہت سے معجزات رونما ہوتے دیکھے ہیں۔

اے وہ آقا! جس کا (مبارک) ذکر بیماروں کو شفا دیتا ہے۔

صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلّم

خاکسار

(ڈاکٹر، مولوی) ماجد علی خاں

شعبۂ اسلامک اسٹڈیز،

جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دہلی ۲۵-۱۱۰۰

دوشنبہ، ۲۴ جولائی ۱۹۸۹ء

۲۰ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

۲۷۳ ذاکر نگر، جامعہ نگر،

نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵، انڈیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

باب ۱

جزیرۃ العرب کا تاریخی پس منظر

انسانی تہذیب کا گہوارہ :۔

صرف دینِ اسلام ہی اللہ کے نزدیک قابلِ قبول ہے (اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ[1])۔ اس دینِ حق کی ابتدا زمین پر سب سے پہلے انسان و پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتی ہے۔ آپؑ کے بعد جتنے بھی انبیاءؑ ورسل تشریف لائے سبھی نے توحید کے علمبردار اسی دین کی تبلیغ کی اور نسلِ انسانی کو خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلایا، خواہ وہ حضرت نوحؑ ہوں یا ابراہیمؑ، اسماعیلؑ ہوں یا اسحٰقؑ، یوسفؑ ہوں یا موسیٰؑ، سلیمانؑ ہوں یا عیسیٰؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ البتہ مختلف زمانوں میں اس دینِ حق کی شریعتوں میں تبدیلیاں ہوتی رہیں، یہاںتک کہ جب آخری نبی ورسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تو آپؐ پر دینِ اسلام کی تکمیل ہوئی اور جامع ترین و آخری شریعت جدید اسلوب میں بشکل قرآن نازل کی گئی۔ قرآن میں ارشادِ خداوندی ہے :

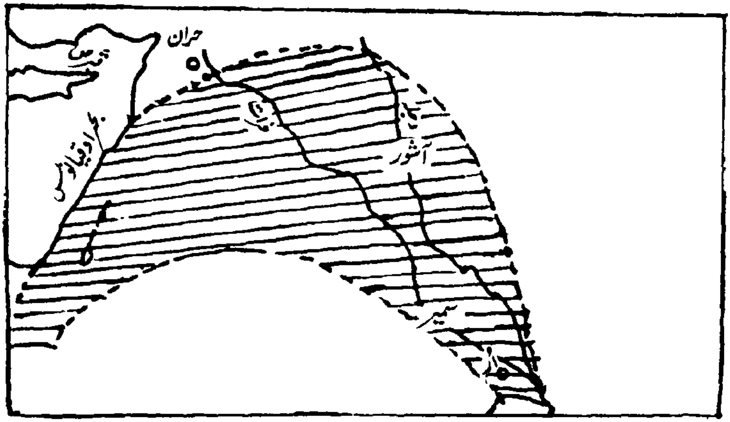
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[2]

ترجمہ :۔ "میں نے آج کے دن تمھارے دین کو تمھارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور اسلام کو تمھارے دین کی حیثیت سے پسند کیا۔"

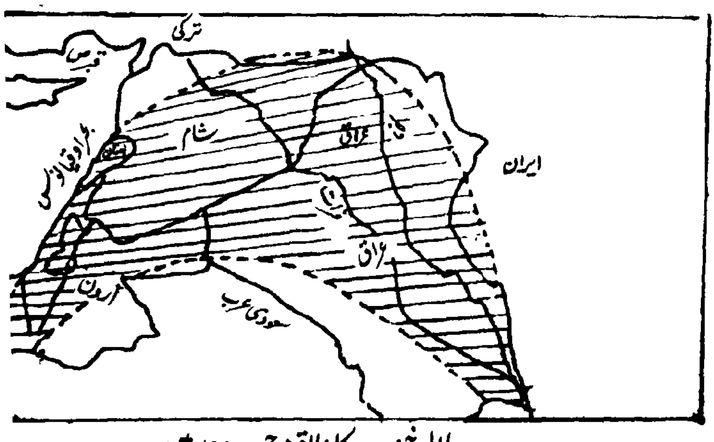
مشرقِ وسطیٰ بہت سے انبیاء کرام کا مرکز رہا ہے۔ یہ علاقہ بشمول "ھلالِ خصیب"

---

[1] سورۂ آلِ عمرانؔ ۳، آیت ۱۹
[2] سورۂ مائدہؔ ۵، آیت ۳



ہلال خصیب کا علاقہ دو ہزار سال قبل مسیح
(۲۰۰۰ ق۔م)



ہلال خصیب کا علاقہ موجودہ دور میں

ایران سے لے کر مصر تک کے ممالک پر مشتمل ہے۔ "ہلال خصیب" میں، (Fertile Crescent) جس کو مغربی مؤرخین "فرٹائل کریسنٹ" Fertile Crescent یعنی "زرخیز ہلالی خطّہ" سے موسوم کرتے ہیں، عراق، شام، اردن اور فلسطین کے علاقے شامل ہیں۔ یہ علاقے دنیا کے نقشے میں ایک ہلال (Crescent) کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ ان ممالک کے علاوہ مشرقِ وسطیٰ میں مصر، جزیرۃ العرب، ترکی (بشمول اناطولیہ وایشیائے کوچک) اور فارس (ایران) کے ممالک آتے ہیں۔ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سرزمین اگر نوعِ انسانی کا گہوارہ نہیں تو کم از کم تہذیبِ انسانی کا گہوارہ ضرور رہی ہے[1] اور عالم کی اوّلین تہذیبوں کو سمو چکی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ تاریخی اعتبار سے بھی بہت اہم خطّہ ہے کیونکہ اس خطّۂ ارض نے زمانۂ قدیم کی بعض قوموں کو میدانِ عمل میں جدوجہد کے ایسے اہم مواقع فراہم کئے ہیں جن کے نتیجہ میں نوعِ انسانی کی فلاح وبقا کے سلسلے میں قابلِ دید اور نمایاں انکشافات رونما ہوئے جو بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے سائنس، آرٹس، فلسفہ وادب کا عظیم سرمایہ بنے۔

مشرقِ وسطیٰ ہی دنیا کا وہ واحد خطّہ ہے جس کی تہذیب کا ریکارڈ انسانی تاریخ میں پانچ ہزار برس سے لے کر اب تک محفوظ ونمایاں ہے۔ اس علاقے میں سمیریوں نے عراق اور بنو حام نے مصر میں شہری تہذیب کی بنیاد رکھی۔[2] سمیریوں سے مراد ماقبل سامی اقوام ہیں جن کی تہذیبی وثقافتی اقدار اور مذہبی وسماجی خیالات پوری وادیٔ دجلہ وفرات پر حاوی تھے۔ اور پھر رفتہ رفتہ پڑوس کے ممالک پر بھی چھا گئے۔ ان کی زبان سامیوں سے مختلف تھی۔ ان لوگوں کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بحرِ روم کے پاس بسنے والی اقوام اور آرامیوں کی آمیزش کا نتیجہ تھے۔

جہاں تک بحرِ روم کی اقوام (Mediterraneans) کا تعلق ہے ان کے بارے میں مورخین کا خیال ہے کہ یہ نسبتاً چھوٹے قد اور بڑے سر والی اقوام تھیں، جن کا مسکن شمالی افریقہ تھا۔ جہاں پر یہ کوہِ قاف کی سفید نسل کا ایک حصّہ سمجھے جاتے تھے اور ان کے بارے میں خیال

---

[1] فلپ ہٹی، دی نیئر ایسٹ اِن ہسٹری (The Near East In History)، نیویارک، ۱۹۶۱ء، ص ۳

[2] فلپ ہٹی، العنا[illegible]، ۲۲

کیا جاتا تھا کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے دوسرے لڑکے حام کی اولاد میں سے ہیں۔ شمالی افریقہ سے حام کی نسل کا ایک گروہ جنوبی یورپ گیا جہاں یہ لوگ اسپین، جنوبی فرانس اور اٹلی کے باشندوں کے آباء و اجداد بنے[۳]۔ نیز مشرقی بحر روم کے جزیروں میں آباد ہوئے، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ برطانیہ اور جرمنی تک پہونچے۔ اسی بحر روم کی سفید نسل کا ایک اور گروہ جزیرۃ العرب میں آباد ہوا۔ تاریخی تحقیقات کی رو سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ باب المندب (یمن) کے راستے جزیرۃ العرب میں داخل ہوئے تھے جہاں سے یہ لوگ "ہلالِ خصیب" (Fertile Crescent) کے ممالک تک پہنچے اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ وہاں کے قدیم باشندوں (جو کہ آرامی خیال کئے جاتے ہیں) میں گھل مل گئے، اور ایک نئی نسل سمیریوں (Sumerians) کے آباء و اجداد بنے۔

آرامیوں (Armenoids) کو جو الپینی (Alpines) بھی کہلائے جاتے ہیں، آریوں کی عظیم نسل (Great Indo-European Family) کی اولاد سمجھا جاتا ہے۔ آریہ نسل کے لوگ گول سر، بھاری بدن اور معتدل قد والے تھے۔ ان کا وطن وسط ایشیا میں یا مغربی ایشیا میں غالباً وہ وسیع و عریض صحرا تھا جو کہ سلسلہ کوہ قاف کے شمال میں واقع ہے۔ بعد میں اس نسل کی دو بڑی شاخیں ہو گئیں۔ ان میں سے ایک شاخ مغرب کی طرف گئی اور یورپ کے مشرقی و مرکزی علاقوں کو انھوں نے اپنا مسکن بنایا، اس طرح وہ یونانیوں اور اطالیوں کے ہی نہیں بلکہ کلٹی (Celtic) جرمنی اور غالباً اسکینڈی نیویائی (یعنی ناروے سوئیڈن اور ڈنمارک کے لوگوں کی (Scandivanians) نسلوں کے بھی آباء و اجداد بنے۔ یہ تمام نسلیں آرامی یا الپینی بھی کہی جاتی ہیں۔ آریوں کی دوسری شاخ جنوبی مشرقی حصّے میں بھی گئی اور ایران کی سطح مرتفع پر آباد ہو گئی، اس شاخ سے میڈاس (Medas) اور قدیم اہلِ فارس کی نسلیں نکلیں۔ اس شاخ کا ایک حصّہ پہاڑوں کو پار کر کے سندھ اور گنگا کی وادی میں پہنچا جس نے شمالی ہندوستان کی آبادکاری کی۔ ادھر آرامیوں کی ایک جماعت اناطولیہ (Anatolia) شام اور لبنان کے راستے ہلالِ خصیب میں داخل ہوئی[۴]۔ یہاں پر یہ لوگ بحر روم کی اقوام یا حام کی

---

[۳] فلپ ہٹی، ایضاً، ص ۳۳

[۴] فلپ ہٹی، "(Anc Near_East_In_History)"، ص ۳۳

نسل کے لوگوں کے ساتھ مل گئے اور سمیریوں کو جنم دیا۔

سامی اقوام حضرت نوح علیہ السلام کے بڑے لڑکے سام ابن نوحؑ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ جزیرۃ العرب نسل انسانی کی افزائش کے ان بنیادی گہواروں میں سے ایک گہوارہ ہے جو تاریخ کے ہر دور میں سامی اقوام کا وطن رہا ہے۔ پھر یہاں سے شمال کی جانب وہ "ہلال خصیب" میں داخل ہوئیں[۴]۔ سامی نسل سے جو قومیں آس پاس کے علاقوں میں پھیلیں ان میں سے چند خاص یہ ہیں۔ بابلی، آشوری، لبنان میں آباد کنعانی یا فینقی (Phoenicians)، شمالی شام کے عموری (Amorites)، وسط شام کے آرامی اور عبرانی[۵]۔ جدید استعمال میں سمیری، حامی، سامی وغیرہ الفاظ میں نسل سے زیادہ لسانی مفہوم مضمر ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں سامی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو سامی زبانوں میں سے کوئی زبان بولتا ہے۔ جو کہ یہ ہیں۔ عربی، اکادی (Akkadians) یعنی آشوری و بابلی کی آمیزش (Assyro-Babylonian) کنعانی (Canaanite) یعنی عموری و فینقی (Amoritic and Phoenician) کی آمیزش، آرامی یعنی سریانی کی اصل زبان (Syriac)، عبرانی اور حبشی (Ethiopic)۔ ان تمام زبانوں کی بنیادی خصوصیات میں یگانگت ہے اور ان کا تعلق ایک متحد لسانی خاندان یعنی سامی زبانوں کے خاندان سے ہے۔

اقوام عرب

جزیرۃ العرب میں جو قومیں آباد تھیں ان کو تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے[۶]۔ (۱) عرب بائدہ (۲) عرب عاربہ (۳) عرب مستعربہ۔ پروفیسر فلپ ہٹی (Philip Hitti) اپنی کتاب Syria, A Short History میں لکھتے ہیں: "عربی زبان خالص سامی خصوصیات کی حامل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان نے سامی زبان سے نکلی ہوئی دوسری زبانوں کے مقابلہ میں اس ام اللسان یعنی سامی سے اپنے گہرے رشتے کو پوری طرح محفوظ رکھا ہے[۷]۔"

---

۴ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۱، ص ۱۰۹ تا ۱۱۳؛ فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۴۳

۵ سید سلیمان ندوی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۰۹ تا ۱۱۳؛ فلپ ہٹی، History of The Arabs لندن (۱۹۵۸ء)، ص ۳ تا ۱۳

۶ ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۷۰

۷ فلپ ہٹی، Syria; A Short History

عرب بائدہ

وہ اقوام جن کا تعلق عرب بائدہ سے ہے تاریخ عرب کے اس تاریک دور سے وابستہ ہیں جن کی زیادہ تفصیلات جدید تاریخ میں نہیں ملتیں۔ ان کے گمنام قبیلوں میں سے چند مشہور قبیلوں کے نام یہ ہیں: عاد، ثمود، جدیس اور طسم۔ یہ قبیلے سام ابن نوح کی اولاد میں تیسری یا چوتھی پیڑھی سے تعلق رکھتے ہیں۔

قوم عاد

نسب: عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح[9]۔ یہ قوم عظیم ریگستان احقاف (ملاحظہ ہو سورۂ احقاف، آیت ۲۱) میں رہتی تھی، اور ان کا جزیرۃ العرب کے ان حصوں پر قبضہ تھا جو خلیج عمان سے لیکر حضرموت تک اور یمن سے لے کر بحر احمر کے جنوبی کنارے تک پھیلا ہوا ہے[10]۔ مورخین کے بیان کے مطابق شداد[11] جو قوم عاد کا ایک بڑا بادشاہ گزرا ہے وہ عاد بن عوص کا بیٹا تھا۔ اس نے صحرائے عدن میں ایک شاندار شہر کی بنیاد رکھی جس میں اس نے ایک عالیشان محل اور خوبصورت باغیچے بنوا کر آسمانی جنّت کی نقالی کی، اس طرح اس نے اپنے اس زعم باطل کو تقویت دینی چاہی جس کے تحت اس نے اپنے کو خدا سمجھ رکھا تھا، اس جنّتی شہر کا نام ارم (قرآن، والفجر، آیت ۷) رکھا گیا جو قوم عاد کا دارالسلطنت بنا[12]۔ لیکن شداد کو اپنی جنت سے لطف اٹھانے کا موقع بالکل نہیں ملا کیونکہ پہلے ہی دن جونہی وہ اس کی زیارت کے لئے گیا، بطور عذاب اس کی موت واقع ہوگئی۔ علامہ ابن خلدون کے بیان کے مطابق ارم کسی شہر کا نام نہیں تھا بلکہ سام کے ایک بڑے لڑکے کا نام ہے[13]۔ قوم عاد کی

---

۹ المسعودی، التاریخ، جلد ۱، ص ۲۵۸؛ ابن خلدون، التاریخ، جلد ۲، ص ۳۴؛ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، جلد ۱، ص ۱۲۵؛ محمد رابع ندوی، جغرافیہ جزیرۃ العرب، جلد ۱، ص ۸۷

۱۰ المسعودی، التاریخ، جلد ۱، ص ۲۵۸

۱۱ المسعودی، التاریخ، مصر ۱۳۴۶ھ، ج ۱، ص ۲۵۹

۱۲ المسعودی، ایضاً، ج ۱، ص ۲۵۹

۱۳ ابن خلدون، التاریخ، بیروت ۱۹۶۶، ج ۲، ص ۳۶

طرف حضرت ہود علیہ السلام خدائے تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ (قرآن، سورۂ اعراف، آیت ۶۵) قوم نے ان کی نافرمانی کی جس کے نتیجے میں خدا کی جانب سے سخت آندھی کے عذاب سے دوچار ہوگئی اور تباہ کر دی گئی۔ لقمان حکیم جو بعض مورخین[۱۴] کے بیان کے مطابق مشہور فلسفی اور قوم عاد کے بادشاہ تھے اور "سات شاہینوں کے زمانے" میں رہتے تھے وہ اس عام تباہی سے دوسرے ۶۰ آدمیوں کے ساتھ بچ گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر اب بھی حضر موت (یمن) میں موجود ہے[۱۵] جو مکلا سے ۹۰ میل کے فاصلے پر ہے۔

قوم عاد کے لوگ اپنے فن تعمیر میں بہت مشہور تھے انھوں نے اپنی راجدھانی میں نہایت ہی بلند اور مضبوط عمارتیں بنا رکھی تھیں (قرآن۔ سورۃ الشعراء آیت ۱۲۹ و ۱۳۰) یہ لمبے قد کے اور بڑے طاقتور لوگ تھے ان کا زمانہ غالباً تین ہزار قبل مسیح کا ہے۔

قوم ثمود

ثمود کے آباء و اجداد:۔ ثمود کاثر کا لڑکا تھا[۱۶] (بائبل میں جس کو گیتر کہا گیا ہے)۔ بعض مورخین کے نزدیک ثمود عابر کا لڑکا تھا اور عابر، ارم بن سام کے لڑکے تھے۔ مورخین کا ایک تیسرا گروہ کہتا ہے کہ ثمود عامر ابن ارم کے لڑکے تھے۔ کاثر ارم ابن سام ابن نوحؑ کے لڑکے تھے۔ کچھ مورخین کے مطابق ثمود کے قبیلے پہلے وادی القریٰ (جو مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی ہے[۱۸ الف]) میں آباد ہوئے جس کا دارالحکومت "حجر" بتایا جاتا ہے جو شام کی سرحد پر ہے[۱۹]۔ یہ لوگ قوم عاد کی تباہی کے بعد طاقتور بنے۔ (قرآن۔ سورہ اعراف، آیت ۷۴) قوم عاد کی طرح ان کے بارے میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ

---

۱۴ ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۳۸؛ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن اعظم گڑھ (الہند) ۱۹۵۵، ج ۱، ص ۷۷، ۱ و ۸۷،۱؛ مولانا محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، دہلی ۱۹۶۱ء (۱۳۸۰ھ)، ج ۳، ص ۳۴ تا ۴۰؛ مزید ملاحظہ فرمائیں: تفسیر ابن کثیر، مغازی ابن اسحٰق، اور جغرافیہ جزیرۃ العرب از محمد رابع ندوی۔

۱۵ مولانا محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، ص ۱، ص ۱۰۳ تا ۱۰۷؛ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۱، ص ۱۷۵

۱۶ ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۴۱

۱۷ المسعودی، التاریخ، جلد ۱، ص ۲۵۹

۱۸ محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، ج ۱، ص ۱۰۶؛ ۱۸ الف جغرافیہ جزیرۃ العرب از محمد رابع ندوی، ص ۱۲

[illegible]

بڑے طاقت ور تھے ان کا سب سے لمبا شخص (بعض مورخین کے بیان کے مطابق) سو ہاتھ کا ہوتا اور سب سے چھوٹا شخص ۶۰ ہاتھ کا۔ قرآن کریم کے بیان کے مطابق وہ پہاڑی چٹانوں کے غاروں میں رہتے تھے اور پہاڑوں کو کاٹ کر گھروں میں تبدیل کرتے جو آج بھی باقی ہیں۔ وہ اپنے مندر اور بڑے مکانات مضبوط چٹانوں کو تراش کر بناتے تھے۔ (قرآن۔ سورۂ اعراف، آیت ۷۴، الشعراء، آیت ۱۴۹) بعض مسلم مورخین کی تحقیق میں پٹرا (Petra) کے کھودے ہوئے شہر کا، جو معن (اردن) کے پاس ہے، تعلق قوم ثمود کے زمانے سے ہے۔ قوم ثمود کی جانب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا جن کو بائبل میں فلج کے نام سے موسوم کیا گیا ہے[۲۰] (پیدائش۔ باب ۱۱، آیت ۱۶) لیکن قوم نے بنو عاد کی طرح ان کی نافرمانی کی اور بت پرستی پر مصر رہے جس کے نتیجہ میں ان کے اوپر خدا کی جانب سے سخت کڑک و گرج کے ساتھ سخت پتھروں کی بارش نازل ہوئی اور تباہ و برباد ہو گئے۔ (قرآن، سورۂ اعراف، آیت ۷۸؛ سورہ ہود، آیت ۶۷)

طسم اور جدیس :

یہ دونوں قبائل مکہ اور مدینہ کے درمیان آباد تھے اور سرزمین حجاز نیز جنوب کی جانب یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی تاریخ یکسر پردۂ خفا میں ہے۔ البتہ قدیم عربی نظموں میں ان کے نام کا ذکر ملتا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ قومیں آپسی اختلاف و دشمنی کی بنا پر برباد ہوئیں[۲۱]۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ قوم طسم کا آدمی دونوں قبیلوں پر حکومت کرتا تھا۔ جدیس کے لوگ قبیلۂ طسم کے اس اقتدار و حاکمیت کو ناپسند کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے بادشاہ اور اس کے مصاحبین کو ایک دلچسپ پروگرام میں مدعو کیا اور جشن کے وقت اسے قتل کر دیا اور اس کے ساتھ رعایا کی ایک خاصی بڑی تعداد کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا[۲۲]۔

۲۰۔ Thomas Patrik Hughes, Dictionary of Islam, London, 1885, p. 563.

۲۱۔ محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، قاہرہ ۱۹۶۰، ج ۱، ص ۶۲۱؛ المسعودی، التاریخ، مصر ۱۳۴۶ھ، ج ۱، ص ۲۷۵ تا ۲۷۳؛ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۱، ۲۰۱۔ مزید ملاحظہ ہو جغرافیہ جزیرۃ العرب از محمد رابع ندوی۔

۲۲۔ ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۴۴؛ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۲، ص ۲۰۱؛ محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۱، ص ۶۲۹

کہا جاتا ہے کہ بنو قحطان جزیرۃ العرب کے قدیم ترین باشندوں میں سے ہیں۔ اسلامی روایت کے مطابق اس قبیلہ کا سلسلہ قحطان یا یُقطان نامی شخص سے شروع ہوتا ہے۔ (بائبل میں بھی اس کا نام یقطان ہے ملاحظہ ہو پیدائش، باب ۱۰، آیت ۲۶) اس کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے قحطان یا یقطان بن عابر (ایبر) بن شالخ (یا شالح) بن ارفخشذ ابن سام ابن نوح۔[۲۳] دوسرے بعض مورخین کی تحقیق میں بھی قحطان یا یقطان ایک ہی شخص کا نام تھا،[۲۴] جس کے کئی لڑکے تھے ان میں مشہور یہ تھے :-

(۱) یعرب : جو یمن کا باپ تھا جس کے نام سے ملک یمن موسوم ہوا۔

(۲) حضرموت یا حضارموت (بائبل میں حضارموت) : جن کے نام سے حضرموت کا علاقہ موسوم ہوا۔

(۳) جرہم اور (۴) حضور۔[۲۴ (الف)]

یمن مشہور شخص تھے اور حمیر کے باپ تھے جنھوں نے صدیوں جنوبی عرب پر حکمرانی کی تھی۔ جرہم اور ان کی اولاد نے سرزمین حجاز میں سکونت اختیار کی۔ بائبل میں یارح اور جرہم کا شمار ان تیرہ شخصوں میں کیا گیا ہے جنھوں نے ملک عرب کو آباد کیا۔ (پیدائش، باب ۱۰، آیت ۲۶) اہل یمن اور جرہم کے علاوہ سرزمین عرب میں جن قحطانی قبیلوں کی بڑی افزائش نسل ہوئی وہ یہ ہیں۔[۲۵]

(۱) بنو کہلان : اس کی شاخیں یہ ہیں۔ بجیلہ، خثعم، ہمدان، کندہ، مزحج، طے، نہہم جذام، آملہ۔

(۲) بنو ازد : اس کے فروع یہ ہیں۔ اوس، خزرج، خزاعہ، غسان، دوس

(۳) بنو قضاعہ : اکثر مورخین بنو قضاعہ کو بنو قحطان کی شاخ مانتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ ان کو بنو اسماعیل میں شمار کرتے ہیں، ان کی مندرجہ ذیل شاخیں ہیں :-

بنو کلب، بنو تنوخ، بنو جرم، بنو جہنیہ، بنو عذرہ، بنو اسلم، بلی، بلیع، ضجعم، تغلب، اسد،

---

۲۳ المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۱، ۲؛ ابن خلدون، التاریخ، جلد ۲، ص ۸۵

۲۴ ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۸۵

۲۴ (الف) تاریخ اسلام از مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، حصہ اوّل، ص ۵۴

۲۵ علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۱۰۸

اور نمرود وغیرہ۔

عرب مستعربہ

یہ وہ مخلوط عرب تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السّلام اور المضض کی بیٹی[23] کی اولاد میں سے تھے۔ المضض جرہم کی اولاد میں چھٹی نسل میں ہیں۔

(الف) حضرت ابراھیم اور اسماعیل علیہما السلام :۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر تھا اور بعض مورخین کے خیال میں تارخ تھا۔ بائبل میں اس کا نسبی نام تارح بتایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:۔

ابراہیم بن آزر بن ناخور بن ساروخ بن ارغو بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح[24]

یہ بالکل مسلّمہ حقیقت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور بڑے لڑکے حضرت اسماعیلؑ کو سرزمین مکہ میں چھوڑ دیا تھا[25]۔ بعض مغربی مورخین اس مسلمہ حقیقت کو ماننے سے انکار کرتے ہیں لیکن تمام مسلم مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ہاجرہ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ ہجرت کی اور سرزمین مکہ میں سکونت پذیر ہوئیں۔ حضرت ہاجرہ کے پاس جو پانی تھا ختم ہو گیا اور معجزہ کے طور پر ایک چشمہ اس سرزمین میں پھوٹ پڑا جو زمزم کے نام سے موسوم و مشہور ہے۔ اس قول کی تائید میں میں ذیل میں بائبل کے چند اقتباسات نقل کرتا ہوں جن سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیلؑ کو ایک ریگستانی سرزمین میں خدا کے حکم سے لے گئے اور وہیں چھوڑ دیا۔

"اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ تجھے اس لڑکے اور اپنی لونڈی کے باعث بُرا نہ لگے جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے تو اس کی بات مان کیونکہ اضحاک سے تیری نسل کا نام چلے گا۔ اور اس لونڈی کے بیٹے سے بھی میں ایک نسل پیدا کروں گا اِسلئے کہ وہ

---

[23] محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک ج ۱، ص ۳۱۴

[24] محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، ۱۹۶۰ء (۱۳۸۰ھ) ج ۱، ص ۵۹؛ محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک ج ۱، ص ۲۲۳

[25] المسعودی، التاریخ، مصر، ۱۳۴۶ھ، ج ۱، ص ۲۷ وغیرہ

تیری نسل سے ہے ٭ تب ابراہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی، اور اسے ہاجرہ کو دیا بلکہ اسے اس کے کندھے پر دھر دیا اور لڑکے کو بھی اس کے حوالے کر کے اسے رخصت کر دیا۔ سو وہ چلی گئی اور بیرسبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی ٭ (بائبل، مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۱۹۸۳۔ پیدائش باب ۲۱، آیت ۱۲ تا ۱۴)

مندرجہ بالا اقتباس میں حضرت ہاجرہؑ کو لونڈی بتایا گیا ہے۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مصر کے بادشاہ کی جانب سے اس وقت تحفہ میں دی گئی تھیں جب آپ نے مصر کا سفر کیا تھا۔[۲۹] بعض مسلم مورخین کی تحقیق میں وہ ایک بادشاہ کی لڑکی تھیں[۳۰]۔ اس وقت یہ رواج تھا کہ پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی پہلی بیوی کی لونڈی بن کر رہتی۔ چنانچہ حضرت ہاجرہ حضرت سارہ کی لونڈی کہی گئیں، اس طرح کی باتیں مختلف طریقوں سے بائبل میں مذکور ہیں۔ (ملاحظہ ہو، بائبل، پیدائش، باب ۱۶، آیت ۳)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش اس وقت ہوئی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ برس کی ہو چکی تھی۔[۳۱] (بائبل، پیدائش، باب ۱۶، آیت ۱۵) اور آپ کے دوسرے لڑکے حضرت اسحاقؑ کی پیدائش حضرت سارہ سے اس وقت ہوئی جب آپ سو برس کے ہو چکے تھے۔ (بائبل، پیدائش، باب ۲۱، آیت ۵ اور ۶) بعض مورخین کے خیال میں حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش اس وقت ہوئی جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۹۰ سال تھی، اور حضرت اسحاقؑ کی اس وقت ہوئی جب آپ علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ سال ہو گئی تھی۔[۳۲] اس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاقؑ سے

۲۹؎ محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۴۸

۳۰؎ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۲، ص ۴۱؛ محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، ج ۱، ص ۱۹۰؛ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، لاہور، ۱۹۲۳، ج ۱، ص ۲۔ (قاضی محمد سلیمان سلمان کے مطابق ہاجرہ رقیون، بادشاہ مصر کی صاحبزادی تھیں جس نے حضرت سارہ علیہا السلام کے ساتھ دست درازی کی کوشش کی تھی، قاضی صاحب نے خطبات احمدیہ ص ۴۰۹ کا حوالہ دیا ہے اور اس کے علاوہ تاریخ عمرو بن عاص ج ۲، ص ۱۸۲، از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن مطبوعہ مطبع السعادہ مصر کا بھی حوالہ دیا ہے)

۳۱؎ المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۲۷

۳۲؎ محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۴۸

کم از کم ۱۴ برس بڑے ہوئے۔

بائبل کے مذکورہ بالا اقتباس میں یہ پیشین گوئی ہے کہ اللہ رب العزّت حضرت اسماعیلؑ سے ایک قوم پیدا کرے گا، بعینہ یہی پیشین گوئی قرآن کریم میں بھی ہے (قرآن، سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۴) چنانچہ بنو اسماعیل (اہل عرب) کی شکل میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی جن سے کہ آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

بعض غیر اسلامی روایتوں میں ہے کہ بیرسبع جس کا ذکر اوپر کے اقتباس (پیدائش، باب ۲۱، آیات ۱۲ تا ۱۴) میں آچکا ہے فلسطین میں ہے۔ لیکن یہ بات دھیان میں رکھنے کی ہے کہ اس اقتباس سے ہرگز یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت ہاجرہ نے بیرسبع کو اپنا مسکن بنایا تھا بلکہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ہاجرہ بیرسبع کے بیابان میں بھٹکتی رہیں۔ بیرسبع عرب کے شمال میں ہے اس لئے یہ عیاں ہے کہ انھوں نے وہاں سے عرب کی طرف ہجرت کی۔ بائبل کے چند دوسرے اقتباسات اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ عرب ہی میں سکونت پزیر ہوئیں۔

انجیل کے نئے عہدنامے کا ایک اقتباس مثال کے طور پر ذیل میں درج ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ عرب کی باشندہ تھیں۔

"ان باتوں میں تمثیل پائی جاتی ہے اس لئے کہ یہ عورتیں گویا دو عہد ہیں۔ ایک کوہِ سینا پر کا جس سے غلام ہی پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہاجرہ ہے اور ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے، اور موجودہ یروشلم اس کا جواب ہے"

(انجیل، گلتیون، باب ۴، آیت ۲۴ و ۲۵)

نوٹ:۔ انجیل کے کچھ پرانے نسخوں میں یہ الفاظ ہیں:

"سینا ایک پہاڑ ہے عرب میں" اور یہ الفاظ نہیں ہیں "عرب کا کوہِ سینا"

(ملاحظہ ہو۔ بائبل کا انگریزی ترجمہ "The New English Bible" مطبوعہ آکسفورڈ/کیمبرج یونیورسٹی پریس) اوپر ہم نے جس بائبل کا اقتباس دیا ہے وہ بائبل کا کیتھولک چرچ کا ترجمہ ہے۔

بائبل کا ایک دوسرا انگریزی ترجمہ جو بادشاہ جیمس King James Version نے کرایا تھا

اور جو عام طور پر ملتا ہے (ہمارے پاس اس کا فلاڈیلپیا امریکہ کا ۱۹۶۸ء کا مطبوعہ نسخہ ہے۔) اس کے مطابق مندرجہ بالا اقتباس (گلیتوں، باب ۴، آیات ۲۴و۲۵) کا اردو کا ترجمہ اس طرح ہوگا:

"لیکن وہ لڑکا جو کہ لونڈی کا تھا وہ گوشت سے پیدا ہوا تھا؛ جب کہ وہ (یعنی دوسرا لڑکا) آزاد عورت سے ایک وعدہ کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا۔ ان باتوں میں تمثیل پائی جاتی ہے۔ اس لئے یہ (عورتیں) گویا کہ دو عہد ہیں ایک کوہ سینا سے جو کہ پیدا کرتی ہے ایک غلام نسل اور وہ آجر ہے (یعنی ہاجرہ علیہا السلام) کیونکہ آجر (ہاجرہ علیہا السلام) (گویا کہ) عرب کا کوہِ سینا ہے جو موجودہ یروشلم کا جواب ہے، اور وہ اپنے لڑکوں کے ساتھ غلامی میں ہے مگر یروشلم آزاد ہے اور وہ ہم سب کی ماں ہے۔"

(نوٹ:۔ اس اقتباس کا ترجمہ انگریزی سے مصنف نے خود کیا ہے)۔ انجیل گلیتوں، باب ۴، آیات ۲۲ تا ۲۶

مذکورہ بالا اقتباس صاف لفظوں میں ظاہر کرتا ہے کہ عرب کے کوہِ سینا کو حضرت ہاجرہؑ نے اپنا مسکن بنایا۔ مزید اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ "خدا کا عظیم گھر" جو بائبل کی زبان میں یروشلم کا جواب ہے اس کا محل وقوع کیا تھا۔ جیسا کہ بائبل کی مندرجہ بالا آیت میں موجود ہے کہ "(گویا کہ) وہ عرب کا کوہِ سینا ہے"۔ اس طرح دراصل "خدا کا عظیم گھر" کا وقوع عرب میں ثابت ہوتا ہے۔

بائبل کی ایک دوسری آیت میں (جو کہ مندرجہ ذیل ہے) یہ کہا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام "پاران" (یعنی فاران) پہاڑ کے پاس رہتے تھے:۔

"اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا"۔ (بائبل، پیدائش، باب ۲۱، آیت ۲۱، اردو ترجمہ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور)

مسلمان فضلاء کی تحقیق کے مطابق لفظ "پاران"، عربی لفظ "فاران"، کے مترادف ہے (جیسا کہ بائبل کی مندرجہ بالا آیت کے مصدقہ اردو ترجمہ میں جو کہ پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا ہے، بھی مذکور ہے۔ نوٹ:۔ یہ ترجمہ اصل کتاب کے لکھنے کے بعد لاہور سے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا گیا ہے اس لئے ہماری انگریزی کی کتاب میں اس کا حوالہ درج نہیں ہے۔ ماجد) فاران مکہ کے ایک پہاڑ

کا نام ہے[۳۳]۔ اس کے علاوہ بائبل کے مندرجہ ذیل اقتباس میں حضرت اسماعیل اور ان کی اولاد کا مسکن مصر کے بالکل مخالف سمت اسور کی جانب بتایا گیا ہے۔

"...... اور اسماعیل کی کل عمر ۱۳۵ برس کی ہوئی تب اس نے دم چھوڑ دیا اور وفات پائی۔ اور اپنے لوگوں میں جا ملا۔ اور اس کی اولاد حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستے پر ہے جس سے اسور کو جاتے ہیں آباد تھی۔ یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے (مقابلہ میں) بسے ہوئے تھے۔"

(بائبل، پیدائش، باب ۲۵، آیات ۱۷، ۱۸۔ ترجمہ از حوالۂ مذکورہ)

قدیم مشرق وسطیٰ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں صدیوں قبل مسیح میں جو علاقہ "ارم آشور" اور مصر کے درمیان واقع ہے وہ شمالی عرب ہی ہے۔

اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مختلف مقامات کی سیاحت کے بارے میں کچھ تاریخی بیانات پر روشنی ڈالنا نہایت موزوں ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کی صحیح تعین نہیں کی جا سکتی۔ اندازہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام تین ہزار قبل مسیح کے آخری دور میں قدیم بابل (موجودہ عراق) کے ایک شہر اُر میں رہتے تھے، یہاں کے باشندے، چاند، سورج اور دوسرے ستاروں و سیاروں نیز ایک ماتا دیوی اشتر کی پوجا کرتے تھے[۳۴]۔ اس زمانے کے مشرکین میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے موحّد (مسلمان) ہوئے اور اپنے ماننے والوں کو بحکم خداوندی مسلمین کا خطاب عطا کیا (ملاحظہ ہو۔ قرآن، سورہ حج، آیت ۷۸) آپ نے لوگوں کے درمیان تبلیغ کی اور خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی لیکن انھوں نے آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور آپ کو مسلسل اذیتیں پہنچاتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کو آگ کے ایک بڑے الاؤ میں ڈال دیا لیکن آپ خدائے واحد کے حکم سے بچ گئے۔ (ملاحظہ ہو قرآن، سورہ انبیاء، آیت ۶۸ و ۶۹) بعض مورخین کے بیان کے مطابق یہ حادثہ آشور میں جو نینوا کے پاس تھا (اور موجودہ دور میں، جہاں موصل آباد ہے) پیش آیا تھا۔ وہاں نمرود بادشاہ

---

[۳۳] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۱۳۲

[۳۴] فلپ ہٹی The Near East In History ص ۵۷

کی حکومت تھی،[۳۵] غالباً نینوا اس کا دار الحکومت تھا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو یہ فرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شمال میں نینوا تک اپنے مشن کی دعوت و تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

آگ سے بچنے کے بعد آپؑ حرّان آئے اور کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے، پھر حرّان سے فلسطین (ارضِ کنعان) گئے۔ بعض مورخین کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشن کے مراکز بیتل (موجودہ بیت جبرین یا بیت جبریل)، جبرون (موجودہ خلیل) اور بئر سبع میں قائم کئے۔[۳۶] سرزمین حرّان میں قحط سالی تھی چنانچہ آپؑ مصر تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے۔ فرعونِ مصر نے آپؑ کی بیوی سارہ کے ساتھ دست درازی کرنے کی کوشش کی لیکن ایک معجزہ کے نتیجہ میں ناکام رہا جس کی وجہ سے فرعون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک برگزیدہ ہستی سمجھا اور آپؑ علیہ السلام کی بڑی تعظیم و توقیر کی۔ اس نے حضرت ابراہیمؑ کو نہ صرف مویشی اور سونا چاندی دئے بلکہ اپنی لڑکی ہاجرہؓ کو بھی بطور تحفہ عطا کیا جن سے آپؑ کی شادی ہوئی آپؑ ان تمام تحائف نیز اپنی دونوں بیویوں حضرت سارہؓ و حضرت ہاجرہؓ کے ساتھ مصر سے واپس تشریف لے آئے اور آخر میں فلسطین میں آباد ہو گئے۔ یہاں آپؑ کی دوسری بیوی حضرت ہاجرہؓ سے آپؑ کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔[۳۷] اس کی وجہ سے آپؑ کی پہلی (بانجھ) بیوی حضرت سارہؓ کے دل میں ہاجرہؓ اور ان کے لڑکے سے رقابت پیدا ہو گئی۔ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت ہاجرہؓ اور اسماعیلؑ کو گھر سے نکال دینے کا مطالبہ کیا، بذریعہ وحی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی خدا کی جانب سے ایسا کرنے کا حکم ملا چنانچہ آپؑ نے حضرت ہاجرہؓ اور اپنے لختِ جگر، اسماعیلؑ سے ہجرت کرنے کے لئے کہا۔ حضرت ہاجرہ خدا کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے بیٹے اسماعیل کو لے کر مکہ میں آکر آباد ہو گئیں۔

---

[۳۵] عبداللہ یوسف علی Commentary of the Holy Quran (تفسیر قرآن انگریزی)، مطبوعہ لاہور (۱۹۴۶ء)، ص ۵۳۳، فٹ نوٹ نمبر ۱۵۶۵ برائے آیت نمبر ۶۹، سورہ ہود؛ اور ص ۸۳۷، فٹ نوٹ نمبر ۲۷۲۵ برائے آیت ۶۹، سورہ حج

[۳۶] سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ج ۱، (بسلسلہ تفسیر آیت ۱۲۵، سورہ بقرہ)

[۳۷] سید ابوالاعلیٰ مودودی، ایضاً، ج ۱ (بسلسلہ تفسیر آیت ۱۲۲، سورہ بقرہ)

اسلامی تواریخ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے ملنے کئی بار مکہ گئے[۳۸]، وہاں آپؑ نے اللہ کے پہلے گھر (خانۂ کعبہ) کی تعمیر[۳۹] انہی بنیادوں پر کی جن پر سب سے پہلے انسان اور پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو بنایا تھا لیکن بعد کو طوفان نوحؑ سے منہدم ہوگیا تھا[۴۰]۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کافی بڑے ہو گئے تھے اور خدا کے گھر کی تعمیر میں انھوں نے اپنے باپ کی مدد کی، (ملاحظہ ہو۔ قرآن، سورہ بقرہ، آیت ۱۲۷) جب وہ اللہ کا گھر تعمیر کر رہے تھے تو انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے پروردگار ہماری اولاد میں ایک رسول مبعوث فرما' (ملاحظہ ہو۔ قرآن، سورۃ بقرہ' آیت ۱۲۹) چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور آخری نبی و رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد اسماعیلؑ میں سے بھیجے گئے۔ (جن کی بنا پر بنی اسرائیل کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی یہ بحث تفصیل سے کتاب میں اپنے محل پر آئے گی)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کے بعد کئی مرتبہ اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام سے ملنے گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک مرتبہ خدا کی جانب سے بطور آزمائش یہ حکم ہوا کہ اپنے بیٹے اسماعیل کو خدا کی راہ میں قربان کریں۔ درحقیقت یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے بڑی سخت آزمائش تھی لیکن پھر بھی آپ اپنی آزمائش میں پورے اترے اور خدا کے حکم کو بجالائے۔ اللہ رب العزت نے حضرت اسماعیلؑ کو بچالیا' اور اس فرمانبرداری کے بدلے میں حضرت ابراہیمؑ کو ایک عظیم قربانی بطور فدیہ عطا کی۔ (ملاحظہ ہو۔ سورہ صافات، آیات ۱۰۲ تا ۱۰۷) اسی وقت سے یہ قربانی مسلسل چلی آرہی ہے جس کو مسلمان حج اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر کرتے ہیں۔ بعض مسلم مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کی قربانی خانۂ کعبہ کی تعمیر سے پہلے مانگی گئی تھی لیکن یہ بیان زیادہ درست نہیں مانا جاتا ہے۔

(ب) بنو اسماعیل:۔

حضرت اسماعیلؑ کے ایک لڑکے کا نام قیدار تھا جن کی اولاد میں ایک شخص کا

---

[۳۸] المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۲۶۲

[۳۹] المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۲۶ اور ۲۶۳

[۴۰] محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۲۸۳

نام عدنان تھا، بنو عدنان انھیں کی اولاد ہیں[۴۱]۔ یہ شمالی عرب میں قبائل کا ایک اور مشہور خاندان خیال کیا جاتا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ اور عدنان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے اس کے بارے میں لوگوں کے مختلف اندازے ہیں۔ مورخین کے خیال میں دونوں کے درمیان چالیس پیڑھی کا فاصلہ ہے[۴۲]۔ جبکہ ایک دوسرے اندازے کے مطابق یہ فاصلہ صرف سات پیڑھی ہی رہ جاتا ہے۔ لیکن عدنان اور اسماعیلؑ کے درمیان دو ہزار برس سے زائد کا جو وقفہ ہے وہ چالیس پیڑیوں کے لئے بھی ناکافی ہے (نہ کہ سات پیڑیاں) اس لئے لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ ان دونوں کے درمیان غالباً چالیس سے بھی زیادہ پیڑیاں تھیں۔ پیڑیوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زمانۂ قدیم کے لوگ اپنے سلسلۂ نسب میں صرف خاص خاص آبا و اجداد کے نام ہی یاد رکھتے تھے اور ان کے بیچ کے واسطوں کو نظر انداز کر دیتے تھے اسی وجہ سے اس سلسلے میں مورخین کے مختلف نظریات نقل کئے گئے ہیں[۴۳]۔ عدنان سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو نسبی واسطے بتائے جاتے ہیں، ان کی تعداد اکیس ہے اور وہ سب سے صحیح خیال کئے جاتے ہیں، ان کے بارے میں مناسب جگہ تحریر کیا جائے گا۔

قبیلہ بنو عدنان کی کئی شاخیں تھیں جن میں سے قبیلۂ مضر کی مشہور شاخیں حسب ذیل ہیں[۴۴]:۔

۱۔ بنو خندف جن کے مشہور قبیلے یہ ہیں:۔

(۱) بنو کنانہ، جن کے فروع میں قریش اور دول بہت مشہور ہیں۔

(۲) بنو ہون، جن کی مشہور فروع قارہ ہے۔

(۳) بنو رباب، جن کے فروع میں عدی، تیم، عکل اور ثور ہیں

(۴) بنو تمیم، جن کی فروع مقاعس، قریع، بہدلہ، یربوع، ریاح، ثعلبہ، کلیب ہیں۔

(۵) بنو ہذیل

---

[۴۱] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، قاہرہ ۱۹۵۵ء (۱۳۷۵ھ)، ج ۱، ص ۰؛ ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۶۱۶

[۴۲] ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۶۱۶

[۴۳] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۱۶۱

[۴۴] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۱۶۱

(۶) بنو اسد

(۷) بنو مزینہ

(۸) بنو خبشہ

۲۔ قیس، ان کے اندر عدوان، غطفان، اعصر، سلیم اور ہوازن آتے ہیں۔

(ج) قریش:۔

قریش فہر ابن مالک[۴۵] کا لقب تھا جو اپنے زمانے میں شمالی عرب کے سب سے زیادہ طاقتور اور باعزت شخص تھے۔ ان کی اولاد قریش کے نام سے مشہور ہوئی، فہر ابن مالک یا قریش اور عدنان کے درمیان مندرجہ ذیل پیڑیاں ہیں:۔

(نوٹ (۱)۔ مندرجہ ذیل ناموں کے سامنے جو تاریخیں دکھائی گئی ہیں وہ متعلقہ اشخاص کی تواریخ پیدائش بتائی جاتی ہیں۔ (۲) سرسید نے ہر پشت کے لیے ۳۳ سال کا اوسط لیا ہے) [۴۵ الف]

تاریخ بعد از مسیح	۲۰۸	فہر بن مالک یا قریش
"	۱۷۵	مالک
"	۱۴۲	نَضر
"	۱۰۹	کِنانہ
"	۷۶	خُزیمہ
"	۴۳	مُدرِکہ (عامر)
"	۱۰	الیاس
تاریخ قبل از مسیح	۲۳	مُضر
"	۵۶	نزار
"	۸۹	معدّ
"	۱۲۲	عدنان

۴۵۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۹۳

۴۵ الف۔ سرسید، "خطبات احمدیہ"

اصحاب مدین

اصحاب مدین جزیرۃ العرب کے باشندوں میں ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا ان کے بارے میں یہ خیال ہے کہ یہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں ان کی تیسری بیوی قطورہ کی اولاد تھے (بائبل، پیدائش، باب ۲۵، ص ۲)۔[۴۶] انھوں نے جزیرۃ العرب کے پڑوس کی سرزمین کنعان میں ہجرت کی اور غالباً وہاں کے کنعانی باشندوں میں گھل مل گئے۔ اصحاب مدین کا اہم مسکن خلیج عقبہ کا مشرقی خطہ مانا جاتا ہے۔[۴۷] بعض مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جس تاجر کے ہاتھ غلام کے طور بیچا گیا تھا اس کا تعلق قبیلہ مدین سے تھا۔ وہ آپ کو مصر لے گیا۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یترو Jethro کاہن سے گہرے تعلقات ان کے (یعنی قوم مدین کے) کوہ سینا کے قریب جائے وقوع کا پتہ دیتے ہیں" (بائبل، خروج، باب ۲، آیات ۱۵ تا ۲۱؛ باب ۳، آیت ۱، اور باب ۱۸) دوسری روایتوں ہیں مواب کے خطہ میں قوم مدین کے خلاف لڑائیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ (بائبل، گنتی، باب ۳۱) بائبل کی کتاب "قضاۃ" یہ بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل کو قوم مدین کے حوالے کر دیا گیا تھا جنھوں نے ان کے ساتھ بہت برا سلوک کیا (ملاحظہ ہو قضاۃ، ابواب ۶، ۷، ۸) یہاں تک کہ اس زمانے کے پیغمبر جدعون (Gideon) نے ان کو قوم مدین کے پنجے سے نکالا اور مغربی فلسطین لے گئے۔ بعض روائتیں ثابت کرتی ہیں کہ قوم مدین کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سسر تھے۔[۴۸] (جن کو بائبل یترو بتاتی ہے)

بہرحال قوم مدین کے لوگ ایشیا کی تجارتی شاہراہ پر واقع تھے (جس کو قرآن میں امام مبین کہا گیا ہے۔[۴۹]) یہ لوگ دو مالدار اور نہایت ہی منظم قوموں یعنی اہل مصر اور عراق (جو کہ آشوری اور بابلی اقوام پر مشتمل تھے) کے درمیان واقع تھے۔ قوم مدین ایک تجارتی قوم تھی، لیکن بعد کے زمانے میں وہ بگڑ گئی۔ ان کا سب سے بڑا گناہ و جرم تجارتی خود غرضی نیز

---

[۴۶] مولانا محمد حفظ الرحمن، قصص القرآن، ج ۱، ص ۳۱۴،

[۴۷] البلاذری، معجم البلدان، ج ۴، ص ۴۴۳، مولانا حفظ الرحمن، قصص القرآن، ج ۱، ص ۳۱۲؛ محمد رابع ندوی، جغرافیہ جزیرۃ العرب، ج ۱، ص ۹۳

[۴۸] المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۲۸؛ محمد ابن جریر الطبری، تفسیر القرآن، سورۃ القصص، ابن کثیر، تفسیر القرآن، ج ۷، ص ۲۴۸؛ مولانا حفظ الرحمان، قصص القرآن، ج ۱، ص ۳۵۴

معاملات اور ناپ تول میں دھوکہ وفریب دہی تھا جس کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب آیا اور ایک زلزلے نے ان کو ہلاک کر دیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور چند مومنین اس عذاب سے بچا لیے گئے (ملاحظہ ہو۔ قرآن کریم، سورۃ الاعراف، آیت ۹۱، سورہ ہود، آیات ۸۴ تا ۹۵ وغیرہ)

شمالی عرب کی مشہور ریاستیں

آشوری، عبرانی اور فارس کی اقوام کی قدیم تواریخ میں وسط اور شمالی عرب کی خانہ بدوش اقوام کے جابجا تذکرے اور حوالے ملتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ شمالی عرب کی کئی نو آبادیات کی تفصیلات بھی ملتی ہیں جن میں شہر پٹرا (Petra) اور پالمیرا (Palmyra) بہت مشہور ہیں۔ جہاںتک شمالی عرب کی قدیم ریاستوں کا تعلق ہے مندرجہ ذیل ریاستیں تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل کر چکی ہیں۔

۱۔ قوم نباط:۔

قوم نباط کی ریاست بہت مشہور تھی، اس قوم نے قدیم عرب کی تہذیب کو ترقی دینے میں بہت اہم رول ادا کیا تھا۔ پٹرا (بطرا) اس کا پایۂ تخت تھا جو حجاز اور فلسطین کے درمیان واقع تھا۔ یہی وہ واحد مقام تھا جہاں کافی مقدار میں عمدہ اور شفاف پانی کے ذخیرے تھے بعرب کاروان جب "ہلال خصیب" (عراق، شام اور ملحقہ علاقوں) سے اپنے یہاں بننے والی اشیاء نیز مسالوں وغیرہ کے بدلے میں کپڑے، غلہ اور دوسری چیزیں لے کر لوٹتے تھے تو پٹرا (Petra) کو جنوبی عرب سے شمالی عرب کے درمیان شاہراہ پر ایک کلیدی مقام حاصل تھا۔[۵۰]

اس وقت نبطی بادشاہوں کو حارث کا خطاب دیا جاتا تھا۔[۵۱] جنکے زیر نگیں خلیج عقبہ سے لے کر شمال میں "بحر مردار" (Dead Sea) تک پھیلا ہوا علاقہ تھا جس میں حجاز کا

---

[۵۰] فلپ ہٹی، The Near East In History ص ۱۴۶

[۵۱] فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ ص ۱۴۶

ایک بڑا حصہ بھی آگیا تھا۔ اپنے اس زبردست اقتدار کے نتیجے میں انھوں نے شام میں سکندر کے جانشین، سلوقی بادشاہوں کے حملوں کو ۳۱۲ ق م میں ناکام بنایا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ سلوقیوں کی سلطنت میں اندر تک گھس آئے اور اپنے اقتدار سلطنت کو شمال میں دمشق تک بڑھالیا۔ نبطیوں کے تعلقات رومیوں سے پہلی بار اس وقت ہوئے جب ۶۵ ق م میں پومپی (Pompey)، پٹرا کے دورہ پر آیا اور وہ رومیوں کے حلیف بن گئے، جس کے نتیجہ میں ان کو "موکل روم" (Client of Rome) کا خطاب ملا۔

پھر بھی پٹرا کی آزاد سلطنت زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکی کیونکہ رومیوں سے ان کے تعلقات خراب ہوگئے جس کی وجہ سے رومی فوجوں نے ۱۰۶ء میں تارزن (Tarjan) بادشاہ کے زمانے میں پٹرا پر قبضہ کرکے اس کو برباد کردیا اور نباطیہ کو سلطنت روم کا ایک صوبہ بنادیا گیا جس کا نام "فلسطین ثالث" (Palestine Tertia) رکھا۔

۲ ـ پالمیرا (Palmyra)

پٹرا کی تباہی کے بعد ایک دوسرا شہر پالمیرا ایک عرب حکومت کا دارالسلطنت بنا۔ اس سلطنت کی داغ بیل شاہانِ عزینہ کے سب سے پہلے بادشاہ عزینہ نے ڈالی[۵۲]۔ اس نے ۲۶۵ء میں ایرانیوں کے حملہ کے خلاف رومیوں کی مدد کی۔ اور بادشاہ گلینیئس (Gallienus) کو بچایا۔ جس کی وجہ سے اس کو "بادشاہ مشرق" ("dux Orientalis") کا خطاب ملا[۵۳]۔ عزینہ کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ بیوی زنوبیا (زینب) حکمراں ہوئی اور اس کو ملکہ مشرق کا خطاب دیا گیا۔ زینب نے بڑی اولوالعزمی اور حوصلہ مندی کا ثبوت دیا، اس نے اپنی حکومت کے دائرے کو شام، شمالی عرب اور مشرقی عراق کے علاوہ مصر تک بڑھانے کی کوشش کی، یہ دیکھ کر رومی بادشاہ اورولن (Aurelin) نے اس کے خلاف

۵۲؎ فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۱۴۷

۵۳؎ فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۱۴۷

قدم اٹھایا اور اس کی فوج کو شکست دینے کے بعد دار السلطنت پالمیرا پر ۲۷۳ء میں قبضہ کر لیا۔ ملکہ زنوبیا (زینب) کو قید کر لیا گیا اور سونے کی زنجیر میں باندھ کر اسے روم بھیج دیا گیا پالمیرا کو پوری طرح برباد کر دیا گیا۔ صرف اس کے مندر کو چھوڑ دیا گیا تھا۔

۳۔ شام کے غسانی بادشاہ:-

سلطنت بازنطینی اور سلطنت فارس کے دور میں دو عیسائی عرب ریاستیں بنیں۔ ان میں سے ایک غسانی ریاست تھی اور دوسری حیرہ کی ریاست تھی۔ غسانی دریائے یرموک کے قرب و جوار میں حکومت کرتے تھے[54] اور بازنطینی سلطنت کے ماتحت تھے چھٹی صدی عیسوی میں ان کو کافی اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ ان کے بادشاہ حارث اول نے ایک دوسری عربی ریاست حیرہ کے بادشاہ منذر سوم کو ۵۵۴ء میں شکست دی۔[55]

۴۔ حیرہ کی عرب ریاست

ایک دوسری چھوٹی عرب ریاست حیرہ میں تھی جس کو ساسانی بادشاہوں (سلطنتِ فارس) کی سرپرستی حاصل تھی، ان کا ایک مشہور بادشاہ منذر سوم ہوا،[56] جس نے چھٹی صدی عیسوی کے نصف اول میں حکومت کی[57]، اس کا جانشین اس کا لڑکا عمرو ہوا[58]۔ عمرو ایک آزاد خیال شاعر تھا' نعمان سوم جو کہ شاہان لخمی میں سے تھا' کے زمانے میں یہ ریاست ختم ہو گئی اور سلطنت فارس نے حیرہ کو اپنے قبضہ میں لے کر اس پر اپنا گورنر مقرر کیا۔[59]

عربوں کی چھوٹی چھوٹی مذکورہ بالا ریاستوں کے علاوہ جزیرۃ العرب کا وسطی حصہ جو حجاز اور نجد پر مشتمل تھا صدیوں تک غیر ملکی دست درازیوں سے محفوظ رہا' ان کی زندگی ایک

---

[54] المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۲۹۹

[55] فلپ ہٹی، Arabs In History لندن (۱۹۵۸ء)، ص ۷۹

[56] المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۲۹۳

[57] فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۸۳

[58] المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۲۹۳

[59] المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۲۹۵ تا ۲۹۶

قبائلی زندگی تھی جن کی معاشرت اور سیاست قبائلی نظام کے تابع تھی، ہر قبیلہ کا نظم اس کے سردار (شیخ قبیلہ) کے ہاتھ میں ہوتا تھا، دراصل یہ قبائلی نظام ہی بدویانہ سماج کی بنیاد تھا۔

جنوبی عرب کی مشہور سلطنتیں

۱۔ سلطنت معین:۔

جزیرۃ العرب کے جنوبی مغربی علاقہ نے، جس کو قدیم (مغربی) مصنفین "عربیہ فیلکس" ("Arabia Felix") کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور موجودہ دور میں جو یمن کہلاتا ہے، اپنی زراعتی خوبیوں کی بنا پر تاریخ و تمدن عرب میں سب سے پہلے ایک خاص و نمایاں مقام حاصل کیا۔ اس علاقے کی سلطنتوں میں اپنے قسم کی ایک پرانی سلطنت، سلطنت معین کے نام سے مشہور ہوئی[۶۰]، معین ایک عربی لفظ ہے جس کے معنی "پانی کا چشمہ" ہے۔ سلطنتِ معین کا نام معین (یا المعین) اس لئے پڑا کیونکہ اس علاقے میں بہت زیادہ پانی کے چشمے تھے[۶۱]۔ عہدنامہ عتیق (توریت) میں یہ معمولی تبدیلی کے ساتھ مذکور ہے اور اس کے نام مَعُونَ، مِعَنَ اور مِعِین آتے ہیں۔ اس کی حکومت جوف یمن میں نجران اور حضرموت کے درمیان واقع تھی[۶۲]۔ (غالباً ۱۲۰۰ ق۔م سے ۶۵۰ ق۔م تک کا زمانہ ہے)۔ سلطنت معین کا دارالحکومت قرن (یا قرنہو) تھا جو یمن کے موجودہ دارالحکومت صنعاء کے شمال مشرق میں واقع تھا اپنے دور عروج میں سلطنت معین نے جنوبی عرب کے بہت سے علاقوں کو اپنے اندر سمو لیا تھا اور غالباً شمالی عرب میں العلاء سے تبوک تک چند نو آبادیاں قائم کیں۔ معین کے لوگ سپاہانہ مزاج کے نہیں تھے بلکہ ان کی معاشرت، زراعت اور تجارت پر قائم تھی۔

---

۶۰ فلپ ہٹی، The Near East In History ص ۵۴ و ۵۵

۶۱ فلپ ہٹی حوالۂ مذکورہ، ص ۵۴ و ۵۵۔

۶۲ علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۲، ص ۲۰۴ تا ۲۰۸ ؛ فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۵۴ و ۵۵

۲۔ قوم سبا:۔

غالب گمان یہ ہے کہ قوم سبا کی سلطنت دوسری ہزاری قبل مسیح کے آخر یا پہلی ہزاری قبل مسیح کے شروع میں قائم ہوئی۔[۶۳] کچھ مورخین کے مطابق اس کی ابتدا تیرہویں صدی قبل مسیح میں ہو چکی تھی۔ ان کی یہ تہذیب جو فوجی طاقت کے بجائے خالص تجارتی اور زراعتی بنیاد پر قائم تھی، تقریباً پندرہ سو سال تک پھلتی پھولتی رہی۔ بنیادی طور پر قوم سبا کی وہی زبان تھی جو قوم معین کی تھی البتہ زبان کے لہجے میں اختلاف تھا۔

بائبل میں جو شیبا کا لفظ آیا ہے اس سے قوم سبا ہی مراد ہے۔ اس بنا پر بعض روایتوں کے مطابق ان کا زمانہ تیرہویں صدی قبل مسیح سے شمار کیا جاتا ہے۔ اس قوم کی ایک مشہور ملکہ کا نام اسلامی روایتوں میں بلقیس بتایا جاتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام (۹۶۳ ق۔م تا ۹۲۳ ق۔م) کے فلسطین پر حکمرانی کے دوران یہ ہی ملکہ ان سے ملنے فلسطین آئی تھی۔[۶۴] (مزید ملاحظہ ہو سورۂ نمل، آیت ۳۲ تا ۴۴) قوم سبا کا دارالحکومت مآرب تھا جو موجودہ صنعا سے ۶۰ میل دور پورب کی جانب ہے یہ شہر سطح سمندر سے ۳۹۰۰ فٹ بلند تھا اور تجارت کا ایک بہت بڑا مرکز تھا۔[۶۵] قوم سبا کا معاشرہ خالص زراعتی اور تجارتی معاشرہ تھا۔ ان کے مشہور بند (سد مآرب) کی تعمیر تقریباً ۸۰۰ ق۔م میں ہوئی تھی جس کے ذریعہ وہ بارش کا پانی روک کر سینچائی کے کام میں استعمال کرتے تھے۔ سد مآرب اس زمانے میں آب رسانی کا ایک عظیم کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔[۶۶]

---

[۶۳] مولانا حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، ج ۳، ص ۹۷؛
علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۲، ص ۲۳۳ تا ۲۷۲؛ فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ ص ۱۳۲؛
مزید ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ از ابن کثیر

[۶۴] المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۲۷۹

[۶۵] فلپ ہٹی، History of The Arabs، ص ۵۴

[۶۶] المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۳۴۰ تا ۳۴۲

قوم سبا نے افریقہ کے ساحلی علاقوں سے اپنے تجارتی تعلقات قائم رکھے۔ اس قوم کا آخری زمانہ جنوبی عرب کی تاریخ میں نمایاں طور پر بہت ہی شاندار تھا۔ حالیہ کھدائی کے نتیجے میں برآمد شدہ آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے مشہور تجارتی شاہراہ پر شمال کی طرف فلسطین تک نوآبادیاں قائم کر رکھی تھیں۔ ان کے کتبات کی تحریرات فینقی اور بابلی زبان سے ملتی جلتی ہیں۔

مذہبًا یہ قوم ستارہ پرست واقع ہوئی تھی اور ستاروں و سیاروں کی پوجا کرتی تھی[۶۷] لیکن ان کی ملکہ (جن کا نام مسلم مورخین نے بلقیس بتایا ہے) نے حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔[۶۸] (ملاحظہ ہو قرآن کریم، سورۂ نمل، آیت ۲۷)۔ قوم سبا کے لوگ نہایت ہی خوبصورت عمارتیں بناتے تھے[۶۹] جن کے اندر منقش محرابیں قابلِ دید ہوتی تھیں۔ اکثر مورخین کے بیان کے مطابق ان کی حکومت ۱۱۵ ق۔م میں ختم ہو گئی۔[۷۰]

۳- قوم حمیر:-

اکثر مورخین کا کہنا ہے کہ قوم سبا کی طرح اس قوم نے بھی جنوبی عرب کی قیادت کی[۷۱] جبکہ چند دوسرے مورخین قوم حمیر اور قوم سبا کو ایک ہی مانتے ہیں۔ بہرحال یہ لوگ قوم سبا کے قریبی رشتے دار تھے، اور ان کی زبان بالکل سبا اور معین ہی کی زبان تھی۔ انھوں نے قوم سبا کی سلطنت[۷۲] کو ۱۱۵ ق۔م[۷۳] میں آباد کیا تھا۔ شاہان حمیر میں تقریبًا بیس بادشاہوں نے اپنے لیے "ملک سبا و ریدان" کا خطاب اختیار کیا تھا۔ یہ سلطنت

---

۶۷ المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۳۴۷

۶۸ مولانا حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، ج ۳، ص ۲۹۶؛ علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۱، ص ۲۵۵ تا ۲۶۳

۶۹ المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۳۴۱

۷۰ علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۱، ص ۲۶۹؛ مولانا حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، ج ۳، ص ۲۹۳

۷۱ فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۵۶؛ مولانا محمد حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، ج ۳، ص ۲۶۶؛ علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۱، ص ۲۷۱ تا ۲۸۱

۷۲ المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۲۶۹؛ محمد الہمدانی، جغرافیہ جزیرۃ العرب، ج ۱، ص ۲۱؛ علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۱، ص ۲۷۶

۷۳ فلپ ہٹی، حوالہ مذکورہ، ص ۳۵

۱۱۵ ق م سے لے کر ۵۲۵ عیسوی تک باقی رہی۔ شاہان حمیر میں شمر یرعش نامی ایک بادشاہ تاریخ میں بہت اچھی طرح جانا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے سمر قند جیسے دور دراز ملک کو فتح کیا تھا جو آج کل روس (U.S.S.R.) میں ہے۔ بعض مسلم مصنفین و مفسرین کی تحقیق میں شمر یرعش ہی وہ شخص تھا جو قرآن کریم میں سورۂ کہف (آیت ۸۳) میں ذوالقرنین کے نام سے موسوم ہے لیکن اکثر مسلمان مورخین ان کی موافقت نہیں کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ذوالقرنین ایک دوسرے شخص تھے۔

حمیریوں کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:-

"تاریخی دستاویزات یہ بتاتی ہیں کہ حمیری انسانی تاریخ کی وہ ابتدائی نسل تھے جنھوں نے سب سے پہلے کثیر المنزلہ رہائش گاہیں تعمیر کی تھیں۔ ایسا بدوؤں کے حملوں کے خلاف حفاظت کے طور پر کیا تھا، ان کا ایک محل جو غمدان کے نام سے مشہور تھا بیس منزلہ اونچا تھا، جس کی ہر منزل دس درع اونچی تھی اور یہ تاریخ (انسانی) کا سب سے پہلی کثیر المنزلہ عمارت (Skyscraper) تھی، بعد میں اس کے کچھ پتھر صنعاء کی مسجد کی تعمیر میں استعمال کئے گئے تھے جو اسی جگہ تعمیر کی گئی تھی جہاں پر کہ یہ عمارت تھی۔"[۴۳]

قوم حمیر کا دارالسلطنت "ظفار" تھا۔ جس کا قدیم نام سفار تھا۔ بائبل میں بھی اس کو سفارہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے (پیدائش۔ باب ۱۰، آیت ۳۰) یہ رُحنا سے سو میل کے فاصلے پر مشرق کی جانب صنعاء تک جانے والی شاہراہ پر واقع تھا۔ بعد کے حمیری دور میں یمن کے اندر یہودی و نصرانی مذاہب داخل ہوئے۔ حمیری دور میں رومیوں نے عرب کو فتح کرنے کی پہلی بار کوشش کی تھی، ۲۴ ؁ قبل مسیح میں الئیس گالوس (Aclius Gallus) نے ایک فوجی مہم چلائی تھی جو شمال میں نبطی سلطنت سے شروع ہوئی اور جنوب میں دور دراز حمیری سلطنت[۴۴] کے قلمرو میں داخل ہو گئی لیکن اس مہم کو

---

[۴۳] انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا، یو ایس اے، ۱۹۶۶ء، ایڈیشن

اپنے مقصد میں بالکل ناکامی ہوئی[55] رومیوں کے اس حملہ کا محرک درحقیقت ان کی یہ خواہش تھی کہ مسالے کے ان تمام ذرائع پر کنٹرول حاصل کیا جائے جس کی وجہ سے جنوبی عرب کے لوگ کافی مالدار ہوگئے تھے۔ اس سرزمین پر سکندر اعظم نے بھی ایک مرتبہ مشرق کی جانب سے حملہ کی کوشش کی تھی لیکن موت اس کے اس ارادے میں حائل ہوگئی۔

حمیری سلطنت کا خاتمہ حبشہ (Abyssinia) کے عیسائی بادشاہ نجاشی (Negus) کے ہاتھوں بازنطینی سلطنت کے بادشاہ جسٹس اول (Justice I) کے ابھارنے سے ہوا تھا۔ حبشہ کے لوگوں نے ابرہا کی ماتحتی میں حمیری سلطنت پر ۵۲۵ء میں چڑھائی کی۔ ابرہہ نے ۵۷۰ء میں مکہ کی طرف بھی ایک فوجی مہم کی قیادت کی تھی۔ (یہی وہ سال تھا جس میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تھی) اور اس نے بیت اللہ کو ڈھانے کی ناکام کوشش کی تھی لیکن اس کو اپنے مقصد میں پوری طرح ناکامی ہوئی اور ہاتھیوں سمیت اس کی ساری فوج تباہ و برباد کر دی گئی[56] (ملاحظہ ہو قرآن کریم سورۃ الفیل، آیات ۱ تا ۵)۔ تاریخ اسلام میں اس سال کا نام "عام الفیل" کے نام سے مشہور ہے[57] حبشہ کے حکمرانوں نے یمن میں ۵۷۵ء تک حکومت کی اس کے بعد حمیری سلطنت کے شہزادہ سیف ابن ذی یاذان نے ایرانی فوجوں کی مدد سے حبشہ کی فوجوں کو شکست دی اس طرح یمن ایک بار پھر حکومت ایران کی محافظت میں ایک خودمختار سلطنت بنا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد حکومت ایران نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور یہ فارس کی ساسانی حکومت کا ایک صوبہ قرار پایا۔ بہرحال مصر کے رومی حملے (۲۴ قبل مسیح) اور حبشیوں و ایرانیوں کی چندروزہ حکومت نے سرزمین عرب پر بالعموم اور یمن پر بالخصوص کوئی گہرا سیاسی و تمدنی اثر نہیں ڈالا۔ اس لئے اسلام سے پہلے پورا جزیرۂ عرب خاص طور سے حجاز کا علاقہ (یعنی عرب کا شمالی حصہ) غیرملکی طاقتوں کے سیاسی و ثقافتی اثرات سے بالکلیہ محفوظ رہا۔

---

[55] مولانا سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۱، ص ۲۸۴ تا ۲۸۵

[56] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۵۲؛ محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۰۱؛ ابن خلدون، التاریخ، ج ۲؛ المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۲۷۱ تا ۳۱۰

[57] محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۰۱؛ مولانا سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، ج ۱، ص ۳۱۲؛ المسعودی، التاریخ، ج ۱، ص ۲۹۹

باب ۲

خاتم النبیّن حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم سے قبل دنیا کی عام سماجی و سیاسی حالت

(الف) مغربی دُنیا

رومی تہذیب کا زوال :۔

چھٹی صدی عیسوی تاریخ انسانی کا تاریک ترین دور مانا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر کرتے ہیں :۔

> "صدیوں سے انسانیت جس پستی و نشیب کی طرف جا رہی تھی اس کے آخری نقطہ کی طرف پہونچ گئی تھی، روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے، اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے"[۱]

اہلِ روم (بازنطینی) مغرب میں اور اہلِ فارس مشرق میں اپنی اجارہ داری سیادت و قیادت میں مگن تھے۔ یہ دونوں سلطنتیں اپنی پرفسا د اور زوال پذیر تہذیبوں کے ساتھ ایک ذہنی انتشار اور زبردست فتنہ میں گھری ہوئی تھیں ۔ رومی تہذیب، یونانی تہذیب کی بنیادوں پر قائم تھی۔ آرنلڈ جے۔ ٹوئن بی (Arnold J. Toynbee) لکھتا ہے:

> "کوئی شخص یونانی دنیا کی تاریخ پوری طرح مطالعہ کیے بغیر تاریخ روم کو نہیں سمجھ سکتا، اور نہ رومیوں کے اس کردار کو سمجھ سکتا ہے جو انھوں نے

---

[۱] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، لکھنؤ [illegible] ص [illegible]

سلطنت روما کے قائم ہونے سے قبل اور اس کے بعد ادا کیا۔ یونانی تاریخ بغیر روم کے سمجھی جا سکتی ہے جب کہ رومی تاریخ کے بارے میں یونانی معاشرہ و تہذیب کو سمجھے بغیر سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

جب ہم خود یونانی تمدن کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک طرف یونانی دنیا کی تہذیبی وحدت اور دوسری طرف اس کی سیاسی پھوٹ و نا اتفاقی میں زبردست تضاد محسوس ہوتا ہے۔ تاریخ کی اس حقیقت پر تبصرہ کرتے ہوئے آرنلڈ جے۔ ٹون بی لکھتا ہے:

"ہم اس کو (یونانی دنیا کو) بہت سی آزاد اور مختار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم پاتے ہیں، جن کے شہری یہ تو محسوس کرتے ہیں کہ ان سب کا یکساں تمدن و تہذیب ہے لیکن اس کے باوجود وہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہنے سے باز نہیں آتے، زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ آپس کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے وہ اتنے اجڑ گئے تھے کہ ان کی تہذیب کو شدید صدمہ پہونچا۔ جب یہ زوال کے کنارے کھڑے تھے تو یونانی دنیا کے سلطنت روما میں ضم ہو جانے کی وجہ سے اس تہذیب کو ایک سہارا ملا جس کی وجہ سے ان کی سیاسی وحدت کچھ سنبھل سکی، اور عارضی نظم و امن قائم ہو سکا۔ لیکن یہ ایسا وقتی سرمایہ ثابت ہوا جس کی قیمت شکست خوردگی اور خستہ حالی کے باوجود پیہم دست و پیکار سے ادا کرنی پڑی۔ نتیجۃً اقتدار اس کے ہاتھ میں آیا جو کہ آخری فاتح تصور کیا گیا، اور جس نے تمام سیاسی طاقتوں کو اکھاڑ پھینکا۔ اس وقت تک جب کہ سلطنت روم کے ذریعہ یونان کی "عالمگیر ریاست" قائم ہوئی یونانی دنیا شدید طور سے مفلس ہو چکی تھی اور اس کا اخلاقی دیوالیہ نکل چکا تھا جس کی وجہ سے اس عالمگیر ریاست کا استقلال قائم نہیں رہ سکا۔ مزید یہ کہ رومی سلطنت کے منقسم ہونے سے یونانی تہذیب پوری طرح زوال پذیر ہو گئی۔"

آرنلڈ جے۔ ٹون بی A Study of History، آکسفورڈ پریس، یو۔ ایس۔ اے ۱۹۴۶ء، صفحہ ۱۳۵

آرنلڈ جے۔ ٹون بی، حوالہ مذکورہ، ص ۱۷۱

مغرب کا تاریک دور:۔

یورپی اقوام کا یہ زمانہ "قرونِ مظلمہ" کہا جاتا ہے وہ اس دور میں جہالت اور پستی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان اقوام کا رشتہ تہذیب و تمدن کے مہد و مرکز یعنی "ہلال خصیب" سے اس زمانہ میں پوری طرح کٹا ہوا تھا۔ اور ان کو اپنی باہری دنیا کے بارے میں بہت کم معلومات تھیں۔ ایچ۔ جی۔ ویلز (H.G. Wells) کے مطابق "(اس دور میں) مغربی یورپ میں نظم و اتحاد کے کوئی آثار نہیں تھے۔" [ک] ایک دوسرا مشہور مورخ و مصنف رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) کہتا ہے۔

"پانچویں صدی عیسوی سے لے کر دسویں صدی عیسوی تک یورپ (مغرب) بربریت کی اندھیری رات میں ڈوبا ہوا تھا، جس کا گھٹا ٹوپ اندھیرا روز بروز تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ یہ بربریت ابتدائی غیر مہذب اقوام کی بربریت سے بھی زیادہ وحشتناک اور ہولناک تھی۔ کیونکہ یہ اس عظیم تمدن کی ایک سڑی ہوئی لاش تھی جس کی عظمت کسی دور میں مسلّم تھی۔ اس تہذیب و تمدن کی تمام خصوصیات پوری طرح (دورِ جہالت سے) متاثر ہو چکی تھیں۔ حالاں کہ ایک وہ دور تھا جب اس (تمدن) کی ترقی اپنے نقطۂ عروج پر پہونچی ہوئی تھی مثلاً اٹلی اور فرانس میں، لیکن (اب) سوائے آثارِ قدیمہ، خستہ حالی اور زوال پذیری کے کچھ باقی نہیں رہا تھا۔" [ش]

مغرب کا حکمراں طبقہ پوری طرح اخلاقی گراوٹ میں ڈوبا ہوا تھا، بدعنوانی اور رشوت خوری عام تھی، مشہور مغربی مؤرخ گبن (Gibbon) لکھتا ہے:۔

"یہ (بازنطینی سلطنت) کبھی بھی اس بری طرح متاثر اور عام طور پر

[ک] ایچ۔ جی۔ ویلز A Short History of The World، ص ۱۴۰۔

[ش] رابرٹ بریفالٹ The Making of Humanity، ص ۱۶۴۔

زوال پذیر نہیں ہوئی تھی (جس طرح کہ اس دور میں) کیونکہ ٹیکسوں کی بہتات اور تجارت میں (معمول سے زیادہ) کمی، زراعت میں لاپرواہی اور اس پر مزید بڑھ کر یہ کہ آبادیاتی استحصال (کا رجحان) اس زوال پذیر معاشرہ کے لیے سم قاتل ثابت ہوا۔ جس کا ثبوت مسمار شدہ وہ شہر ہیں جو کسی زمانہ میں عظمت کا نشان تھے اور جو بعد میں اپنے کھوئے ہوئے وقار کو کبھی بھی حاصل نہ کر سکے۔" ؎

معاشرتی نظم و نسق بھی بری طرح منتشر ہو چکا تھا اور عظیم سلطنت روما کی تہذیب اور اس کا تمدن پوری طرح بربادی و تنزلی کی آخری سطح پر پہونچ چکا تھا۔

اس عہد میں مغرب میں مکمل طور پر روحانی جمود تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"اس دور میں بڑے بڑے مذہب بازیچہ اطفال اور منافقین کا تختۂ مشق بن گئے تھے ان مذاہب کی صورت و حقیقت دونوں اس درجہ مسخ ہو گئی تھی کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کسی طرح ان مذاہب کے پیشوا دنیا میں آکر اپنے دین کا حال دیکھ سکیں تو قطعاً وہ اپنے مذاہب کو نہ پہچان سکتے۔" ؎

مذہبی رہنما اپنے اندرونی خلفشار میں اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ ان کے پاس دنیا کو پہنچانے کے لیے کوئی پیغام نہیں رہ گیا تھا، ایک اور مغربی اسکالر سیل (Sale) چھٹی صدی عیسوی کے عیسائیوں کے بارے میں لکھتا ہے:

"عیسائیوں نے بزرگوں اور مورتیوں (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے مجسموں) کی پوجا میں اس درجہ غلو کیا تھا کہ انھوں نے اس سلسلہ میں رومیوں (یعنی قبل از مسیح رومیوں) کے طور طریقوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔" ؎

یہود بھی کردار کی پستی میں گر چکے تھے، منافقت، دھوکہ دہی، غداری، خود غرضی،

؎ گبن The Decline And Fall of the Roman empire ج ۷، ص ۱۷۵۔

؎ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۲۹، بتم

؎ Sale (سیل) Translation of The Holy Quran (۱۸۹۶ء)، ص ۶۲

ظلم وغصب ان کا شیوہ بن چکا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں :۔

"چھٹی صدی کے آخر میں یہودیوں وعیسائیوں کی باہم رقابت ومنافرت اس حد کو پہونچ گئی تھی کہ ان میں سے کوئی دوسرے فریق کو ذلیل کرنے اور اس سے اپنی قوم کا انتقام لینے اور مفتوح کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا تھا" ۹

(ب) مشرقی دنیا

سلطنت فارس :۔

اس دور کی معلوم دنیا کے مشرقی حصہ پر سلطنت فارس چھائی ہوئی تھی۔ حالانکہ فوجی طاقت وقوت میں وہ سلطنت روم کے ہم پلہ سمجھی جاتی تھی۔ لیکن اخلاقی پستی میں وہ رومیوں سے زیادہ گری ہوئی تھی۔ ایران اس حد تک بے حیائی وفحش کاری میں مبتلا تھا کہ اس کے بادشاہ یزدگرد دوم (۴۴۰ تا ۴۵۷ء) نے خود اپنی لڑکی اپنے حرم میں بحیثیت بیوی داخل کر لی تھی اور بعد میں اس کو قتل کر دیا تھا۔ ایک دوسرے بادشاہ بہرام چوبین نے اپنی بہن کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کر لیے تھے۔

ایرانی بادشاہوں کا لقب خسرو (کسریٰ) تھا۔ اور عام طور سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان کی رگوں میں "خدائی خون" سرایت کیے ہوئے ہے۔ عوام ان کی الوہیت کو تسلیم کرتے تھے اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے نیز وہ ان کی ربوبیت کا اس درجہ اعتقاد رکھتے کہ ان کے سامنے اس قسم کی حمد پڑھتے جو صرف خدا کی شایان شان ہے نیز اس بات کی قسمیں بھی کھاتے کہ ان سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی اعتقاد رکھا جاتا تھا کہ بادشاہوں کی الوہی روشنی تمام انسانوں پر پڑتی ہے۔ بادشاہوں کی ذات اور ان کے معاملات

---

۹ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص ۔ ۷۴

غیر مسئول سمجھے جاتے تھے۔ مذہبی رہنما بھی فوق الانسان سمجھے جاتے تھے اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان کے پاس غیر محدود طاقت ہے۔

حکمرانوں اور مذہبی رہنماؤں کے علاوہ معاشرہ میں بہت سے طبقات تھے۔ عوامی زندگی دو امتیازی طبقوں میں منقسم تھی۔ ایک طبقہ پیشہ وروں (سرمایہ داروں) کا تھا اور دوسرا مزدوروں کا۔ پروفیسر آرتھر کرسٹن سین (Arthur Christensen) کا بیان ہے:۔

"سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابلِ عبور فاصلہ تھا حکومت کی طرف سے عوام کو ممانعت تھی کہ وہ طبقۂ امراء میں سے کسی کی جائداد کو خرید سکیں، سیاست ساسانی کا یہ محکم اصول تھا کہ ہرگز کوئی شخص اپنے اس رتبہ سے بلند تر رتبہ کا خواہاں نہ ہو جو اس کو پیدائشی طور پر یعنی از روئے نسب حاصل ہے کوئی شخص مجاز نہیں تھا کہ سوائے اس پیشہ کے جس کے لیے خدا نے اس کو پیدا کیا کوئی دوسرا پیشہ اختیار کرسکے، شاہان ایران حکومت کا کوئی کام کسی پنچ ذات کے آدمی کے سپرد نہیں کرتے تھے، عوام الناس کی مختلف جماعتوں میں نہایت صریح امتیاز تھا، سوسائٹی میں ہر شخص کی ایک معین جگہ تھی۔"[۱۰]

اہلِ فارس کو اپنی نسل پر بڑا فخر تھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:۔

"اہلِ ایران اپنی ایرانی قومیت کو عظمت و تقدس کی نگاہ سے دیکھتے تھے وہ اپنے تئیں یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ دنیا کی ہر قوم و نسل پر اس قومیت و نسل کو فضیلت و برتری حاصل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ خصوصی صلاحیتیں اور فطری قابلیتیں بخشی ہیں جن میں ان کا کوئی شریک و ہمسر نہیں، یہ لوگ اپنے گرد وپیش کی قوموں کو بڑی حقارت اور ذلت آمیز نگاہوں سے دیکھتے تھے اور ان کے لیے ایسے نام تجویز کرتے تھے جن میں توہین و تمسخر پایا جاتا۔"[۱۱]

---

[۱۰] ایران بعہد ساسانیاں، جس طرح کہ سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" میں نقل کیا ہے، ص۔ ۵۳

[۱۱] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالۂ مذکورہ، ص۔ ۵۴

ایرانی عقیدہ کے اعتبار سے مشرک تھے وہ آگ کو اللہ کا درجہ دیتے تھے اور اسی وجہ سے اس کی پرستش کرتے تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر کرتے ہیں:۔

"مجوسیوں کا مذہب چند مراسم و روایات کا نام رہ گیا تھا جنھیں مخصوص اوقات اور خاص خاص مقامات پر ادا کر لیا کرتے تھے، رہا عبادت گاہوں سے باہر اپنے گھروں اور بازاروں، دائرہ اثر اور سیاسی و اجتماعی امور میں تو اس میں یہ بالکل آزاد تھے، اپنی من مانی کرتے، ان کے خیالات جس رُخ پر چاہتے انھیں موڑ دیتے یا پھر جو مصلحت اور وقت کا تقاضہ ہوتا اس پر کاربند ہوتے جیسا کہ ہر زمانہ اور ملک میں مشرکوں کا حال رہا ہے" [۱۲]

مذہب زرتشت :۔

زرتشتی مذہب کی بنیاد مشہور روحانی رہنما اور مصلح زرتشت نے رکھی (اس کا دور تقریباً ۶۰۰ قبل مسیح کا ہے) یہ مذہب شرک کی ایک ترمیم شدہ شکل تھی، زرتشتیوں کے پاس کبھی بھی ان کا اپنا کوئی مستقل و مکمل مذہب نہیں رہا۔ ان کی متبرک مذہبی کتاب "اوستا" درحقیقت اس مذہب کے بانی زرتشت کے قدیم اقوال کا مجموعہ ہے۔ جس میں نذر و نیاز کے متعلق حمدیں و دعائیں، مذہبی ضوابط و قوانین، اور ان کی عبادات وغیرہ کے طور طریقے ہیں۔ ان کے اعتقادات قدیم ہندوؤں سے ملتے جلتے ہیں۔

سرزمین ہند اور ہندو مذہب :۔

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے تو اس ملک کی تہذیب اور اس کا مذہب دُنیا کے قدیم ترین مذاہب و تہذیبوں میں ایک سمجھا جاتا ہے لیکن چھٹی صدی عیسوی ہندوستان کی تاریخ کا تاریک ترین دور مانا جاتا ہے۔ اس دور میں یہاں کے لوگوں میں وہ تمام اخلاقی پستیاں و سماجی انحطاط سرایت کر چکا تھا جن میں پڑوس کے ممالک جکڑے ہوئے تھے مزید براں

---

[۱۲] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالۂ مذکورہ، ص۔ ۵۴

کثیر تعداد میں دیوتاؤں اور دیویوں کا تصوّر، ذات پات کی تفریق اور جنسی آوارگی و بدکاری اس تہذیب کی اپنی مخصوص صفت بن چکی تھی۔

ہندوؤں کی مذہبی کتاب ویدوں میں ۳۳ خداؤں کا تذکرہ آیا ہے لیکن اس صدی میں ہندو ۳۳ ملین سے بھی زیادہ خداؤں کی پوجا کرتے تھے وہ پتھر، معادنیات، درخت، پودے، ندیاں، پہاڑ، جانور یہاں تک کہ اعضاءِ تناسل کی بھی پوجا کرتے تھے۔ ڈاکٹر گستاؤلی بون (Gustave le Bon) لکھتے ہیں:۔

" دنیا کی تمام اقوام میں ہندو کے لیے پرستش میں ظاہری صورت کا ہونا لازمی ہے، اگرچہ مختلف ازمنہ میں مذہبی اصلاح کرنے والوں نے ہندو مذہب میں توحید کو ثابت کرنا چاہا ہے لیکن یہ کوشش بالکل بے فائدہ ہے۔ ہندو کے نزدیک کیا ویدی زمانے میں کیا اس وقت ہر چیز خدا ہے۔ جو کوئی چیز اس کی سمجھ میں نہ آئے یا جس سے وہ مقابلہ نہ کر سکے، اس کے نزدیک پرستش کے لائق ہے، برہمنوں اور فلسفیوں کی نہ صرف کل کوششیں جو انھوں نے توحید قائم کرنے کے لیے کیں بلکہ کل وہ کوششیں بھی جو وہ دیوتاؤں کی تعداد گھٹا کر تین پر لانے کے لیے عمل میں لائے محض بیکار اور رائیگاں گئیں، عوام الناس نے ان کی تعلیم کو سنا اور قبول کیا لیکن عملاً یہ تین خدا تعداد میں بڑھتے گئے اور ہر چیز میں، ہر ایک رنگ و بو میں ان کے اوتار نظر آنے لگے۔"[۲۳]

ہندو علم الاصنام میں دیوی دیوتاؤں کے جنسی تعلقات و بدکاریوں کا بہت ہی شرمناک تذکرہ کیا گیا ہے، ان کے یہاں جنسیات کا یہ تذکرہ اس حد تک آگے بڑھ گیا تھا کہ "لنگ پوجا" (شیوا کے عضوِ تناسل کی پوجا) مذہبی عبادات و رسومات کا ایک حصّہ بن گئی تھی۔ ڈاکٹر گستاؤلی بون اس سلسلے میں مزید تحریر کرتے ہیں:۔

" ہندوؤں کو مورتیوں اور ظاہری علامات سے بے انتہا اُنس ہے۔ ان کا کوئی

---

[۲۳] تمدنِ ہند، ص ۴۴۰، ۴۴۱ جیسا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب میں نقل کیا، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۵۸، ۵۹

مذہب کیوں نہ ہو اس کے اعمال کو یہ نہایت اہتمام سے بجالاتے ہیں۔ ان کے مندر پرستش کی چیزوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ جن میں سب سے مقدم لنگم اور یونی ہیں۔ جن سے مراد مادہ خلقت کے دونوں جُز ہیں، اشوک کے ستونوں کو بھی عام ہندو لنگم خیال کرتے ہیں اور استوانہ اور مخروطی شکلیں ان کے نزدیک واجب التعظیم ہیں۔"[۱۴]

بعض مورخین کے نزدیک ہندوؤں میں " مذہبی فرقہ کے مرد برہنہ عورتوں اور عورتیں برہنہ مردوں کی پرستش کرتے تھے۔"[۱۵]

ہندوستان میں ذات پات کی تقسیم :۔

ہندوستانی معاشرہ مختلف ذات پات میں منقسم تھا۔ اس کی بنیاد ویدی عہد کے اُخری دور میں آریوں نے رکھی تھی جس کا مقصد برصغیر کی قدیم نسلوں کے اختلاط سے اپنی نسل کو بچانا تھا۔ زمانہ قدیم میں منو، ہندو (آریہ) سماج کا ایک بڑا رہنما بن کر ابھرا جس نے تمام آبادی کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا۔ اس کی کتاب "منو شاستر" میں مختلف ذاتیں مندرجہ قسموں میں بیان کی گئی ہیں۔

(الف)۔ برہمن :۔ ہندو سماج میں برہمنوں کو سب سے اونچا طبقہ اور سماج کا دماغ سمجھا جاتا تھا، تمام تعلیم یافتہ لوگ اور مذہبی رہنما اسی طبقہ کے لوگ ہوتے تھے برہمنوں کے علاوہ سماج کے کسی دوسرے طبقہ کو ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا علم حاصل کرنے اور ان کی تعلیم دینے کی اجازت نہیں تھی۔

(ب)۔ چھتری :۔ یہ وہ قوم تھی جس کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی خلقت بھگوان کے " بازوؤں " سے ہوئی ہے یہ سماج کا حکمران طبقہ تھا۔ ان کا کام جنگیں لڑنا، لوگوں کی حفاظت کرنا، خیرات دینا چڑھاوے چڑھانا ویدوں کی اطاعت کرنا اور نفس کو بُری

---

[۱۴] تمدن ہند، ص ۴۴؛ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالہ مذکورہ، ص ۱۱

[۱۵] ستیارتھ پرکاش (دیانند سرسوتی)، ص ۳۴۴؛ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالہ مذکورہ، ص ۱۱

خواہشات سے الگ رکھنا تھا۔

(ج)۔ ویش :۔ یہ سماج کا تجارتی و زراعتی طبقہ تھا جن کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ ان کی تخلیق بھگوان کی رانوں سے ہوئی ہے۔ ان کے فرائض میں مویشیوں (خاص طور سے گئو ماتا یعنی گائے جس کو "ماں" کا درجہ دیا جاتا ہے۔) کی خدمت، خیرات دینا، ویدوں کی اطاعت، تجارت اور زراعت کرنا شامل تھا۔

(د)۔ شودر :۔ یہ سماج کا سب سے حقیر اور نیچ طبقہ تھا۔ ان کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ اس ملک کے قدیم باشندے ہیں۔ ان کے فرائض میں مذکورہ بالا تینوں طبقات کی خدمت کرنا داخل تھا، کیوں کہ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان کی تخلیق بھگوان کے "پاؤں" سے ہوئی ہے یہ اس قدر حقیر سمجھے جاتے تھے کہ ان کو اونچی ذات کے کسی بھی آدمی کے ساتھ بیٹھنے تک کی بھی اجازت نہیں تھی۔

چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان کی سیاسی حالت :۔

ہندوستان میں گپت خاندان کا دورِ حکومت "عہدِ زریں" کہا جاتا ہے۔ یہ دور اپنے نقطۂ عروج پر چندر گپت دوم، وکرمادیت، (۳۷۵ تا ۴۱۳) کے زمانہ میں تھا جب کہ اس خاندان کی حکومت برصغیر ہند کے ایک بہت بڑے حصّے پر تھی۔ اس کے بعد حکومت میں استحکام نہیں رہا یہاں تک کہ چھٹی صدی عیسوی میں یہ ملک بہت سی خود مختار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہونا شروع ہو گیا۔ آٹھویں صدی کے آخر میں شمالی ہندوستان میں سیاسی فوقیت حاصل کرنے کے لیے تین طاقتوں میں سہ طرفہ مقابلہ ہوا ایک طرف مالوہ اور راجپوتانہ کے گوجر پرتیہار تھے۔ دوسری طرف بنگال و بہار کے "پالی" اور تیسری طرف دکن کے راشٹرا کوٹا۔ جلد ہی شمالی ہندوستان ایک بار پھر بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو گیا۔ اور گوبندرا سوم کے بعد اس ملک کا جنوبی حصہ بھی بد نظمی کا شکار ہو گیا۔ اس طرح اس صدی میں ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کے لیے آپس میں نبرد آزما تھیں۔

بدھ مت اور مشرق بعید

چھٹی صدی قبل مسیح میں سرزمین ہند میں ایک نئی شخصیت ابھری، سدھارتھ گوتم جو گوتم بدھ کے نام سے مشہور ہوئے تھے ان کی پیدائش ۵۶۰ق م میں کپلوستو کے قریب بمقام لمبنی ہوئی، جو کہ ہمالیہ کے جنوب کی طرف واقع ہے۔ انھوں نے بچپن میں ہندو مذہب کی تعلیم حاصل کی تھی لیکن بعد میں انھوں نے اس مذہب سے بغاوت اختیار کی اور ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی جس کا نام بدھ مت پڑا۔ یہ نیا مذہب ہندو مذہب کے خلاف باغی بن کر ابھرا۔ بدھ مذہب کی تعلیمات، ویدک مذہب (ہندو مت) سے کلیۃً مخالف تھیں۔ گوتم بدھ نے یہ اعلان کیا کہ ذات پات کی تفریق پوری طرح غیر معقول ہے۔ اور اس طرح انھوں نے برہمنوں کی مذہبی اجارہ داری کو ختم کیا۔ لیکن بعد کو بدھ مذہب کے لوگوں نے ویدک مذہب کے کچھ نظریات کو اپنا لیا جیسے عقیدۂ تناسخ، آہنسا اور عقیدۂ کرم بھگتان۔ اس کے علاوہ انھوں نے مورتی پوجا کو بھی مذہب میں داخل کر لیا۔ اس طرح بظاہر بدھ مت ہندو مذہب کی ایک شاخ بن گیا۔ اس کے باوجود بدھ مذہب بہت زیادہ مقبولیت حاصل نہیں کرسکا اور برہمنوں نے اس کو ہندوستان میں غیر قانونی قرار دیا جسکے نتیجہ میں کچھ دنوں کے بعد اس مذہب کے پیرو اس ملک سے نکال دیئے گئے۔ اس سلسلہ میں ایچ۔ جی۔ ویلز تحریر کرتا ہے۔

> "کچھ دنوں بدھ مذہب ہندوستان میں کافی پھلا پھولا لیکن برہمن ازم بھی اپنے تمام دیوتاؤں اور اوہام پرستانہ خیالات کے ساتھ اس مذہب کے دوش بدوش پروان چڑھتا رہا۔ اور برہمنوں کا نظام زیادہ طاقتور ہو گیا یہاں تک کہ وہ اس منکر ذات پات مذہب کو ہندوستان سے پوری طرح باہر نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔" [۱۶]

ہندوستان سے جلاوطنی کے بعد بدھ مذہب چین اور جنوب مشرقی ایشیاء کے دوسرے ممالک میں کافی مقبول ہوا پھر بھی یہ انسان کی اخلاقی و روحانی اقدار کی بحالی نیز

---

[۱۶] ایچ۔ جی۔ ویلز H.G. Wells, Outline of History ص ۲۰۹

دنیا میں امن و استحکام پیدا کرنے میں کارگر ثابت نہیں ہوا۔ مشرق بعید کی دوسری قومیں مثلاً مغل، تاتار اور جاپانی وغیرہ بدھ مذہب اور اپنے قدیم مشرکانہ مذاہب کے درمیان توازن قائم رکھنے میں ناکام ثابت ہوئیں۔ یہ قومیں اب بھی تمدن کے ایک غیر یقینی دور سے گذر رہی تھیں اور اپنے طبے دورِ جہالت کی تاریکیوں سے حال ہی میں ابھرنا شروع ہوئی تھیں، ان میں سے زیادہ تر اقوام نے ابھی تک تمدنی زندگی کے بنیادی تصورات سے بھی واقفیت حاصل نہیں کی تھی۔

سیاسی اعتبار سے چینی معمول کے مطابق آپس میں جنگ وجدال میں مبتلا تھے۔ سوئی خاندان اقتدار میں آیا لیکن جلد ہی تنگ خاندان نے اس کی جگہ لے لی اور تین صدیوں تک انھوں نے اس خطہ ارض پر حکومت کی، جاپان میں پہلی مرتبہ ایک عورت نے تاج وتخت کی باگ ڈور ہاتھ میں لی تھی۔ بدھ مذہب نے جاپان میں اپنے عقائد کو پھیلانا شروع کر دیا تھا اور جاپانی تہذیب کی اقدار کے اوپر اثر انداز ہونا چاہتا تھا۔

(ج) جزیرۃ العرب

تاریخِ اسلام میں اسلام سے پہلے کا زمانہ "جاہلیت" (یعنی دورِ جاہلیت) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں سیاسی بحران، مذہبی ابتری اور سماجی بدانتظامی کا زبردست غلبہ تھا۔ حقیقت کی رُو سے اگر دیکھا جائے تو اسلام سے پہلے عربوں میں چند فطری خوبیاں بھی پائی جاتی تھیں، جو اسلام کے بعد ان میں ظاہر ہوئیں۔ مثلاً تقریر و گفتگو میں فصاحت اور سلاست کے اعتبار سے اس قوم کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ان کی یادداشت بیحد پختہ تھی عزم کے وہ بڑے پکّے تھے۔ ان کی عمدہ شہسواری بہت مشہور تھی۔ وہ بڑے ایماندار اور قابلِ اعتماد لوگ تھے اور ہر قسم کے خارجی اثرات سے بالکل آزاد تھے۔ لیکن ان تمام خصوصیات کے باوجود دورِ جاہلیت کے عرب اخلاقی و مذہبی اعتبار سے بہت گر چکے تھے۔ چنانچہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں:۔

"لیکن انبیاء اور ان کی تعلیم سے بُعد، ایک جزیرہ نما میں صدیوں سے مقید رہنے

کی وجہ سے اور باپ دادا کے دین اور قولی روایات پر سختی سے قائم ہونے کے سبب وہ دینی اور اخلاقی حیثیت سے بہت گر چکے تھے، چھٹی صدی میں وہ تنزل و انحطاط کے آخری نقطہ پر تھے، کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا اور اس میں دنیا کے امام تھے، اخلاقی و اجتماعی امراض ان کی سوسائٹی کو گھن کی طرح کھا رہے تھے، غرض مذاہب کے اکثر محاسن سے وہ محروم اور جاہلی زندگی کی بد ترین خصوصیتوں اور معائب میں مبتلا تھے۔" [۶۵]

دورِ جاہلیت کے عربوں میں صدیوں سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ درحقیقت حضرت اسماعیلؑ کے بعد کوئی رسول یا نبی سرزمین حجاز میں نہیں آیا تھا، اس طرح وہ کسی آسمانی مذہبی عقیدہ و فلسفہ سے پوری طرح واقف نہیں تھے۔ ان کی معاشرتی، سیاسی اور مذہبی حالت پر مندرجہ ذیل سطور میں ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی جاتی ہے۔

دورِ جاہلیت کے عربوں کی معاشرتی حالت :-

جاہلیت میں عربوں کی معاشرتی حالت دن بدن رو بہ زوال تھی۔ شراب نوشی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، قدیم عربی ادب میں شراب کے لیے الفاظ کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جس سے ان کا شراب سے گہرا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ شراب کی دوکانیں بہت زیادہ سجائی ہوئی ہوتی تھیں اور ان پر بطور علامت بڑے بڑے جھنڈے لگے ہوئے تھے۔ شراب کے بعد ان کا دوسرا محبوب مشغلہ جوا تھا، جوئے کی بازی کا انکار کرنا ان کے لیے باعث عار سمجھا جاتا تھا۔ ایک جواری کبھی کبھی ایک بازی میں اپنا تمام اثاثہ لگا دیتا تھا اور ہارنے کے بعد غم کے مارے گردن لٹکائے ہوئے چلا جاتا تھا۔ عربوں میں سُود کا عام رواج تھا، قرض دار کو کبھی کبھی قرض خواہ کو ایک ناقابلِ برداشت رقم بطور سُود ادا کرنا پڑتی تھی۔

معاشرتی زندگی میں عورتوں کے نہ تو کچھ حقوق تھے اور نہ ہی ان کی عزت تھی وہ سماج کا سب سے مظلوم طبقہ سمجھا جاتا تھا، عورتوں کو اشیا منقولہ کی طرح سمجھا جاتا اور ان

---

[۶۵] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالۂ مذکورہ، ص ۶۸

کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ایک آدمی جتنی عورتوں سے چاہتا بیک وقت شادی کر سکتا تھا اسی طرح وہ بغیر کسی معقول وجہ کے جب چاہے طلاق دے سکتا تھا۔ عورتوں کو وراثت کے حق سے محروم رکھا جاتا تھا۔ بیوہ و مطلقّہ عورتوں کو دوبارہ شادی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ کھانے پینے کی اشیاء اور گھریلو زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا تھا۔

دورِ جاہلیت کے عرب لڑکی کی پیدائش اپنے لیے معیوب سمجھتے تھے اور کبھی کبھی ایک باپ اپنی بچی کو اس کی لرزہ خیز چیخوں کے باوجود زندہ دفن کر دیتا تھا۔ کچھ لوگ غربت کے ڈر سے اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے۔ اس طرح غزور و غربت دونوں ہی نوزائدہ بچوں کو زندہ دفن کرنے کے محرک تھے اور یہ جاہلانہ رسم تمام قبیلوں میں عام تھی۔ قرآن کریم نے بھی اس بارے میں کئی جگہ نشاندہی کی ہے۔

کبھی کبھی کچھ قبیلوں کے نرم دل سردار لڑکیوں کو ان کی زندگی بچانے کے لیے خرید لیا کرتے تھے۔ حضرت صعصعہؓ فرماتے ہیں کہ اسلام سے پہلے انھوں نے اس قسم کی تین سو لڑکیوں کی جانیں ان کے باپوں کو معاوضہ دے کر بچائی تھیں۔ کبھی کبھی ایسی باشعور لڑکی جو بچپن میں باپ کے گھر پر موجود نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اس دردناک موت سے بچ جاتی تھی تو اس کا باپ کسی بہانے سے سنسان جگہ لے جا کر اسکو قتل کر دیتا تھا۔ بعض صحابہؓ نے اسلام لانے کے بعد اپنی گذشتہ زندگی کے اس قسم کے اندوہناک واقعات بیان کیے تھے [۱۸]

تعدد ازدواج کے علاوہ ایک آدمی غیر قانونی طور پر کتنی ہی منظورِ نظر و دلکش دوشیزاؤں سے جنسی تعلقات قائم کر لیتا تھا (جیسا کہ آج کل مغربی ممالک میں یہ برائی ایک فیشن کی شکل میں عام ہے اور اس سلسلہ میں ان کی حالت دورِ جاہلیت کے عربوں سے بھی زیادہ گری ہوئی ہے۔)

شادی شدہ عورتوں کو اپنے شوہروں کی طرف سے نسب کی خاطر دوسرے مردوں سے ہمبستری کرنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ (موجودہ مغربی سوسائٹی میں ان کی تہذیب کا ایک

---

[۱۸] سنن دارمی

نمایاں ادب یہ بھی ہے کہ ان کی بیویاں غیر مردوں کے ساتھ ان کی موجودگی میں کلبوں کے اندر ڈانس کریں جس کا نتیجہ کبھی کبھی ہمبستری تک پہونچ جاتا ہے اس طرح ان کی یہ حالت قبل از اسلام عربوں کی حالت سے بھی بدتر ہے گویا کہ وہ اسلام میں چودہ سو سال سے بھی زیادہ پیچھے ہیں) دلربا دوشیزائیں اکثر شہروں کے بیرونی حصوں میں چلی جائیں اور مردوں کو جنسی آزادی کا پورا موقعہ فراہم کریں۔ (یہ بات بھی آج کل مغربی تہذیب میں کسی نہ کسی شکل میں پوری طرح عام ہے۔ جس کو وہ "آزادیٔ نسواں" سے تعبیر کرتے ہیں۔)

قبل از اسلام عربوں میں اپنی سوتیلی ماں سے شادی کرنے کا عام رواج تھا اور حقیقی بہنوں سے بھی شادی جائز سمجھی جاتی تھی۔[۵۱ الف] سب سے بڑا بیٹا اپنے باپ کے انتقال کے بعد اس کی بیواؤں (یعنی سوتیلی ماؤں) کا اس کی جائداد کی طرح وارث سمجھا جاتا تھا۔ اسطرح یہ ایک گھناؤنا اور قابلِ نفرت دور تھا جس سے خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب گذر رہے تھے۔ آپ نے ان کو انسانیت کے قعرِ ذلت سے نکال کر عزت و وقار کی چوٹی پر لا کھڑا کیا۔

اس دور میں عربوں میں غلام رکھنے کا عام رواج تھا اور ان کے ساتھ انتہائی وحشیانہ سلوک کیا جاتا۔ آقا کو غلاموں کی زندگی و موت پر پورا اختیار ہوتا۔ غلام نہ تو کسی باندی سے شادی کر سکتا تھا اور نہ باندی غلام سے۔ اور نہ ہی وہ کسی آزاد شخص سے شادی کر سکتے تھے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کو دردناک سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

سیاسی حالت:۔

اس زمانہ میں جزیرۃ العرب پوری طرح آزاد تھا اس دور کی مہذب حکومتیں فارس و روم نے بھی عربوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی، کیونکہ وہ ان کو بربری مفلوس اور بھوکی ننگی قوم سمجھتے تھے۔ عرب بہت سے قبیلوں میں منقسم تھے ہر قبیلہ کا اپنا ایک سردار (شیخ) ہوتا تھا۔ قبائل میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض کی وجہ سے معمولی معمولی واقعات پر بھی خوفناک

---

۵۱ الف۔ علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، جلد ۱، ص ۱۲۷

لڑائیاں چھڑ جاتی تھیں جو پشتہا پشت تک جاری رہتیں۔ ان کا یہ مشہور مقولہ تھا۔

انصر اخاک ظالما او مظلوما (اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم) جس پر وہ پوری طرح عمل پیرا تھے۔ قبائلی غرور ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور ہر قبیلہ اپنی نسل کو اعلیٰ ترین سمجھتا تھا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر کرتے ہیں:۔

"عرب فطرۃً جنگجو واقع ہوئے تھے اور ان کی صحرائی وغیر متمدن زندگی کا تقاضہ بھی یہی تھا، جنگ ان کے لیے زندگی کی ایک ضرورت سے آگے بڑھ کر تفریح و دلبستگی کا سامان بن گئی تھی جس کے بغیر ان کا جینا مشکل تھا۔ ایک شاعر فخریہ کہتا ہے:۔

واحیانا علی بکر اخینا اذا ما لم نجد الا اخانا (حماسہ)

ترجمہ: "اگر ہم کو کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو اس خواہش کی تسکین کے لیے ہم اپنے برادر و حلیف قبیلہ پر حملہ کر دیتے ہیں"

ایک عرب شاعر دعا کرتا ہے

اذا المهرة الشقراء ادرک ظهرها

فشب الاله الحرب بین القبائل (حماسہ)

ترجمہ: "میرا گھوڑا سواری کے قابل ہو جائے تو اللہ قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکا دے تاکہ مجھے اپنے گھوڑے اور تلوار کے جوہر دکھانے کا موقع ملے"

"جنگ کرنا اور خون بہانا ان کے لیے معمولی کام تھا، جنگ کو بھڑکانے کے لیے معمولی واقعات کافی تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پورا جزیرۂ عرب گویا شکاری کا جال تھا، کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ کہاں لوٹ لیا جائے گا، اور کب دھوکہ سے قتل کر دیا جائے گا۔ لوگ قافلوں میں اپنے ساتھیوں کے درمیان سے اچک لیے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ عظیم الشان سلطنتوں کو اپنے قافلوں و سفارتوں کے لیے چوکی پہرہ اور مضبوط بدرقہ اور قبائل کے سرداروں کی ضمانت کی

ضرورت پڑتی تھی یہ[۱۱]

مذہبی جاہلیت :۔

دورِ جاہلیت کے عرب بت پرست تھے۔ اور ان کا مذہب ان کی مادّی و روحانی زندگی میں کسی قسم کا سدھار نہیں لاسکا تھا۔ ابتداً بتوں کی پرستش خدا تک پہونچنے کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا لیکن بعد میں انہیں خدا کا درجہ دے دیا گیا۔ ہر شہر، قبیلہ و مقام کا اپنا ایک الگ بت ہوتا بتوں کی شکل پجاریوں کے تصور و مزاج کے مطابق بنائی جاتی۔ بیت اللہ جس کو حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا، ۳۶۰ بتوں کا مرکز تھا۔ تمام عربوں میں جن چار بتوں کی خاص طور سے عزت و عظمت کی جاتی تھی ان کے نام یہ ہیں۔ عزیٰ، لات، مناۃ، ہبل۔ کلبی کے بیان کے مطابق مکہ میں ہر گھر کا اپنا علیٰحدہ بت تھا اور جب وہاں کا باشندہ کسی سفر پر جاتا تو سفر شروع کرنے سے پہلے گھر پر اس کا سب سے آخری کام یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے خاندانی بت کا نام لے کر اس سے دعا کرے اور فیض حاصل کرے۔

کعبہ کے علاوہ سرزمین عرب میں لاتعداد مندر تھے لوگ مندروں کی تعمیر کرنے اور بتوں کے اکٹھا کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں امام بخاری نے ابو رجاء العطاردی کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں :۔

> "ہم پتھروں کی پوجا کرتے تھے اگر ہمیں اس سے کوئی بہتر پتھر مل جاتا تو پہلے کو پھینک کر وہ اٹھالیتے اور اگر ہمیں کوئی پتھر نہیں ملتا تو ہم مٹی کا ڈھیر جمع کرکے ایک بکری لاتے اور اس پر اس کا دودھ دوہنے کے بعد اس کا طواف کرتے" [۱۲]

اہل عرب فرشتوں پر بھی اعتقاد رکھتے تھے اور بہت سے فرشتوں، جنوں، پریوں، ستاروں اور سورج و چاند کو انھوں نے خدا کا درجہ دے دیا تھا۔ فرشتوں کو یہ خدا کی بیٹیاں اور جنوں کو کائنات کا عملی نظام سنبھالنے میں وہ خدا کا شریک کار سمجھتے۔ بعض درختوں کو بھی انھوں

---

[۱۱] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالہ مذکورہ، ص ۴۔ ۵،

[۱۲] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ

نے خدائی درجہ دے رکھا تھا، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر کرتے ہیں:۔

"جہالت اور جاہلیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی پرستش کا عقیدہ مقبول عام، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت کا تصور کمزور اور خواص میں محدود ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ پوری قوم بتوں اور مورتیوں کی (جن کو کسی زمانہ میں شفیع اور واسطہ یا مرکز توجہ بنانے کے لیے اختیار کیا گیا تھا) صاف صاف پرستش میں مشغول ہو گئی اور اللہ تعالیٰ سے (جس کا خالق کائنات اور رب الارباب کی حیثیت سے اب بھی اقرار تھا) عملاً و قلباً تعلق منقطع ہو کر دوسرے معبودوں و بتوں سے قائم ہو گیا تھا اور عبودیت و بندگی کے اظہار کے طریقے اور اعمال (سجدہ، قربانی، حلف، دعا و استعانت) انھیں کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گئے تھے، اور ملک میں کھلی بت پرستی، خدا سے بے تعلقی، اور صریح شرک کا دور دورہ تھا"[1]

غرضیکہ اسلام سے قبل جزیرۃ العرب کا پورا معاشرہ ظلم و بربریت، توہمات و خرافات کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا، نہ صرف جزیرہ عرب بلکہ ساری دنیا کی اخلاقی و روحانی اور مادی حالت اس قدر افسوسناک تھی کہ خدا کی جانب سے اس کی اصلاح لازمی تھی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں اسلام سے قبل دنیا کی عمومی حالت خاص طور سے اس زمانے کی دو عظیم الشان سلطنتوں فارس و روم کے حالات کا جائزہ ان الفاظ میں لیا ہے:۔

"صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے، آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے پورے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیوں اور سامان میں بڑی موشگافی اور نازک خیالی پیدا کر لی تھی اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکزوں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے جو اس سامان آرائش و لطف

---

[1] سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۶۸ - ۶۹

میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے اور نئی نئی تراش خراش نکالتے تھے، ان پر عمل فوراً شروع ہو جاتا تھا اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا۔ زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ امرا میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا پٹکا باندھنا اور تاج پہننا سخت معیوب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ، حمام، باغات، خوش خوراک، تیار جانور، خوش رو جوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات اور لباس و پوشاک میں تجمل نہ ہوتا تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی، اس کی تفصیل بہت طویل ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تمام تکلفات ان کی زندگی اور معاشرت کا جزو بن گئے تھے اور ان کے دلوں میں اس طرح رچ گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے اس کی وجہ سے ایک ایسا لاعلاج مرض پیدا ہو گیا تھا جو ان کی پوری شہری زندگی اور ان کے پورے نظام تمدن میں سرایت کر گیا تھا۔ یہ ایک مصیبت عظمیٰ تھی جس سے عام و خاص اور امیر و غریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا۔ ہر شہری پر یہ پُر تکلف اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو گئی تھی جس نے ان کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا اور اس کے سر پر غم و افکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا۔ بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش قرار رقمیں صرف کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے اور یہ رقمیں اور بے پایاں دولت کاشتکاری، تاجروں اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور ٹیکس بڑھانے اور ان پر تنگی کیے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں۔ اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزائیں دی جاتیں اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور بیلوں کی طرح بنا لیتے، جن سے آبپاشی اور کاشتکاری میں کام لیا جاتا اور صرف خدمت کرنے کے لیے ان کو پالا جاتا تھا اور محنت و مشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی، اس پر مشقت و حیوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سر اٹھانے اور سعادت اُخروی کا خیال بھی کرنے کا موقع اور مہلت نہیں ملتی تھی، بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی

ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی۔"[۳۲]

(د) انسانی دنیا کی تاریک حالت

چھٹی صدی عیسوی میں انسانی دنیا کی عالمگیر تاریکی پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں:۔

"خلاصہ یہ ہے کہ اس صدی میں روئے زمین پر کوئی ایسی قوم نظر نہیں آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جا سکے، اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت و اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو، نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو اور نہ ایسی قیادت تھی جو علم و حکمت اپنے ساتھ رکھتی ہو اور نہ کوئی ایسا صحیح دین تھا جو انبیاء کرام کی طرف صحیح نسبت رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات و خصوصیات کا حامل ہو۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کہیں کہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں اگر کبھی کچھ روشنی نظر آ جاتی تھی تو اس کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہے، صحیح علم اور صحیح عمل اتنا نایاب تھا اور خدا کا سیدھا راستہ بتلانے والے اس قدر خال خال پائے جاتے تھے کہ ایران کے بلند ہمت اور بے چین طبیعت نوجوان سلمان فارسیؓ کو جو اپنے قومی و نسلی مذہب (مجوسیت) سے غیر مطمئن و مایوس ہو چکا تھا اور حق و صداقت کا جویا تھا، ایران سے لے کر شام کے آخری حدود تک اپنے طول و طویل سفر میں صرف چار آدمی ایسے مل سکے جن سے اس کی روح کو سکون اور قلب کو اطمینان حاصل ہوا اور جو پیغمبروں کے بتلائے ہوئے راستے پر قائم تھے۔"[۳۳]

قرآن کریم میں اس عالمگیر تاریکی و فساد کا نقشہ مندرجہ ذیل الفاظ میں

---

[۳۲] حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۱، ص ۱۰۵

[۳۳] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حوالہ مذکورہ، ص ۹۸، ۹۹

کھینچا گیا ہے جس سے انسان کی فکر بیدار ہوتی ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ٥ (سورۃ الروم ۳۰، آیت ۴۱)

ترجمہ: "خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے نتیجہ میں فساد پھیل گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ اُن کو چکھا دے، اور وہ باز آجائیں"

اسطرح تمام انسانیت ظلم و تعدی، بے انصافی و سفاکی، بدی اور توہمات کے انبار کے نیچے دبی ہوئی کراہ رہی تھی۔ مختصراً یہ کہ جب انسانیت حالتِ نزاع میں مبتلا تھی اس وقت اللہ جل شانہ، نے اپنے آخری رسول و نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مظلوم انسانیت کا نجات دہندہ بناکر مبعوث فرمایا، اور آپؐ انکو گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور میں لائے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے:۔

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ٥ (سورۃ ابراھیم ۱۴، آیت ۱)

ترجمہ: "یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے تاکہ آپ تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے (ہدایت کے) نور کی طرف لائیں، یعنی غالب اور قابلِ ستائش خدا کے راستے کی طرف"

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥
(سورۃ الاعراف، آیت ۱۵۷)

ترجمہ :- "جو لوگ ایسے رسول، نبی اُمّی کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے کہ) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں سو جو لوگ اس نبیؐ (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں، اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔"

(الاعراف، آیت ۱۵۷)

باب ۳

جزیرۃ العرب کا جغرافیائی پس منظر

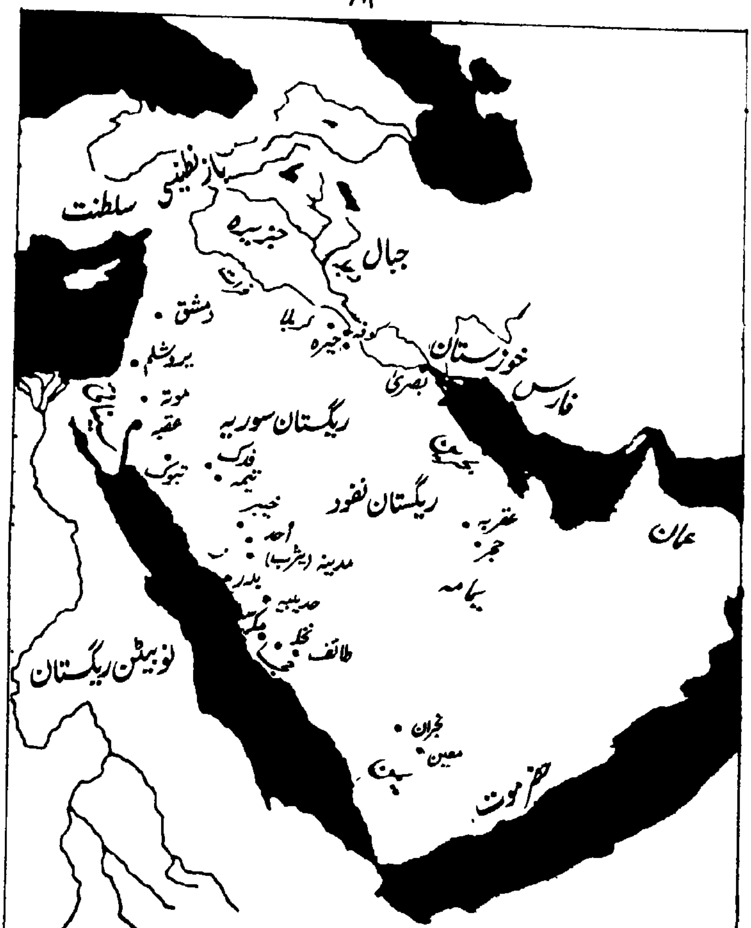
جغرافیائی جائے وقوع اور آب و ہوا:

جزیرہ نما عرب جس کو عام طور پر جزیرۃ العرب کہتے ہیں، جنوب مغربی ایشیا کا مشہور جزیرہ نما ہے، اس کے مغرب میں بحر احمر، مشرق میں خلیج عرب و عمان اور جنوب میں بحر عرب ہے۔ قدیم دنیا کے نقشہ میں جبکہ امریکہ و آسٹریلیا کی دریافت نہیں ہوئی تھی جزیرۃ العرب دنیا کے تین بڑے براعظموں یعنی ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بیچ میں واقع تھا۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما ہے جس کا رقبہ تقریباً تیرہ ۱۳ لاکھ مربع میل[1] ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ افریقہ کے صحرا اعظم کا ایک حصہ ہے، جو دریائے نیل کے شگافوں اور بحر احمر کے قعروں کے ذریعے قدرتی طور پر اس سے علیحدہ کیا گیا ہے۔ یہ مختلف حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن میں حجاز، نجد، یمن، حضرت موت اور عمان بہت اہم ہیں۔

جزیرۃ العرب کے ساحلی علاقوں پر پہاڑی سلسلہ ہے ان میں سے بعض پہاڑوں کی اونچائی جو کہ سرزمینِ حجاز میں واقع ہیں چھ ۶ ہزار تا نو ۹ ہزار فٹ تک پہونچ جاتی ہے۔ سرزمین حجاز ہی اسلام کا وہ گہوارہ ہے جس میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جیسے دو مقدس شہر واقع ہیں۔ اس خشک اور بے برگ و گیاہ جزیرہ نما کا جنوب مغربی حصہ یعنی یمن ایسا خطہ ہے جس میں موسمی بارش کی وجہ سے قدرتی طور پر زمین قابلِ کاشت ہے۔ نجد جزیرۃ العرب کے شمالی اندرونی

---

[1] محمد رابع ندوی، جغرافیہ جزیرۃ العرب، ج ۱، ص ۴



جزیرۃ العرب کا نقشہ

حصے کا مرکزی علاقہ ہے اس میں بھی جا بجا چراگاہیں ہیں۔ ان علاقوں کے علاوہ جزیرۂ نما کی باقی تمام زمین تقریباً بنجر ہے لیکن کہیں کہیں نخلستان بھی ملتے ہیں۔ اتنے بڑے رقبہ کے باوجود عرب (موجودہ سعودی عرب) کی آبادی تقریباً ۷۰ لاکھ ہے، کیونکہ زمین کے بڑے بڑے خطے ریگستان ہیں اور رقبہ کے اعتبار سے آدھے سے زیادہ ملک غیر آباد ہے، اس ملک کی آب و ہوا گرمیوں میں بے انتہا گرم ہوتی ہے اور اس کے ساحلی علاقے دنیا کے دیگر ساحلی علاقوں کے مقابلے میں نہایت گرم مانے جاتے ہیں جن کا درجۂ حرارت گرمیوں میں ۱۱۸ ڈگری (فارن ہائٹ) سے ۱۲۵ ڈگری تک رہتا ہے۔

عرب میں کوئی ایسا دریا نہیں ہے جو سال بھر بہنے والا ہو، اور نہ ہی وہاں جنگلات ہیں، البتہ پورے عرب میں چار مستقل تالاب ہیں (جن کو جھیل کہنا مشکل ہوگا) یہ تالاب احساء، خرج، افلج اور نجران میں واقع ہیں، ان تالابوں کے علاوہ جزیرۃ العرب کے مختلف حصوں میں کنوئیں و چشمے اکثر ملتے ہیں، مدینہ منورہ، طائف، یمن، حضرموت اور عمان میں اس قسم کے کنوئیں اور چشمے بکثرت ہیں۔ مکہ مکرمہ میں مشہور چشمہ زمزم واقع ہے۔ جزیرۂ نما کو مندرجہ ذیل تین حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے [۱]

---

[۱] موجودہ دور میں جزیرۃ العرب میں مندرجہ ذیل ممالک شامل ہیں۔

(۱) سعودی عرب جو کہ جزیرۂ نما کا خاص حصہ ہے اس میں نجد (جو قصیم، شمار اور یمامہ پر مشتمل ہے)، حجاز، الربع الخالی الحساء اور عسیر آتے ہیں۔ یہ تمام حصے جزیرۂ نما کے شمالی حصے کی تکمیل کرتے ہیں۔

(۲) یمن۔ یہ جزیرۂ نما کا جنوب مغربی حصہ ہے۔

(۳) جمہوریہ جنوبی یمن۔ یعنی جزیرہ نما کے جنوبی حصہ میں حضرموت کا علاقہ۔

(۴) مسقط و عمان جو جزیرۂ نما کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔

(۵) قطر اور مشرق کی دیگر چھوٹی چھوٹی ساحلی ریاستیں یعنی متحدہ عرب امارات۔

(۶) کویت۔ جو شمال مشرقی علاقہ میں واقع ہے۔ اور اردن کا شمال مغربی علاقہ۔

جزیرۃ العرب کا اہم حصہ یعنی موجودہ سعودی عرب (جس کا مدینہ منورہ و مکہ معظمہ واقع ہونے کی وجہ سے سیرت نبوی سے خاص تعلق ہے)، کی حدود اربعہ یہ ہے۔ شمال میں اردن، عراق، اور کویت واقع ہیں۔ مشرق میں خلیج عربی، قطر، اور امارات کی دیگر ریاستیں اور عمان واقع ہیں، جنوب میں یمن اور جمہوریہ جنوبی یمن ہیں۔ اور مغرب میں بحر احمر واقع ہے۔

۱۔ نجد۔ یہ جزیرہ نما کا مرکزی اور سخت ریگستانی علاقہ ہے جس میں بہت سی وادیاں اور نخلستان ہیں، جن کی وجہ سے یہاں آبادی ممکن ہوسکی۔

۲۔ شمال میں نفود، مشرق میں دہنا، اور جنوب میں الربع الخالی۔ یہ تینوں حصّے مل کر مرکزی علاقے نجد کے چاروں طرف تقریباً ایک مکمل دائرہ کی شکل میں واقع ہیں۔

۳۔ بادیۃ الشام (صحرائے شام)، مدین، حجاز، عسیر، یمن، حضرموت، عمان اور احسا۔ یہ وہ حصّے ہیں جو جزیرہ نما کے وسیع ساحل پر آباد ہیں۔ اور یہ مذکورہ بالا دائرہ کا بیرونی حصّہ بناتے ہیں۔ ان میں کچھ حصّے خشک اور بنجر پہاڑیوں پر مشتمل ہیں اور کچھ قابلِ زراعت ہیں اور گھنی آبادی والے حصّے ہیں۔ عسیر کی پہاڑیاں، یمن اور حضرموت کا ایک حصّہ مل کر قدیم عرب کی تاریخ میں "عرب فیلکس" (Arabia Felix) کے نام سے موسوم ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا معتدل ہے۔ اور مناسب بارش کی وجہ سے زمین بھی قابلِ کاشت ہے۔ عمان جزیرہ عرب کا دوسرا قابلِ کاشت علاقہ ہے جس میں جبل اخضر سے متعدد ندیاں نکلتی ہیں جن کی وجہ سے اس کی زرخیزی میں کافی اضافہ ہوگیا ہے۔ ان چند خطّوں کو چھوڑ کر صحرا کے باقی حصّے میں صرف جگہ جگہ نخلستان ہی ملتے ہیں ان میں سے کچھ نخلستان مثلاً مدینہ منورہ، تیمم، اور احسا، کافی زرخیز ہیں۔

عرب کی پیداوار اور مویشی :

عرب کے امیر و غریب سب کی مرغوب غذا کھجور اور اس کے باغات، جزیرۂ نما کے اکثر علاقوں میں ملتے ہیں۔ میٹھا اور مرغوب پھل دینے کے علاوہ کھجور کے درخت کے اور بھی فائدہ تھے اس کی شاخیں دیہاتوں کے مکانوں میں چھتوں کے چھانے میں کام آتی تھیں۔ گٹھلیوں کو پیس کر اونٹ کی غذا بنائی جاتی، اور چھال کے سخت ریشوں سے رسیاں بنائی جاتیں۔ کھجور کے علاوہ دیگر پھل اور سبزیاں بھی ساحلی علاقوں میں بڑی تعداد میں پیدا ہوتیں۔ یمن میں جو کہ جزیرہ نما کا سب سے زرخیز علاقہ ہے۔ گیہوں، قہوہ اور دیگر پھل وافر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔

پالتو جانوروں میں اونٹ (جس کو صحرائی جہاز کے نام سے پکارا جاتا تھا) گھوڑے، بھیڑ اور بکریاں عام طور سے ملتی تھیں۔ اونٹ نہ صرف بار برداری کے کام آتا بلکہ اس کا گوشت اور

دودھ بھی قابلِ منفعت ہے۔ پرانے زمانے میں بیوی کا مہر، قتل کا خون بہا، جوئے کی بازی میں نفع اور عربی شیوخ کی مالداری اونٹ کی تعداد پر شمار کی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ فرمایا تھا عرب اسی جگہ خوش حال ہوں گے جہاں کے اونٹ خوش حال ہیں (یعنی جہاں اونٹ کثرت سے پائے جائیں) مسلمانوں کی ابتدائی جنگوں میں اونٹ ایک اہم جنگی جانور تھا۔ منفعت کے اعتبار سے عرب میں اونٹوں کے بعد گھوڑوں کا نمبر آتا تھا گھوڑے جنگوں میں، کھیل کے میدانوں میں، اور شکار کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ کسی شخص کے یہاں گھوڑے کا ہونا اس کی اعلیٰ حیثیت و مرتبہ کی دلیل تھی۔ عرب اپنی شہسواری کے لیے مشہور تھے، قدیم زمانہ میں سرزمین عرب کے گھوڑے بہترین گھوڑے سمجھے جاتے تھے اور انھیں دوسرے ممالک کو برآمد کیا جاتا تھا۔ بھیڑیں اور بکریاں دیہی علاقوں کے بدؤں کا خاص سرمایہ تھیں۔

عرب کے شہری اور بدوی؛

جزیرۃ العرب میں قدیم اقوام نے قبائل کی شکل میں سکونت اختیار کی تھی۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے مستقل رہائش گاہیں شہروں کی شکل میں تعمیر کیں۔ ایسے لوگوں کو جو شہروں میں رہنے لگے "شہری باشندے" کہا گیا۔ مکہ مکرمہ کا شمار قدیم ترین شہر میں کیا جاتا ہے جس کا پرانا نام بکّہ یا بکّا ہے۔ (ملاحظہ ہو قرآن کریم سورہ آل عمران آیت ۹۶، زبور تیسری کتاب باب ۸۴ آیت ۶) - زیادہ تر لوگ خانہ بدوش قبائل کی شکل میں ہی رہتے تھے جو بھیڑ، بکریوں کے گلّوں کو چرانے کے لیے مناسب مقدار میں سبزے کی تلاش میں ادھر ادھر پھرا کرتے تھے ان لوگوں کو بدوی کہا جاتا تھا، یہ لوگ جب کبھی کسی جگہ قیام کرتے تو وہاں پر خیمے نصب کر دیتے۔ ان کا رہن سہن شہری باشندوں سے بالکل مختلف تھا۔ یہ لوگ اپنا گذر بسر بھیڑوں اور بکریوں کے دودھ پر کرتے تھے اور زراعت و تجارت نیز صنعت و حرفت سے بالکل ناواقف تھے۔ شہری باشندوں نے زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ تجارت میں کافی ترقی کر لی تھی جب کہ بدویوں کے اندر بہت سی برائیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ لوٹ مار، ڈاکہ زنی اور کاروانوں پر حملے کرنا ان کا شیوہ اور آپس میں خونریز جنگیں لڑنا ان کا شعارِ زندگی بن چکا تھا۔ بدویوں کے بارے میں ایک مشہور عرب شاعر کہتا ہے جس کا مفہوم

یہ ہے: "ہمارا کام دشمنوں پر حملہ کرنا ہے اور اگر ہم کوئی دشمن نہیں پاتے تو پھر پڑوسی اور اپنے بھائی ہی پر حملہ کر دیتے ہیں۔"[۳]

بدویوں کا سماجی و سیاسی نظام "خاندانی" و "قبائلی" تھا۔ ہر خاندان کا ایک مالک اور ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا جس کو شیخ کہا جاتا تھا۔ ان کی حب الوطنی صرف اپنے قبیلہ کی حد تک محدود تھی اور قبیلہ کے ہر فرد کی پوری طرح حفاظت کی جاتی۔ اگر کوئی قبیلہ اپنے کسی فرد کی حفاظت کرنے سے قاصر رہتا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ پھر وہ فرد اس کا فرمانبردار رہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے:-

"اپنے قبیلہ کے وفادار رہو کیوں کہ قبیلہ کا حق قبیلہ والوں پر اتنا زیادہ ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی شخص اپنی بیوی کو بھی چھوڑ سکتا ہے۔"[۴]

غیر ملکی حملوں سے حفاظت:-

اپنی مخصوص آب و ہوا اور ریگستانی زمین کی وجہ سے جزیرۃ العرب کے باشندے غیر ملکی یورش و یلغار سے محفوظ رہے۔ بنجر اور گرم علاقہ ہونے کی وجہ سے سرزمین عرب غیر ملکی اقوام کی دلچسپی کا سامان فراہم نہ کر سکا۔ کیوں کہ کوئی بھی ایک ایسے خطہ پر حکومت نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے کوئی مالی منفعت نہ ہو اور جو ایسے قبیلوں سے آباد ہو جو ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں! اس سلسلہ میں فلپ ہٹی تحریر کرتا ہے:-

"یہی وہ وجہ ہے جس کے باعث عرب غیر ملکی تسلط سے صدیوں تک محفوظ رہے۔"[۵]

غیر ملکی تسلط سے محفوظ رہنے کی وجہ سے عربوں کے اندر ایک طرف تو آزادی کی روح اور تشخص و انفرادیت برقرار تھی اور دوسری طرف وہ بہت ہی جفاکش و خوددار بھی تھے۔ ان صفات کی وجہ سے ان کے اندر اسلام کی تعلیمات کو جذب کرنے اور اس کے تہذیب و تمدن کو رواج دینے نیز اس کو دنیا کے ایک وسیع حصے میں عام کرنے کی فطری صلاحیت موجود تھی۔

---

[۳] فلپ ہٹی۔ History of The Arabs

[۴] پروفیسر، کے۔ علی، A Study of Islamic History، ص ۱۷

[۵] پی۔ کے۔ ہٹی، حوالہ مذکورہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش، مکہ مکرمہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ ہے جس کا نام زمانۂ قدیم میں بکّہ، بائبل میں بکّا اور بطلیموس کے یہاں مکو رہا ہے۔ اسلام کا یہ مقدس ترین شہر ہے۔ قرآن کریم نے اس کو "امّ القریٰ" اور "البلد الامین" کہا ہے۔ یہ شہر بحر احمر کی مشہور بندرگاہ "جدہ" سے ۴۵ میل مشرق کی جانب ہے اور وہاں سے ایک بڑی شاہراہ اس مقدس شہر تک جاتی ہے۔

اسلام سے قبل بھی مکہ مکرمہ مذہبی زیارت گاہ تھا، اس کے علاوہ یہ ایک اہم تجارتی مرکز بھی تھا رومی اور بازنطینی عہد میں ہندوستان، مشرقی افریقہ اور مشرق بعید سے بحر روم کے ممالک میں مشرقی اشیاء کافی مقدار میں درآمد کی جاتی تھیں۔ یہ اشیاء سمندری راستے سے پہلے عدن لائی جاتی تھیں وہاں سے اونٹوں کے کاروانوں کے ذریعہ جزیرۃ العرب اور مصر کے مغربی ساحلوں نیز دمشق اور یورپ کے دیگر ممالک کو لے جائی جاتی تھیں۔ ان کاروانوں کے لیے مکہ مکرمہ ایک اہم منزل کا کام دیتا تھا۔ مکہ مکرمہ کے زیادہ تر باشندے اس تجارت میں لگے رہتے تھے۔

جغرافیائی اعتبار سے مکہ پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی میں آباد ہے۔ یہ وادی مشرق سے مغرب تک تقریباً پانچ میل لمبی ہے اور اس کا عرض تقریباً دو میل ہے[1]۔ مکہ کے چاروں طرف مندرجہ ذیل پہاڑ واقع ہیں۔ جبل الفلج، جبل القیقعان، جبل لعلع، جبل کداد، جبل ابو قبیس اور جبل خندمہ۔ موجودہ دور میں ان پہاڑوں میں سے اکثر پر آبادی ہے۔ پہاڑوں کی دوسری جانب شہر کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو مکہ مکرمہ کے مرکزی حصہ سے ملانے کی غرض سے کچھ پہاڑوں کو کاٹ کر وسیع و عریض سڑکیں بنادی گئی ہیں۔ بیت اللہ الحرام اور مسجد حرام شہر کے وسط میں واقع ہیں۔ مکہ مکرمہ کا واحد قدرتی چشمہ "زمزم" مسجد حرام کی حدود ہی میں واقع ہے۔ ملکہ زبیدہ نے طائف سے مکہ مکرمہ تک ایک بڑی نہر کھدوائی تھی جس کو نہر زبیدہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ نہر شہر کی پانی کی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ مکہ شہر کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے محبوب

---

[1] محمد رابع ندوی، حوالۂ مذکورہ، ص ۱۰۵

صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ نے رکھی تھی۔ انھوں نے کعبہ کی عمارت بھی دوبارہ تعمیر کی تھی جس کے نزدیک ہی زمزم کا مشہور چشمہ ہے جو ایک معجزانہ طور پر حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ ہاجرہ، جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت وہاں چھوڑ گئے تھے، کی پیاس بجھانے کے لیے ظاہر ہوا تھا۔

باب ۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد

قریش اور قصی

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ قریش بنو اسماعیل میں سے ایک بااثر شخص فہر کا لقب تھا جو کہ تیسری صدی عیسوی کے تھے۔[1] پانچویں صدی عیسوی میں قریش کی اولاد میں سے ایک شخص قصی نے قریش کے مختلف قبیلوں کو متحد کیا اور مکہ اور آس پاس کے علاقے کے حکمراں مقرر ہوئے۔[2] وہ کعبہ کے متولی بھی بنے، یہ عہدہ پورے جزیرۃ العرب میں سب سے باعزت عہدہ سمجھا جاتا تھا، قصی ایک لائق منتظم تھے انھوں نے ایک بڑا ہال "دارالندوۃ" کے نام سے بنوایا۔[3] جہاں پر قریش کے مختلف قبیلوں کے سرداروں کے مشورہ کے بعد متنازع فیہ مسائل حل کئے جاتے تھے۔ وہ حج کے دوران حاجیوں کو کھانا اور پانی بہم پہونچاتے تھے۔[4] انھوں نے مکہ مکرمہ میں بہت سی سیاسی و معاشرتی اصلاحات بھی کیں۔

---

[1] محمد ابن سعد، الطبقات الکبری، بیروت ۱۹۶۰ء (۱۳۸۰ھ) ج ۱، ص ۶۹؛ ابن خلدون، التاریخ، بیروت ۱۹۶۶، ج ۲، ص ۶۹۰۔

[2] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، قاہرہ ۱۹۵۵ء (۱۳۷۵ھ)، ج ۱، ص ۱۲۵، محمد ابن سعد، الطبقات الکبری، ج ۱، ص ۷۰؛ ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۶۹۳۔

[3] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۱۶۳۔

عبدِ مناف

اپنے انتقال سے قبل (۴۸۰ عیسوی میں) قصی نے سقایہ، رفادہ (حاجیوں کی میزبانی کا منصب)، مالیات اور لوایہ (قریش کا جھنڈا) کے مناصب اپنے بڑے لڑکے عبدالدار کے سپرد کیے[14] لیکن قصی کے انتقال کے بعد قریش کی سرداری و ریاست کا منصب عبدمناف (عبدالدار کے چھوٹے بھائی) کے حصے میں آئی[15] عبدمناف کے بعد ان کے لڑکے ہاشم ان کے جانشین بنے۔ عبدالدار کی اولاد (بنوعبدالدار) ان تمام مناصب کو جن کو قصی نے عبدالدار کو سپرد کیا تھا مکمل طور پر ادا کرنے میں ناکام رہی[16] اس وجہ سے بنوعبدمناف نے سقایہ و رفادہ کا انتظام بنوعبدالدار سے لے لیا[17] بعض مورخین کے بیان کے مطابق سقایہ اور رفادہ کا منصب عبدشمس بن عبدمناف (جو ہاشم کے بڑے بھائی تھے) کو سپرد کیا گیا تھا لیکن انھوں نے بعد میں اپنی ذمہ داریاں اپنے چھوٹے بھائی ہاشم کے سپرد کر دیں[18] عبدشمس کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے اُمیہ کے دل میں اپنے چچا ہاشم سے قریش میں مقبول عام ہونے کی بنا پر حسد پیدا ہوگیا۔ امیہ نے کھلم کھلا ہاشم کے اقتدار کو چیلنج کیا[19] لیکن انھیں شکست ہوئی اور دارالندوہ کے ممبران کے فیصلے سے انھیں دس سال کے لئے مکہ سے جلاوطن کر دیا گیا[20] یہی وہ بنیادی سبب تھا جس کی بنا پر بنوہاشم اور بنوامیہ کے درمیان مشہور دشمنی پیدا ہوگئی تھی۔ بعد میں بنوامیہ نے تجارتی کاروبار اپنا لیا اور عرب کے مالدار و مشہور تجار میں شمار کئے جانے لگے۔

---

[14] محمد ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۳؛ ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۲۹؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۹۳۔

[15] ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۹۳؛ محمد ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۳؛ شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، اعظم گڈھ (انڈیا)، ۱۹۶۲ء (۱۳۸۲ھ)، ج ۱، ص ۶۔

[16] شاہ معین الدین احمد ندوی، حوالہ مذکورہ، تاریخ اسلام، ج ۱، ص ۶۔

[17] ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۳۲؛ محمد ابن سعد حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۷؛ شاہ معین الدین احمد ندوی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۔

[18] ابن خلدون حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۹۴ تا ۶۹۵؛ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام، کراچی، ۱۹۷۰، ج ۱، ص ۶۰؛ حافظ غلام سرور، Muhammad, The Holy Prophet لاہور، ۱۹۴۹ء، ص ۱۴۔

[19] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۳۶۔

[20] ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت ۱۹۶۵ء، (۱۳۸۵ھ) ج ۲، ص ۱۶ و ۱۷۔

ہاشم

ہاشم اپنے دور میں ایک عقلمند اور نہایت ہی فیاض شخص تھے۔[۱۱] انھوں نے قریش کے سامان تجارت کو جنوب میں یمن اور شمال میں شام تک فروغ دیا۔ تجارتی قافلے مشرق میں نجد اور عراق کی طرف بھی جاتے اس طرح مکہ عرب کا ایک بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔ اور ہاشم اپنی بہادری و فیاضی کی بنا پر عرب کے مقبول ترین انسان بن گئے۔

ایک مرتبہ ہاشم یثرب (مدینہ منورہ) آئے اور وہاں قبیلۂ بنی نجّار کی ایک اعلیٰ مرتبت خاتون سلمیٰ سے شادی کرلی[۱۲]۔ سلمیٰ کے بطن سے ہاشم کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام شیبہ رکھا گیا[۱۳]۔ ہاشم نے اس لڑکے کو سلمیٰ کے پاس ہی چھوڑ دیا۔ شیبہ بالغ ہونے تک اور ایک قول کے مطابق تقریباً آٹھ سال تک یثرب (مدینہ منوّرہ) ہی میں رہے[۱۴]۔ ایک بار ہاشم تجارت کی غرض سے شام جارہے تھے لیکن راستہ میں ہی مقام غزّہ میں ان کا انتقال ہوگیا۔

عبدالمطّلب

ہاشم کی جلد موت سے ان کی اولاد اور ساتھی کمزور ہو گئے۔ ہاشم کے بعد ان کے بھائی مطّلب قریش کے سردار رہے۔ انھیں شیبہ کی پیدائش کی خبر معلوم تھی۔ چنانچہ وہ مدینہ گئے اور شیبہ کو مکّہ لیکر آئے۔ جب مکہ میں شیبہ کو لیکر داخل ہوئے تو لوگوں نے غلطی سے شیبہ کو مطّلب کا غلام سمجھا[۱۵] اور شیبہ "عبدالمطّلب" کے عرف سے مشہور ہو گئے۔ مطّلب نے اپنے بھتیجے شیبہ (عرف عبدالمطّلب) کی پرورش اپنے حقیقی بیٹے کی طرح کی۔

مطّلب کے انتقال کے بعد عبدالمطّلب بنو ہاشم کے سردار اور سقایہ ورفادہ کے انچارج

---

[۱۱] محمد ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۷۸۔

[۱۲، ۱۳، ۱۴] ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۳۷؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۷۹؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۹۹؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، قاہرہ ۱۹۶۰، ج ۲، ص ۲۴۶۔

[۱۵] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۱۶۶، ۱۶۷۔

[۱۵] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۲۸؛ محمد ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۸۲؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۶۹۹۔

ونگران مقرر ہوئے۔[۹] یہ دیکھ کر حرب بن امیہ (جو ابوسفیان کے باپ تھے) نے عبدالمطّلب کا اقتدار ماننے سے انکار کر دیا لیکن پھر ججوں نے ان کے خلاف وہی فیصلہ دیا جو ان کے باپ امیہ کے خلاف دیا تھا۔[۱۰] اس طرح بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان حسد و رقابت دن بدن بڑھتی گئی۔

اپنے باپ ہاشم کی طرح عبدالمطّلب نے بھی اپنی فیاضی اور منصفانہ مزاج کی بنا پر قریش کے درمیان ایک مسلّم اور باعزت مقام حاصل کر لیا۔ مشہور چشمہ زمزم (جو کہ پیاسے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں کے رگڑنے سے بطور معجزہ پھوٹ پڑا تھا جس وقت کہ حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑ رہی تھیں) ریگستانی گرد و غبار سے بھر گیا تھا۔[۱۱] عبدالمطّلب نے اس کو دوبارہ کھدوایا۔ چشمہ کو صاف کیا گیا اس کی دیواروں کی مرمت کرائی گئی اور اس طرح اس سے پھر پانی جاری ہو گیا۔ عبدالمطّلب اپنے معاملات میں مدبّر، فیصلوں میں صائب الرائے و زیرک اور اعلیٰ کردار کے حامل تھے۔ ان صفات کی وجہ سے وہ تمام قریش میں ایک معزز شخصیت کے مالک ہوئے اور نصف صدی سے زیادہ (تقریباً ۵۹ سال تک) مکہ کے حکمراں بنے رہے۔ اُنہی کے عہد حکومت میں حبشہ کے عیسائی سپہ سالار نے (جس نے حمیریوں کو شکست دے کر یمن پر قبضہ کر لیا تھا) ۵۷۰ عیسوی میں مکہ مکرمہ پر حملہ کیا اسکا ناپاک ارادہ اللہ کے مقدس گھر کعبہ کو ڈھانا تھا اس کے ساتھ ہاتھیوں کا ایک بڑا ہراول دستہ تھا یہ وہ جانور ہیں جن کو اہل مکہ نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ابرہہ اپنے اس حملے میں بری طرح ناکام رہا۔ اور اس کی فوج ایک زبردست طوفان اور کنکریوں کی بارش سے تہس نہس ہو گئی۔ اللہ کی جانب سے بھیجا گیا ابابیلوں کا لشکر اس زبردست تباہی کا سبب بنا (قرآن کریم سورۂ فیل آیت ۱ تا ۵) باقی ماندہ فوج بھاگ گئی، مگر ان پر ایک اور عذاب

۹ـ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۵۱؛ ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۲؛ ابن سعد حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۸۳؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۹۶۔

۱۰ـ اکبر شاہ خاں، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۳۵؛ حافظ غلام سرور، حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۔

۱۱ـ ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۳۵؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۸۳؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۲۴۰؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۲؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۹۸۔

چیچک [۱۹ الف] کی شکل میں مسلط کر دیا گیا، اور اس طرح ابرہہ کا تمام لشکر نیست و نابود ہو گیا۔[۱۹]
یہ سال تاریخ اسلام میں عام الفیل کے نام سے مشہور ہے۔

عبداللہ اور آمنہ

واقعہ فیل سے پہلے عبدالمطّلب نے اپنے سب سے چھوٹے اور محبوب لڑکے عبداللہ کی شادی قبیلہ بنوزھرہ کے سردار وہب کی بیٹی آمنہ سے کی تھی۔[۱۹] شادی کے بعد صرف تین[۲۰] دن تک عبداللہ آمنہ کے ساتھ اپنے سسرال میں رہے۔ پھر وہاں سے بغرض تجارت شام چلے گئے۔[۲۱] اپنے اس تجارتی سفر سے لوٹتے وقت عبداللہ یثرب (مدینہ) میں بیمار پڑ گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔[۲۲] انھوں نے اپنے پسماندگان میں اپنی حاملہ بیوی حضرت آمنہ اور ایک لونڈی اُمّ ایمن اور ترکہ میں پانچ اونٹ اور بکریوں کا ایک ریوڑ چھوڑا۔ نوجوان عبداللہ کی اچانک موت سے ان کے خاندان کو سخت صدمہ پہونچا۔ خاص طور سے عبدالمطّلب کی حالت ناگفتہ بہ تھی انھوں نے عبداللہ کی بیماری کی حالت میں اپنے بڑے بیٹے حارث کو ان کی دیکھ بھال کے لئے یثرب (مدینہ) بھیج دیا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت

بی بی آمنہ کے بطن مبارک سے عبداللہ کی موت کے تقریباً دو ماہ بعد فخر موجودات، سرور کائنات، بنی نوع انسان کی بزرگ ترین ہستی، اللہ کے آخری نبی و رسول سیّدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اکثر مورخین کے مطابق آپ کی پیدائش بروز دوشنبہ

---

[۱۹] الف۔ مولانا محمد حفظ الرحمن، قصص القرآن، دہلی، ۱۹۶۱ء (۱۳۸۰ھ)، ج ۳، ص ۳۶۹ (بحوالہ ابن اسحاق)

[۱۹] اکبرشاہ خاں نجیب آبادی، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۸۵؛ حافظ غلام سرور، حوالۂ مذکورہ، ص ۱۰۸؛ مولانا محمد حفظ الرحمان، حوالۂ مذکورہ، ج ۳، ص ۳۵۹ تا ۴۰۱، وغیرہ۔

[۲۰] ابن سعد، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۹۵؛ ابن ہشام، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۱۰ تا ۱۵۶؛ ابن اثیر، حوالۂ مذکورہ، ج ۲، ص ۸۔

[۲۱] ابن سعد، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۹۵۔

[۲۲] ابن ہشام، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۸۵؛ ابن سعد، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۹۹؛ ابن خلدون، حوالۂ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۱۱۔

بارہ ربیع الاوّل [۲۳] قمری سال کے اعتبار سے عام الفیل کو ہوئی۔ شمسی سال کے مطابق یہ تاریخ مارچ/اپریل ۵۷۱ء میں اس صورت میں پڑتی ہے جب کہ ہجری کیلنڈر کے پہلے سال کی یکم محرم کی تاریخ ۱۶ جولائی ۶۲۲ء کو مانی جائے۔[۲۴] کچھ مورخین کے مطابق مثلاً علامہ شبلی نعمانی وغیرہ کے نزدیک آپؐ کی ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔[۲۵] المسعودی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ۸ ربیع الاول ہے۔[۲۶] جہاں تک دن کا سوال ہے اس پر تقریباً تمام مورخین متفق ہیں کہ آپؐ کی ولادت کا دن دوشنبہ (یوم الاثنین) تھا۔ بعض مسلم مورخین نے آپؐ کی تاریخ ولادت اور دیگر انبیاء کے درمیان کی مدت کا بھی حساب لگایا ہے چنانچہ یہ کہا جاتا ہے کہ آپؐ حضرت آدم علیہ السلام کے ۶۱۵۵ سال بعد، طوفان نوح کے ۲۹۱۳ سال بعد، ابراہیم علیہ السلام کے تقریباً ۲۸۳۲ سال بعد، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ۲۲۰۰ سال بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے ۵۷۰ سال بعد پیدا ہوئے تھے۔

---

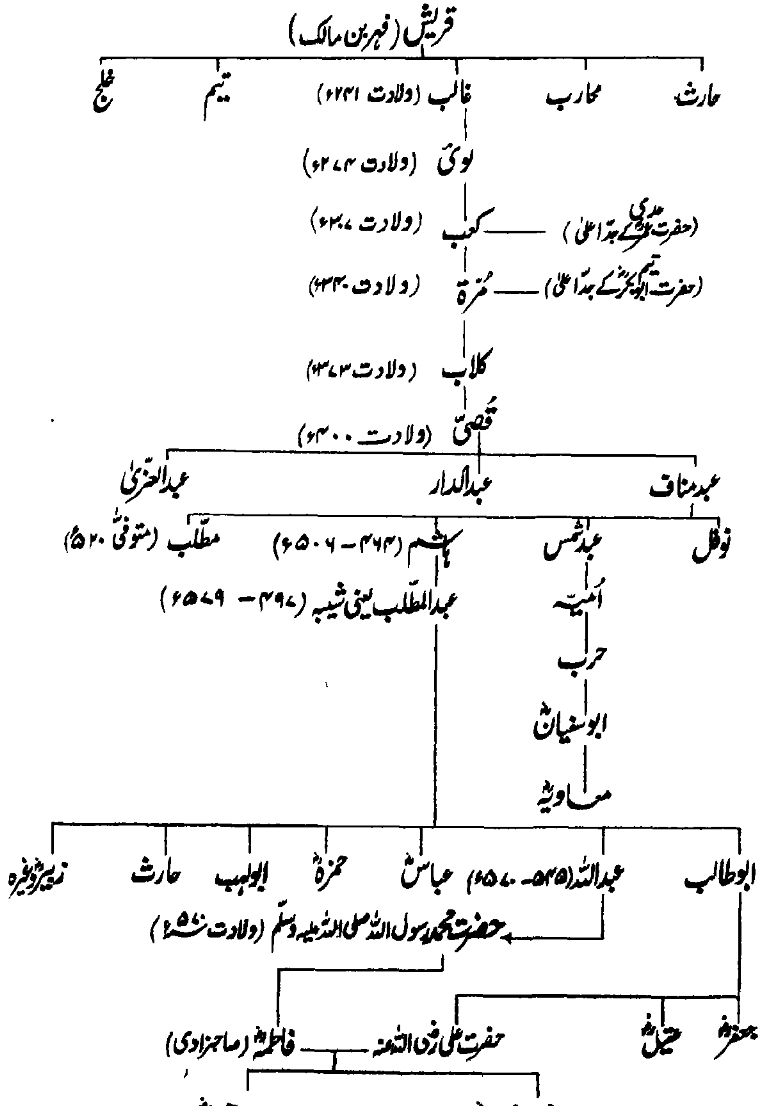
۲۳ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۵۸؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۰۰؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۵۶؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۷۱۰۔

۲۴ ابوالنصر محمد خالدی، تقویم ہجری وعیسوی Comparative Tables of Hijri & Christian Dates. انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، ۱۹۲۹ (اس تقویم کی نظر ثانی عثمانیہ یونیورسٹی کے پروفیسر مولوی محمود احمد خان صاحب نے کی تھی اور اس کی بنیاد جرمن ماہر فلکیات Wustenfled - Mahler'sche کی تقویم پر ہے۔)؛ حبیب الرحمٰن خاں صابری، مفتاح التقویم، ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۷ء، ص ۱۹۰؛ منٹگمری واٹ (مشہور مستشرق) کے مطابق بھی ہجری کیلنڈر کی شروعات (یعنی یکم محرم ۱ھ) ۱۶ جولائی ۶۲۲ء کو ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو: Muhammad In Mecca ص ۱۴۵؛ سید امیر علی بھی اس تاریخ سے کافی حد تک متفق ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: "اُس سال جبکہ سنہ ہجری شروع ہوا ہے یکم محرم ۱۵ جولائی ۶۲۲ء کو پڑی تھی۔" ملاحظہ ہو: The Spirit of Islam، ۴۹۔ ایک دوسرا مستشرق تور اینڈری Tor Andrae لکھتا ہے: "جہاں تک ہجرت کا سوال ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ ۶۲۲ء میں ہوئی تھی اور آپ کی وفات دس سال بعد ۶۳۲ء میں ہوئی۔" ملاحظہ ہو: Muhammad, The Man And His Faith ص ۲۲۔ بہرحال عیسوی کیلنڈر کے حساب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تاریخ ولادت بتانا ایک مشکل کام ہے۔ جہاں تک سال کا سوال ہے اس کے متعلق زیادہ تر سیرت نگار (بشمول ڈاکٹر محمد حمید اللہ) متفق ہیں کہ یہ ۵۷۰ء کا سال تھا البتہ کچھ سیرت نگار مثلاً علامہ شبلی نعمانی اور محمود پاشا مصری فلکی (جن کی بنیاد پر علامہ شبلی نعمانی نے حساب لگایا ہے) یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سال ولادت ۵۷۱ء ہے علامہ شبلی کے مطابق صحیح تاریخ ولادت ۲۰ اپریل ۵۷۱ء ہے۔ ملاحظہ ہو: سیرت النبی، ج ۱، ص ۱۷۱ اور ۱۷۲۔

۲۵ علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۱۷۱؛ محمد خضری، نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، قاہرہ، ۱۳۲۰ھ، ص ۹۔ یہ دونوں حضرت محمود پاشا المصری الفلکی کے حساب سے اتفاق کرتے ہیں جن کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔

۲۶ المسعودی، التاریخ، قاہرہ، ۱۳۴۶ھ، ج ۱، ص ۳۹۸۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کا خاکہ



(نوٹ: جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ سر سید نے قُصیّ تک ہر پشت کے لیے ۳۳ سال کا اوسط لیا ہے۔)

آپؐ کی والدہ حضرت آمنہ نے اپنے ایک خواب کے مطابق جس کو انھوں نے آپؐ کی پیدائش سے قبل دیکھا تھا آپؐ کا نام احمد رکھا[۲۷] لیکن عبدالمطلب نے آپؐ کا نام محمد رکھا اس نام سے عرب واقف تھے لیکن عام طور پر اپنے بچوں کا یہ نام نہیں رکھتے تھے[۲۸]

زمانۂ رضاعت اور بچپن

عربوں کے رواج کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں خالص عربی زبان سکھانے اور شہر سے باہر دیہات کے پُرفضا ماحول سے لطف اندوز ہونے کے لئے ایک دائی حلیمہ کے حوالے کر دیا گیا۔ دائی حلیمہ اس وقت مکّہ شہر میں اس قسم کے کسی مالدار بچے کی تلاش میں آئی ہوئی تھیں لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔[۲۹] چنانچہ وہ یتیم بچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پا کر بہت خوش ہوئیں گویا کہ یہ چیز ان کے لئے خدا کی جانب سے متعیّن کر دی گئی ہو۔

دائی حلیمہ کا تعلق قبیلۂ ہوازن کے ایک خاندان بنو سعد سے تھا جو اپنی فصیح اللسانی اور خوش گوئی میں مشہور تھے۔ پہلی مرتبہ آپؐ دائی حلیمہ کے پاس دو سال تک رہے پھر وہ آپؐ کو لے کر مکّہ مکرمہ آئیں۔ اس وقت مکّہ مکرمہ میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی چنانچہ پھر دوبارہ آپؐ کو لے کر وہ چلی گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ۶ برس تک بنو سعد کے لڑکوں کے درمیان دائی حلیمہ کے ساتھ رہے وہاں آپؐ نے عربی زبان کا خالص ترین لہجہ سیکھا۔ اسی کے متعلق آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ "میں تم سب میں فصیح تر ہوں کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنو سعد کی زبان ہے"[۳۰] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رضاعی ماں حضرت حلیمہ کی بڑی عزت کرتے تھے اور حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد جب وہ آپؐ سے ملنے آئیں تو آپؐ نے

۲۷؎ ابن سعد، حوالہ مذکورہ۔ ج ۱، ص ۹۹ اور ۱۰۴۔
۲۸؎ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ۔ ج ۱، ص ۱۵۸؛ محمد حسین ہیکل، حیاۃ محمد، ص ۲۴۳۔
۲۹؎ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۶۲ تا ۱۶۴؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ۔ ج ۲، ص ۱۵۸ و ۱۵۹۔
۳۰؎ ابن سعد، حوالہ مذکورہ۔ ج ۱، ص ۱۱۱؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ۔ ج ۱، ص ۱۶۷۔

ان کے اعزاز و اکرام میں کچھ کمی نہ اٹھا رکھی [۳۱] بعض سیرت نگاروں کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا تو دائی حلیمہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی والد حارث ابن عبدالعزیٰ نے بھی مکہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپ کے رضاعی بھائیوں کے نام عبداللہ اور حذافہ اور رضاعی بہنوں کے نام انیسہ اور شیماء تھے [۳۲]

شق صدر کا معجزہ

دائی حلیمہ کے پاس قیام کے دوران بہت سے معجزات آپ سے رونما ہوئے جن کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ ان میں شق صدر کا معجزہ بہت مشہور ہے۔ یہ واقعہ آپ کی عمر کے چوتھے سال ظہور پذیر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ کھیل رہے تھے اتنے میں دو سفید پوش فرشتے آسمان سے نازل ہوئے اور انھوں نے آپ کے سینۂ مبارک کو چاک کیا۔ پھر دل کے بعض کالے حصے کو نکال کر باہر پھینکا اور آپ کے دل اور سینۂ مبارک کے اندرونی حصے کو ایسے صاف پانی سے دھویا جس کو وہ سونے کی طشت میں آسمان سے اپنے ساتھ لاتے تھے [۳۳] پھر وہ واپس چلے گئے۔ یہ دیکھ کر آپ کا رضاعی بھائی اور آپ کے ساتھ دوسرے کھیلنے والے لڑکے ڈر گئے اور وہ دائی حلیمہ کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور اس واقعہ کی اطلاع دی لیکن دائی حلیمہ جس وقت آپ کے پاس پہونچیں تو فرشتے آپ کو چھوڑ کر جا چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پورا قصہ بیان کیا اور فرمایا کہ فرشتوں نے آپ کے دل میں ایک نور بھر دیا ہے لیکن آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہونچی ہے۔

اکثر مغربی مورخین شق صدر کے معجزہ کا انکار کرتے ہیں۔ ولیم میور نے تو یہاں تک کہہ دیا

---

[۳۱] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۱۴؛ مزید ملاحظہ ہو: الاصابہ فی تمیز الصحابہ از ابن حجر عسقلانی۔

[۳۲] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۶۱؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۱۰۔

[۳۳] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۱۲؛ ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۶۶؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۵؛ المسعودی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۹؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۱۱؛ محمد الخضری، نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، ص ۱۱؛ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، اعظم گڑھ (انڈیا) ۱۹۸۲ء، ۱۹۸۶/۱۳۴۶)، ج ۳، ص ۳۴۶ تا ۳۴۵؛ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، تاریخ اسلام، دیوبند (انڈیا)، ص ۲۹؛ شیخ عبداللہ ابن محمد ابن عبدالوہاب، سیرۃ رسول اللہ، ص ۱۳۔

کہ (نعوذ باللہ) یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی بیماری کے اثرات تھے۔ موجودہ عہد کے سیرت نگاروں میں سے محمد حسین ہیکل نے اس واقعہ کو بطور معجزہ ماننے میں تذبذب ظاہر کیا ہے۔[۲۴] وہ کہتے ہیں کہ "بہت سے مورخین نے شق صدر کی روایت کو غیر مستند قرار دیا ہے۔"[۲۵] کیونکہ بعض مورخین مثلاً طبری نے اس واقعہ کو آپ کی زندگی میں دو مرتبہ بیان کیا ہے۔ سرسید احمد خاں نے اس کی تاویل سینے کی شرح (پھیلاؤ) سے کی ہے۔[۲۶] قرآن کریم میں مذکورہ "شرح صدر" (سورۃ الم نشرح آیت ۱) کو وہ بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شق صدر کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور معجزہ رونما ہوا ہے اس لئے ہمیں مغربی مورخین کی تنقید و تنقیص کی وجہ سے اسے قبول کرنے میں کسی قسم کے شک وشبہ سے کام نہیں لینا چاہئے۔ بعض مسلم مورخین نے سیرت اور حدیث کی کتابوں میں بیان کی گئی مختلف روایات کی بنیاد پر شق صدر کے واقعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پانچ مرتبہ بتایا ہے۔[۲۷] (۱) جب آپ تقریباً پانچ برس کے تھے اور اپنی رضاعی ماں حلیمہ کے پاس رہتے تھے۔ (۲) جب آپ کی عمر تقریباً دس سال ہوگی (۳) جب آپ تقریباً ۲۰ برس کے ہوئے۔ (۴) آپ پر وحی کے نزول سے کچھ دن پہلے۔ اور (۵) معراج کے واقعہ سے قبل۔ لیکن اس سلسلہ میں بیان کی گئی بہت سی معتبر روایتوں کے مطابق شق صدر کا واقعہ دو مرتبہ پیش آیا۔

(۱) اس وقت جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً پانچ برس کی تھی اور آپ دائی حلیمہ کے پاس رہتے تھے۔ سیرت و حدیث کی بہت سی کتابوں میں یہ واقعہ ملتا ہے مثلاً صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل، امام بخاری کی تاریخ صغیر، مستدرک حاکم، سنن دارمی، ابن ہشام کی سیرۃ النبی، ابن سعد کی الطبقات الکبریٰ، تاریخ طبری، تاریخ ابن خلدون، تاریخ مسعودی، ابو نعیم کی دلائل النبوۃ اور بیہقی وغیرہ۔ ان کتابوں میں بیان کی گئی تمام روایتوں میں وہ روایت جس کو امام احمد بن حنبل

۲۴۔ محمد حسین ہیکل، حیات محمد، ص ۲۲۸ و ۲۲۹۔
۲۵۔ محمد حسین ہیکل، حوالہ مذکورہ، ص ۲۲۹۔
۲۶۔ سرسید احمد خاں، خطبات الاحمدیہ، کراچی ۱۹۶۳، ص ۴۶۳ تا ۴۶۸۔
۲۷۔ ملاحظہ ہو، سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، ج ۳، ص ۲۴۴، اور شرح مواہب لدنیہ از محمد زرقانی۔

امام مسلم، ابن سعد اور ابونعیم نے نقل کیا ہے اور جو حماد بن سلمہ سے منقول ہے سب سے زیادہ مستند و معتبر ہے۔[۳۸]

(۲) معجزہ شق صدر کے متعلق دوسری قابل اعتبار اور مستند روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ معراج کے وقت رونما ہوا تھا۔ یہ روایت بھی حدیث و سیرت کی بہت سی کتابوں میں منقول ہے۔ مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی[۳۹] وغیرہ۔

اس تفصیل کے بعد یہ بات نہایت وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ شق صدر کا معجزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دو مرتبہ رونما ہوا تھا۔ پہلی مرتبہ بچپن میں' اس وقت آپؐ کے سینۂ مبارک سے شیطانی حصہ (مثلاً حسد، بغض، جلن وغیرہ) نکال باہر پھینکا گیا۔ دوسری مرتبہ معراج کی رات میں اس وقت آپؐ کے قلب کو علم و حکمت سے معمور کیا گیا اور سینۂ مبارک کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا۔

حضرت آمنہ کی وفات

اپنی عمر کے چھٹے سال[۴۱] میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رضاعی ماں حلیمہ کے پاس سے مکہ واپس تشریف لے آئے۔ حضرت آمنہ اپنے اکلوتے اور محبوب بیٹے کو پاکر بہت خوش ہوئیں اور ان کو لے کر (ایک روایت کے مطابق عبد المطلب بھی ساتھ تھے) آپؐ کے دادا عبد المطلب کے ننھیالی رشتہ داروں کو دکھانے کے لئے یثرب کے لئے روانہ ہوئیں۔ یثرب میں ان کو اپنے مرحوم شوہر عبداللہ کی قبر کی زیارت بھی کرنی تھی، جو وہاں مدفون تھے۔ ان لوگوں نے وہاں پر تقریباً ایک ماہ قیام کیا۔ اس دوران حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب (مدینہ) کے ایک تالاب میں تیرنا بھی سیکھا۔

---

۳۸ سید سلیمان ندوی، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۴۴۵۔

۳۹ سید سلیمان ندوی، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۴۴۸۔

۴۰ ایضاً۔

۴۱ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۶۸؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۱۶؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۶۵، ۱۶۶۔

جب بی بی آمنہ یثرب (مدینہ) سے واپس ہو رہی تھیں تو مکہ کے راستہ میں ایک مقام ابوا پر بیمار پڑیں اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ اس طرح یتیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب والدہ کے سایہ سے بھی محروم ہوگئے۔ آپؐ اپنی باندی اُمّ ایمن کے ہمراہ مکہ واپس تشریف لائے، اُمّ ایمن اس سفر میں آپؐ کی والدہ کے ساتھ تھیں۔

عبدالمطّلب کی کفالت میں

کم سن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا عبدالمطّلب کی سرپرستی میں آگئے انھوں نے آپؐ کو بہت ہی محبت و شفقت سے پالا، لیکن ان کی یہ سرپرستی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۸ سال[۴۲] کی تھی تو آپؐ کے دادا کی بھی وفات ہوگئی۔ اپنے انتقال کے وقت عبدالمطّلب نے اپنے صاحبزادے ابوطالب کو بلایا اور کم سن (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کی نگرانی میں دے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دادا سے بیحد محبت تھی، جب آپؐ کو ان کے انتقال کی اطلاع ملی تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

عبدالمطّلب کی وفات سے بنوہاشم کی بنوامیہ پر فوقیت ختم ہوگئی اب قریش کی سرداری (اور حکمرانی) بنوامیہ کے سردار حرب بن امیہ کے ہاتھ میں آگئی۔ صرف سقایہ کا منصب (جس کے تحت حاجیوں کے لئے پانی کا انتظام کرنا ہوتا تھا) ہی ایسا عہدہ تھا جو بنوہاشم کو دیا گیا اور عبدالمطّلب کے ایک صاحبزادے حضرت عباس کو اس منصب کے لئے منتخب کیا گیا۔

ابوطالب کی سرپرستی

عبدالمطّلب کے دس لڑکے تھے جن میں عبداللہ اور ابوطالب سگے بھائی تھے۔[۴۳] اس طرح ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا تھے۔ انھوں نے آپؐ کے ساتھ نہایت ہی شفقت

---

[۴۲] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۱۹؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۶۹؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۲۶؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۷۔

[۴۳] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۰۸؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ۲۲۹۔

ومہربانی کا برتاؤ کیا یہاں تک کہ آپؐ کو اپنے حقیقی بیٹوں سے بھی زیادہ محبت وپیار عطا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سلیقہ مند، لوگوں میں انتہائی محبوب اور خوش مزاج لڑکے تھے۔ آپؐ کی ان صفات کی بنا پر ابوطالب آپؐ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے یہاں تک کہ آپؐ کا کھانا پینا اور سونا بھی انہی کے ساتھ ہوتا۔ دوسرے بچوں کی طرح آپؐ ضدی اور ہٹ دھرم نہیں تھے کیسے ہی نامساعد حالات کیوں نہ ہوں آپؐ کبھی بھی حوصلہ پست نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع سے ہی خاموش طبع وسنجیدہ تھے۔ ان تمام صفات کی وجہ سے آپؐ نے سب لوگوں کا دل موہ لیا تھا۔ اپنی دلآویزی اور خوش مزاجی کی وجہ سے آپؐ سب کے منظور نظر بن گئے تھے۔

ابوطالب ایک مالدار شخص نہیں تھے اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بسا اوقات اپنے گذر اوقات کے لئے کام کرنا پڑتا تھا۔ عرب میں مالدار گھرانوں کے بچے بھی بکریوں اور بھیڑوں کے گلے کی نگرانی کرتے تھے۔ چونکہ یہی گلے ان کا سرمایہ ومال ومتاع تھے اس لئے اس کی نگرانی حقیر ومعیوب نہیں سمجھی جاتی تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بغیر کسی تامل کے اس کام میں ہاتھ بٹایا اور ہمیشہ اسے بحسن وخوبی انجام دیا۔ اپنی نبوت کے زمانہ میں ایک مرتبہ آپؐ چند صحابہؓ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے، صحابہ کرامؓ جھربیریوں سے بیر توڑ توڑ کر کھانے لگے آپؐ نے فرمایا "جو زیادہ سیاہ ہوں انھیں توڑو کیونکہ وہ زیادہ مزے دار ہوتے ہیں، یہ میرا اس زمانہ کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا۔"[۱۴۴] درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں پر بوجھ بننے کے بجائے اپنا کام خود کرنا زیادہ پسند فرماتے تھے۔ بچپن ہی سے آپؐ کی حساس طبیعت غریبوں اور پریشان حال لوگوں کی تکالیف ومصائب سے باخبر تھی۔

اس زمانہ میں عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہیں تھا، اور تجارتی ذہن رکھنے والے قریش اس کام کو ادنیٰ وحقیر سمجھتے تھے اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی رہ گئے لیکن بعد میں یہی یتیم اور اُمّی لڑکا علم وحکمت کا مخزن بنا۔ آپؐ نے اگرچہ کسی دنیوی استاد سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا لیکن پھر بھی تمام بنی نوع انسان کے معلم ورہنما بنے۔ یہ درحقیقت ایک بہت بڑا معجزہ تھا

۱۴۴؎ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۲۶۔

جس کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے ۔

"اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(قرآن کریم ۔ سورۂ اعراف آیت ۱۵۷ اور ۱۵۸)

ترجمہ :- "جو لوگ کہ ایسے رسول نبی اُمّی کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ ہے کہ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں ۔ اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں ۔ اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں سو جو لوگ اس نبی (موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں ۔ اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں ۔

" آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے ۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے ۔ سو (ایسے) اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے (ایسے) نبی اُمّی پر (بھی) جو کہ (خود) اللہ پر اور

اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور (نبی) کا اتباع کرو۔ تاکہ تم راہ (راست) پر آجاؤ۔"

شام کا سفر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً بارہ سال کی تھی (ابن اثیر اور ابن جریر کے نزدیک آپؐ کی عمر اس وقت ۹ سال کی تھی)[45] کہ ابو طالب نے تجارت کی غرض سے شام کا ارادہ کیا۔ لمبے سفر کی کلفتوں اور مشقتوں کی بنا پر ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے۔ اس لئے انھوں نے آپؐ کو مکہ ہی میں چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب سے اس قدر محبت تھی کہ آپؐ ان کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور ان کے ساتھ جانے پر مصر ہوئے۔ ابو طالب نے اپنے محبوب بھتیجے کی دل شکنی گوارہ نہیں کی اور اس سعید و مبارک بچے کو اپنے ساتھ لے لیا۔

بعض روایتوں کے مطابق اس سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بُصریٰ پہونچے تو ایک عیسائی راہب بحیرا سے ملاقات ہوئی۔ بحیرا آپؐ کو دیکھ کر پہچان گیا کہ آپؐ اللہ کے نبی ہیں۔ کیونکہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کارواں کے ساتھ پہاڑ سے اتر رہے تھے اس وقت بادل کا ایک ٹکڑا آپؐ پر سایہ کئے ہوئے تھا اور ایک درخت کی شاخیں آپؐ پر جھکی ہوئی تھیں[46]۔ بحیرا نے کارواں کو (جس کی قیادت ابو طالب کر رہے تھے) کھانے کی دعوت دی۔ دعوت کے بعد اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ کا بغور مشاہدہ کیا جہاں اسے گوشت کے ٹکڑے کی شکل میں فاختہ کے انڈے کی طرح ختم نبوت نظر آئی[47]۔ طبری کے بیان کے مطابق بحیرا نے آپؐ کو دیکھ کر یہ بھی کہا تھا کہ آپؐ رسول رب العالمین، رحمت

---

[45] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۸۰؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۳۷۔

[46] ابن جریر طبری، ج ۲، ص ۲۷۷؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۷؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۲۷۔

[47] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۸۱ و ۱۸۲؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۷۷؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۷۔

للعالمین اور سید العالمین ہیں۔[۴۸]

بعض محققین نے اس قسم کی احادیث کو، ان کے نزدیک، ان کی اسناد کے غیر مستند[۴۹] ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا ہے۔ اور اس طرح انھوں نے مغربی سیرت نگاروں کے ان الزامات تردید کی ہے جو کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے ہیں کہ آپؐ نے اپنے سفر میں اس راہب کے ذریعہ عیسائیت کی تعلیم حاصل کی، اور بعد میں اس کو اپنی تعلیمات کا جزو بنا کر پیش کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مغربی سیرت نگاروں کے یہ الزامات سراسر لغو اور جھوٹ ہیں اور حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کسی بھی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس سفر میں اس راہب سے کسی قسم کا سوال بھی کیا بلکہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس راہب نے آپؐ کو آخری رسول کی حیثیت سے پہچانا اور پھر دوسرے لوگوں کو اس کی اطلاع دی۔ کوئی بھی روایت ہمیں یہ نہیں بتاتی ہے کہ اس راہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی قسم کی کوئی تعلیم دی تھی۔ مزید برآں یہ یقین کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ ایک ۹ سالہ (وہ عمر جو کہ بعض مورخین نے اس موقع پر تحریر کی ہے) یا بارہ سالہ لڑکا صرف ایک ملاقات میں کسی مذہب کے فلسفہ کو سمجھ گیا ہو اور نہ صرف یہ بلکہ ۳۱ یا ۲۸ سال کے بعد اس کو اپنی تعلیمات کے ذریعہ ایک مختلف مذہب کی شکل میں پیش کیا ہو۔ ایسا خیال بھی کرنا مہمل اور بعید از قیاس ہے۔ در حقیقت مغربی سیرت نگاروں (مستشرقین) کا مقصد تاریخ اسلام میں ایسی بنیادوں پر شکوک و شبہات ذہنوں میں ڈالنا ہے جن کا خود ان کے نزدیک کوئی وزن نہیں ہے۔

پھر روایتوں کے مطابق بحیرا نے ابوطالب سے کہا کہ وہ آپؐ کو ملک شام نہ لے جائیں کیونکہ اس کو ڈر تھا کہ اگر یہودیوں نے آپؐ کو ایک پیغمبر کی حیثیت سے پہچان لیا تو وہ آپؐ کو ایذا پہنچانے کی کوشش کریں گے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے ہمراہ

---

[۴۸] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۸۰۲۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ۔

[۴۹] اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی تحریر کرتے ہیں: "یہ حدیث حسن و غریب ہے۔ ہم اس کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں"۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی میں اس پر جرح کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اس کی سند کا ایک راوی ضعیف ہے علامہ ابن قیم نے بھی اس حدیث کی سند کو ضعیف بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو زاد المعاد، ج ۱، ص ۱۸۰، نیز ملاحظہ ہو سیرۃ النبی از علامہ شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۱۸۰ و ۱۸۱۔

مکہ واپس تشریف لے آئے[۴۹]

حربِ فجار اور حِلفُ الفضُول

اسلام سے قبل عرب کے قبائل کی کوئی مرکزی تنظیم نہیں تھی معمولی سی اشتعال انگیزی سے بھی ان کی آپسی جنگ نسلاً درنسل جاری رہتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چودہ یا پندرہ برس کے ہوئے تو قبیلۂ قیس اور قریش کے درمیان عکاظ کے میلے میں ایک زبردست جنگ چھڑ گئی جو تاریخ میں حربِ فجار کے نام سے مشہور ہے۔ اس لڑائی کو فجار اس لئے کہتے ہیں کہ ایامِ حرام میں یعنی ان مہینوں میں پیش آئی تھی جن میں لڑنا ناجائز تھا۔[۵۰ الف] اس جنگ میں تمام قریشی افواج کا بشمول قبیلہ کنانہ سپہ سالارِ اعظم حرب بن امیہ تھا۔[۵۱] بنوہاشم کے قائد زبیر بن عبدالمطلب تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے چونکہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطری طور پر اس میں شرکت فرمائی۔ لیکن لڑائی میں آپ نے بالمشافہ و دو بدو کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ آپ صرف دشمن کی جانب سے پھینکے گئے تیروں کو اکٹھا کرتے[۵۲] اور اپنے چچا ابوطالب کو اٹھا کر دیتے تھے۔

مسلسل جنگ کی بنا پر ہزاروں جانیں ضائع ہو چکی تھیں اور کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو ان کی مدد کرتا۔ عرب میں زندگی غیر محفوظ ہو گئی تھی ظالم و جابر اشخاص کمزوروں اور غریبوں پر ظلم کرنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ بعض نرم دل انسانوں کو اس کا احساس ہوا اور انھوں نے ایک امن کمیٹی بنانے کی پرزور کوشش کی۔ جنگ فجار کے بعد زبیر بن عبدالمطلب نے ایک پرانے معاہدہ کی تجدید کرنے کی تجویز پیش کی جو حِلفُ الفضُول[۵۳] کے نام سے مشہور تھا۔ اور جو کہ دہن

---

۴۹ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۵۵؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۰۸؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۸۔

۵۰ الف علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکور، ج ۱، ص ۱۸۲۔

۵۱ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۸۶؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۸۲۔

۵۲ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۳۶۔

۵۳ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۲۸؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ (مطبوعہ دارالقلم بیروت)، ج ۱، ص ۱۴۰۔

غریبوں اور یتیموں کی حمایت و مدد کے لئے بنایا گیا تھا۔ چنانچہ بنو ہاشم زبیر بن عبد المطلب کی قیادت میں نیز بنو زہرہ و تیم قبیلے ایک معزز قریشی عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے۔ انھوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ وہ روئے زمین پر ہر قسم کے جور و ظلم کا خاتمہ کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ نے عہد نبوت میں فرمایا کہ "اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لئے کوئی بلائے تو میں تیار ہوں"۔[۵۴]

"امین و صادق"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی معاش کے سلسلہ میں کبھی کسی کے اوپر بوجھ نہیں بنے۔ بچپن میں آپ نے بھیڑ اور اونٹ کے ریوڑ کی نگہبانی کی اور جب جوان ہوئے تو تجارت شروع کردی جو عربوں کے نزدیک بہت ہی معزز پیشہ سمجھا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں کچھ تجربہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ہوگیا تھا جن کا ذریعہ معاش ایک عرصہ سے تجارت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی غیر معمولی دیانت داری و ایمانداری نیز حسن کارکردگی میں اس وقت کے تمام تاجروں کے برخلاف ایک مثالی شخصیت کے حامل تھے۔ آپ بہت سے محاسن و خوبیوں سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خوش اخلاق، مخلص اور شریف نوجوان تھے۔ سچائی کے ساتھ آپ کی بے مثال وابستگی اور اپنے معاملات میں مکمل دیانت داری نیز کاموں میں انتہائی عالی حوصلگی کی وجہ سے لوگوں میں آپ کا لقب "امین" و "صادق" پڑ گیا تھا۔[۵۵]

آپ اپنے وعدہ کے اس قدر پکے تھے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی عبد اللہ بن ابی الحمساءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (نبی ہونے سے قبل) کوئی چیز خریدی جس کی کچھ قیمت ادا کرنے

---

۵۴ ابن کثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۱۴۔

۵۵ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ (مطبوعہ قاہرہ)، ج ۱، ص ۱۹۸؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۹۰؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۵۶۔

سے باقی رہ گئی تھی۔ انھوں نے آپؐ سے وعدہ کیا کہ وہ باقی قیمت لے کر آپؐ کی جگہ پر (کچھ دیر میں) حاضر ہوں گے لیکن وہ اس وعدے کو بھول گئے۔ تیسرے دن ان کو یہ بات یاد آئی تو وہ باقی قیمت لے کر اس جگہ پہونچے جہاں کا وعدہ کیا تھا۔ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ بیٹھے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ ان پر برہم نہیں ہوئے۔ آپؐ نے صرف اتنا کہا: "تم نے مجھے بڑی مشقت میں مبتلا کیا۔ میں یہاں پر تین دن سے (اپنا وعدہ پورا کرنے) تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"[۵۶]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ چند اونٹ فروخت کئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ کو یاد آیا کہ ان میں سے ایک اونٹ لنگڑا تھا۔ یہ یاد آنا تھا کہ فوراً آپ گھوڑے پر سوار ہو کر اس آدمی کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ اسے پا لیا۔ آپؐ نے اس شخص کو لنگڑے اونٹ کی قیمت لوٹا دی اور اونٹ کو واپس لے لیا۔ ایمانداری اور حسن کارکردگی کی ایسی مثالیں سرزمین عرب میں اس وقت بالکل ناپید تھیں۔ اپنے اسی قابل تقلید و مثالی برتاؤ کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے بہت ہی معزز نوجوان تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تجارت تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک تجارت تھا۔ میں نے ہمیشہ آپؐ کو اپنے معاملات میں بہت زیادہ ایماندار پایا۔ آپؐ نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کوئی غلط بیان دیا۔"[۵۷]

اہل مکہ نے آپؐ کی ایمانداری اور حسن معاملات کی وجہ سے آپؐ پر ہمیشہ اعتبار و بھروسہ کیا اور اپنی امانتیں و مال وغیرہ آپؐ کے پاس بطور امانت رکھا۔ آپؐ نے بغرض تجارت شام، یمن اور دوسرے مقامات کا بھی سفر کیا۔

حضرت خدیجہؓ کے شریک تجارت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت عرب میں دور دور تک پھیل گئی۔ مکہ میں ایک مالدار و باعزت بیوہ خاتون، خدیجہ تھیں۔ آپؐ کی صداقت و دیانت کے بارے میں سن کر انھوں نے آپؐ

۵۶؎ مشکوۃ، باب الوعد، سنن ابو داؤد، کتاب الاداب، باب فی الوعد، ج ۲، ص ۳۲۷۔

۵۷؎ الاصابہ فی تمییز الصحابہؓ، ج ۵، ص ۲۵۳۔

کو اپنا شریک تجارت بنانے کی پیش کش کی[۵۸] اپنے چچا سے مشورہ کرنے کے بعد آپ حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر شام تشریف لے گئے۔ اپنی ایمانداری کی بدولت اس سفر میں آپ نے حضرت خدیجہ کی توقعات سے کہیں زیادہ منافع حاصل کیا۔ حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھا۔ واپسی پر اس نے حضرت خدیجہ سے آپ کی ایمانداری و دیانت کی بڑی تعریف کی، جس کی وجہ آپ کی حسن کارکردگی اور امانت داری نے ان کے دل میں گھر کر لیا۔

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سفر میں آپ کو ایک اور عیسائی راہب نسطورا ملا جس نے آپ کو نبی آخر الزماں کی حیثیت سے پہچان لیا[۵۹] اگرچہ یہ حدیث بہت زیادہ مستند نہیں ہے (جیسا کہ بحیرا راہب والی روایت کے سلسلہ میں لوگوں نے کہا ہے) تاہم اسی قسم کی دوسری روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام علامات جو آخری رسول کے بارے میں پچھلی آسمانی کتابوں میں ذکر کی گئی ہیں وہ سب کی سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہیں۔ بعد میں اہل کتاب کے علماء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد و دشمنی کی بناء پر ان میں سے بعض ایسی علامتوں میں تحریف کر دی جو آپ کے بارے میں ان کتابوں میں درج تھیں۔

شادی مبارک

حضرت خدیجہ ایک معزز بیوہ خاتون تھیں جن کی عمر ۴۰ سال کی تھی آپ کی دو مرتبہ شادی ہو چکی تھی اور دو لڑکوں اور ایک لڑکی کی ماں تھیں۔ قریش کے بہت سے سرداروں نے آپ سے شادی کرنے کی پیش کش کی تھی لیکن آپ نے ان کی اس پیش کش کو ہمیشہ ٹھکرا دیا تھا۔[۶۰] حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ کردار نے حضرت خدیجہ کو بہت متاثر کیا اور انھوں نے آپ سے شادی کرنے کا

---

۵۸ ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۸۸؛ ابن سعد حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۳۰۔

۵۹ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۸۸؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۵۶ اور ۱۳۰؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۷۱، طبری نے اس واقعہ کو مختصراً بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو: ج ۲، ص ۱۸۰؛ نیز الکامل فی التاریخ لابن اثیر، ج ۲، ص ۳۹۔

۶۰ ابن سعد حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۳۱؛ ابن اثیر حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۰؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۰۱۔

فیصلہ کیا۔ شام کے کامیاب تجارتی سفر سے واپسی کے تین مہینے بعد حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ سے شادی کرنے کا پیغام بھیجا[۱۱] حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت ۲۵ سال کی تھی اپنے چچا ابوطالب سے مشورہ کرنے کے بعد آپؐ نے عمر کے اس تفاوت کے باوجود یہ رشتہ قبول کر لیا۔ ابوطالب نے شادی کا انتظام کیا اور پانچ سو درہم مہر پر نکاح کیا۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہ نے اس مقدس ومحترم نوجوان کی شرافت، فطری قابلیت وذہانت اور اعلیٰ کردار کو پوری طرح پہچان لیا۔ اور آپؐ کے خالی اوقات کو بغیر کسی خلل وہرج کے پوری طرح آزادی سے گزارنے کا سامان مہیا کیا۔ وہ آپؐ کے لئے فکر وافسردگی کے لمحات میں تسکین کا ایک بڑا ذریعہ ثابت ہوئیں۔

حضرت خدیجہؓ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تجارت پوری طرح سپرد کر دی۔ آپؐ نے تجارت کے سلسلہ میں عرب کے متعدد مقامات، یمن وبحرین کا بھی سفر کیا۔ آپؐ نے بہت سے غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا جو اپنے مالکوں کے ظلم سے تنگ آچکے تھے، حضرت خدیجہؓ نے اپنے ایک غلام زید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا آپؐ نے ان کو آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا (متبنیٰ) بنا لیا۔ آپؐ غریبوں کی مدد کرتے تھے اور وہ مقروض لوگ جو اپنا قرضہ ادا نہیں کر سکتے ان کا قرضہ آپؐ اپنی طرف سے ادا کر دیا کرتے تھے۔

یہ مبارک جوڑا نہایت خوش وخرم اور مثالی ازدواجی زندگی گزار رہا تھا۔ ابراہیم کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام بچے حضرت خدیجہ سے ہی تھے۔ جہاں تک لڑکیوں کا سوال ہے سب علما کا اس پر اتفاق ہے کہ آپؐ کی چار لڑکیاں تھیں، لیکن آپؐ کے وہ لڑکے جو حضرت خدیجہ سے ہوئے تھے ان کی تعداد کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن القیم کی تحقیق کے مطابق آپؐ کے سب سے بڑے صاحبزادے کا نام قاسم تھا جس کی وجہ سے آپؐ کی کنیت ابوالقاسم ہوئی۔ دوسرے صاحبزادے کا نام عبداللہ تھا جو بعثت کے بعد پیدا ہوئے ہیں اس لئے ان کو "طیب وطاہر" بھی کہا جاتا

---

[۱۱] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۸۹؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۳۱ تا ۱۳۳؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۸۰؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۷۱۔

تھا۔[۱۱۱] ان دونوں صاحبزادوں کا انتقال بچپن میں ہی مکہ مکرمہ میں ہوگیا تھا۔ (نوٹ: - آپؐ کے ایک تیسرے صاحبزادے ابراہیم ہجرت کے بعد حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ جیسا کہ ہم آئندہ ذکر کریں گے ان کا انتقال بھی بچپن میں ہوگیا تھا۔) صاحبزادیوں میں سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ تھیں ان کے بعد بالترتیب حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن تھیں۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو

ایک سال مکہ کے اردگرد پہاڑیوں پر زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے ایک زبردست سیلاب آیا جس کی وجہ سے کعبہ کی عمارت کو کافی نقصان پہونچا کیونکہ کعبہ جو کہ مسجد حرام کے اندر بنا ہوا ہے مکہ کی اس وادی کے بیچ و بیچ تقریباً سب سے نچلے حصے میں واقع ہے جو کہ پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ قریش نے کعبہ کی عمارت کو از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ اتفاقاً مکہ کی بندرگاہ (جدہ) پر تاجروں کا ایک بحری جہاز ٹوٹ گیا تھا، اہل مکہ نے اس کے تختے خرید لئے اور اس پاک عمارت کو دوبارہ تعمیر کرنا شروع کیا۔ مختلف قبیلوں نے مل جل کر اس تعمیر میں حصہ لیا۔ جب کعبہ کی عمارت تقریباً مکمل ہو چکی تھی تو حجر اسود کو اس کی جگہ پر دوبارہ نصب کرنے کے سلسلہ میں جھگڑا کھڑا ہوگیا۔ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ اس مبارک پتھر کو نصب کرنے کا شرف اسی کو حاصل ہو۔ اس جھگڑے نے اتنا طول کھینچا کہ معاملے کو حل کرنے کے لئے تلواریں میان سے نکل آئیں۔ یہ دیکھ کر ایک بزرگ قریشی سردار ابوامیہ ابن مغیرہ نے یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح کو جو شخص مسجد حرام میں سب سے پہلے داخل ہو وہ یہ فیصلہ کرے کہ اس سلسلہ میں کیا کیا جائے۔ سب لوگ ان کی اس رائے پر متفق ہو گئے۔ اگلی صبح جو شخص سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہوئے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔[۱۱۲] آپؐ کو دیکھ کر سب ایک آواز

---

[۱۱۱] علامہ ابن قیم، زاد المعاد ج ۱، ص ۲۵، ۲۶، مزید ملاحظہ ہو: الروض الانف از امام عبد الرحمن سہیلی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، حکایات صحابہؓ، ص ۱۴۲۔

[۱۱۲] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۹۷؛ ابن سعد حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۱۴۶؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۹۰؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۵؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۳ ملے۔

سے چلائے۔ لو۔ امین آگئے، محمدؐ آگئے، ہم سب ان پر راضی ہیں۔ آپؐ نے ایک پرامن حل نکال لیا۔ اور فرمایا ایک چادر لاؤ اور اس کے بعد حجر اسود اس پر رکھدیا اور پھر ہر قبیلے کے سردار کو بلا کر کہا کہ وہ سب مل کر اس چادر کو اٹھائیں یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہونچ جائے جہاں حجر اسود نصب کرنا ہے۔ جب وہ چادر اس مقام تک پہونچ گئی تو پھر آپؐ نے اس مبارک پتھر کو اٹھا کر اس کی اصل جگہ پر نصب کر دیا۔ اکثر مورخین کے مطابق کعبہ کی تعمیر نو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے بعد ہوئی جبکہ آپؐ کی عمر تقریباً ۳۵ سال کی تھی۔[۶۳]

شرک سے نفرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن سے ہی شرک سے نفرت تھی۔ آپؐ نے کبھی کسی بُت یا مورتی کے سامنے کوئی قربانی یا نذر پیش نہیں کی۔[۶۴] بخاری کی ایک روایت کے مطابق ایک دفعہ قریش نے آپؐ کے سامنے کھانا لاکر رکھا، یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا آپؐ نے کھانا کھانے سے انکار کیا۔[۶۵] وحی آنے سے پہلے بھی آپؐ نے کبھی کسی بُت کی عبادت نہیں کی اور نہ کسی دوسرے جھوٹے خدا کے سامنے سر جھکایا۔

بچپن ہی سے رسول اللہ علیہ وسلم برائیوں اور گناہوں سے بچتے رہے آپؐ نے کبھی کسی ناشائستہ و نازیبا تفریحی پروگرام یا نوجوانوں کی کسی لطف اندوز مجلس میں شرکت نہیں کی۔ ایک یا دو موقعوں پر آپؐ نے کچھ تفریحی پروگراموں میں شرکت کا ارادہ کیا لیکن اللہ نے آپؐ کو ایسے نازیبا کام سے غیبی طور سے بچا لیا۔ جب آپؐ ایک نوجوان لڑکے تھے تو آپؐ کے کچھ دوستوں نے آپؐ کو گپ شپ اور رقص گوئی میں رات گزارنے کے لئے مدعو کیا لیکن آپؐ کو نیند آگئی اور جب آنکھ کھلی تو دن نکل چکا تھا جس کی وجہ سے آپؐ وہاں نہیں جاسکے۔ ایک مرتبہ کعبہ کی دیواروں کی مرمت کی جارہی تھی کچھ کم عمر بچوں نے اپنی لنگیاں کندھوں پر رکھ لیں جن پر پتھر رکھ کر وہ لا رہے تھے۔ آپؐ کے

---

۶۳ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۴۵؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۹۲؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۸۳؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۲؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۳۔

۶۴ علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۹۱۔ ۶۵ ایضاً

چچا ابوطالب (ابن خلدون کے مطابق عباس) نے آپؐ کو دوسرے بچوں کی طرح کرنے کی ہدایت دی لیکن آپؐ اس کم عمری میں بھی اتنے باحیا تھے کہ جب آپؐ نے اپنی لنگی اتاری تو آپؐ کو غش آ گیا اور گر پڑے[۶۴]

جب آپؐ بڑے ہوئے تو آپؐ کے دوست مکہ کے نیک اور شریف لوگ تھے جیسے ابوبکرؓ اور عثمانؓ[۶۵] وغیرہ اسی زمانے میں مکہ میں کچھ ایسے بھی لوگ تھے جو شرک کو ناپسند کرتے تھے اور صراط مستقیم کی تلاش میں تھے۔ ان لوگوں میں ورقہ ابن نوفل، عثمان ابن حویرث، عبیداللہ ابن جحش زید ابن عمرو ابن نوفل کے نام خاص طور پر لئے جاتے ہیں[۶۶] - ان لوگوں نے بت پرستی سے پوری طرح منہ موڑ لیا تھا۔ ورقہ ابن نوفل اور عثمان ابن حویرث عیسائی ہو گئے تھے۔ زید ابن عمرو کا ایک اللہ کی تلاش میں انتقال ہو گیا جب کہ باقی لوگ کسی نتیجہ پر نہیں پہونچ سکے۔

---

[۶۴] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۸۳؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۱۸۔
[۶۵] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۷۔
[۶۶] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۲۳۔

باب ۵

آغازِ وحی

اور مکہ مکرّمہ میں دعوت الی اللہ

غارِ حرا میں مراقبہ

روز بروز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلچسپی اپنی تجارت میں کم ہوتی گئی۔ مکہ کے قریب ایک پہاڑ میں حرا نام کا ایک مشہور غار تھا۔ آپؐ وہاں تشریف لے جاتے اور عرصہ تک وہاں قیام کر کے مراقبہ فرماتے ہیں[1] بسا اوقات آپ پورا مہینہ، خصوصاً ماہ رمضان المبارک، وہاں گزار دیتے۔ اس وقت آپؐ کی عبادت صرف یہ تھی کہ آپ اپنے حقیقی خالق اور زندگی کے پراسرار اور در بستہ رازوں کی حقیقت معلوم کرنے میں مستغرق رہتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے کا کچھ سامان بھی اپنے ساتھ لے جاتے جب وہ ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لاتے۔ آپؐ کو سچے خواب بھی نظر آنے لگے تھے۔ جو کچھ آپؐ خواب میں دیکھتے تھے بعینہٖ وہی پیش آتا تھا۔[2]

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی بت پرستی اور انسانیت سوز حرکتوں، نیز ان کے دیگر برے طور طریقوں سے پوری طرح الگ تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر کے چالیسویں سال میں تھے تو آپؐ نے اپنے غور و فکر و مراقبہ میں اضافہ کر دیا۔ لوگوں کی بت پرستی اور اخلاقی پستی کا آپؐ کے ذہن و دماغ پر بہت زیادہ اثر تھا، اور آپؐ صحیح راستہ کی تلاش میں تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] صحیح بخاری، باب بدء الوحی، ج ۱، ص ۲؛ ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۱۴۳، وغیرہ۔

[2] عبدالرحمٰن سہیلی، الروض الانف، ج ۱، ص ۱۵۳؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۹۴؛ صحیح بخاری، باب بدء الوحی، ج ۱، ص ۲؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۱، ص ۲۹۸۔



غار حرا، جہاں کہ پہلی وحی نازل ہوئی

قرآن کریم میں اس کا انکشاف کیا ہے :۔

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ○ (سورہ الضحیٰ[93])

ترجمہ :۔ " اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو (آپؐ کو شریعت کا) راستہ بتلا دیا۔" (سورۃ الضحیٰ[93]، آیت ۷)

وحیِ الٰہی کا ظہور

تقریباً سات سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سچے راستہ کی تلاش میں غار حرا میں جاتے رہے اس مدت کے دوران آخری چھ مہینے میں آپؐ کی آمد و رفت زیادہ ہو گئی تھی اور آپؐ مسلسل سچے اور پاکیزہ خواب دیکھنے لگے تھے۔

اب آپؐ کی عمر چالیس سال کی ہو گئی تھی۔ یہ عمر کی وہ منزل ہے جس میں انسان کی عقل و سمجھ پختہ ہو جاتی ہے، حیوانی جذبات ماند پڑ جاتے ہیں، آرزوؤں اور تمناؤں کی شدت میں کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اور روحانی قوتیں حیوانی جذبات پر غلبہ پانے لگتی ہیں۔

رمضان المبارک سنہ ۶۱۰ء[22] کا مہینہ تھا (محمد ابن سعد کے مطابق دوشنبہ کا دن اور سترہ تاریخ تھی)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں گہرے مراقبہ میں مشغول تھے کہ اچانک آپؐ نے جلیل القدر فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا، انھوں نے آپؐ کو حکم دیا : "پڑھو"[23] آپؐ "اُمّی" تھے یعنی آپؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ آپؐ سہم گئے اور فرمایا : "میں پڑھ نہیں سکتا" حضرت جبریل نے آپؐ کو زور سے دبایا یہاں تک کہ آپؐ کو شدید تکلیف محسوس ہوئی پھر آپؐ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھو، آپؐ نے پھر جواب دیا "میں پڑھ نہیں سکتا" فرشتے نے اسی طرح آپؐ کو تین بار دبایا اور آپؐ سے پڑھنے کو کہا، آپؐ نے ہر دفعہ یہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس کے بعد حضرت جبریل نے کہا[24]

---

[22] ابن سعد حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۹۴؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۹۸ و ۲۹۹۔

[23] صحیح بخاری، باب بدء الوحی، ج ۱، ص ۲ و ۳؛ ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۳۶؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۹۹؛ مزید ملاحظہ ہو: الدرر از ابن عبد البر، (ص ۳۳ و ۳۴)؛ الروض الانف از عبد الرحمٰن سہیلی (ج ۱) ص ۱۵۴؛ اور صحیح مسلم وغیرہ۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

(العلق ۹۶)

ترجمہ: "آپ پڑھئے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ، جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے۔ آپ پڑھئے۔ اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی ہے (جس نے) انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جنھیں وہ نہیں جانتا تھا۔" (سورۃ العلق آیت ۱ تا ۵)

اللہ کے آخری نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پہلی وحی تھی۔ حضرت جبریلؑ کا نظر آنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک انوکھا تجربہ تھا آپ اس حالت میں گھر لوٹے کہ کانپ رہے تھے اور اپنی بیوی حضرت خدیجہ سے کہا: "مجھے کمبل اڑھا دو"، "مجھے کمبل اڑھا دو"۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کمبل اڑھا دیا۔ یہاں تک کہ آپ کا ڈر جاتا رہا۔ پھر آپ نے حضرت خدیجہؓ سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو ان الفاظ میں تسلی دی: "خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، دوستوں کی مدد کرتے ہیں، ناتوانوں و کمزوروں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، برائیوں کو دفع کرتے ہیں مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں (لوگوں کی) مدد کرتے ہیں" ؎

پھر حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل یہودیوں اور عیسائیوں کی مذہبی کتابوں توریت اور انجیل کے عالم تھے۔ انجیل کا عبرانی زبان سے عربی میں ترجمہ کرتے تھے۔ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ کی کیفیت سنی تو کہا "اے میرے بھتیجے یہ وہی فرشتہ ہے جو اللہ نے حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ علیہما السلام پر نازل کیا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی" رسول اللہؐ یہ سن کر حیران رہ گئے آپ نے فرط استعجاب سے پوچھا کہ "کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟" ورقہ

؎ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۲۹؛ صحیح بخاری، باب بدء الوحی، ج ۱، ص ۳، مزید ملاحظہ ہو: الدرر از ابن عبدالبر (ص ۳۳)؛ اور صحیح مسلم۔

بن نوفل نے کہا ہاں جب بھی کوئی اللہ کی طرف سے ایسا پیغام لے کر آیا ہے جو آپؐ لے کر آئے ہیں تو اس کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا گیا ہے۔[6] پھر کچھ دنوں کے لئے وحی کا آنا بند ہو گیا اور اسی درمیان ورقہ بن نوفل کی وفات ہو گئی۔

ایک بیوی اپنے شوہر کی کمزوریوں اور بری عادتوں سے نیز اس کی خوبیوں سے پوری طرح واقف ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ کردار کے بارے میں حضرت خدیجہؓ کی یہ تصدیق آپؐ کے بلند اخلاق اور نمایاں صفات کا بہترین خاکہ پیش کرتی ہے۔ بلاشبہ آپؐ تمام انسانیت کے لئے ایک بہترین نمونہ تھے۔

پہلی وحی آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ڈر و خوف فطری تھا۔ نبوت کا منصب ایک بڑی ذمہ داری کا منصب ہے۔ اور نزول وحی کی کیفیت ایک مشقت ترین و جانگداز تجربہ تھا جس کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

"اور میں نے سخت سردی کی حالت میں آپؐ پر وحی اترتے دیکھی ہے۔ پھر جب وحی موقوف ہو جاتی تو آپؐ کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا"[7]

حضرت عائشہؓ اس وقت کا واقعہ بیان کرتی ہیں جب کہ نزول وحی کی کیفیت کا آپؐ کو پوری طرح تجربہ ہو چکا تھا۔ اس کی روشنی میں نزول وحی کے پہلے تجربہ کی شدت و سختی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد تقریباً چھ مہینے[8] تک وحی کا سلسلہ بند رہا۔ جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت روحانی تکلیف میں مبتلا رہے۔[9] پھر اچانک آپؐ کو دوبارہ وہی فرشتہ آسمان

---

[6] عبدالرحمٰن سہیلی، الروض الانف، ج ۱، ص ۱۵۶؛ صحیح بخاری، باب بدء الوحی، ج ۱، ص ۳؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۹۹؛ ابن عبدالبرؒ، الدرر، ص ۳۴ و ۳۵۔

[7] صحیح بخاری، باب بدء الوحی؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۹۸۔

[8] جہاں تک فترۃ الوحی کے زمانہ کا تعلق ہے اس کی مدت میں کافی اختلاف ہے۔ مختلف روایتوں میں یہ مدت بارہ دن ۱۵ دن، ۴۰ دن، ۴۰ دن یہاں تک کہ ڈھائی سال بھی بیان کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو الروض الانف از عبدالرحمٰن سہیلی، ج ۱، ص ۱۶۱ اور الدرر از ابن عبدالبر، ص ۳۵۔ عبداللہ ابن عباسؓ کے نزدیک یہ زمانہ چھ ماہ کا تھا جیسا کہ الروض الانف میں تحریر ہے (ج ۱، ص ۱۶۱)۔

[9] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۴۲؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۹۶؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۰۵ و صحیح بخاری، کتاب التعبیر (ج ۱، ص ۱۰۳۴)

و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا جو غار حرا میں آیا تھا۔ اس کو دیکھ کر آپؐ پھر خوف زدہ ہو گئے (لیکن پہلی مرتبہ کے مقابلے میں یہ خوف کچھ کم تھا) آپؐ وہاں سے گھبرائے ہوئے گھر آئے اور حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ "مجھے کمبل اُڑھا دو"۔ پھر آپؐ پر مندرجہ ذیل وحی نازل ہوئی۔[۱۰] اس کے بعد وحی کا سلسلہ بالکل جاری رہا اور لمبے عرصہ تک کبھی منقطع نہیں ہوا۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (سورۂ مدثرؐ)

ترجمہ: "اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو، اور (کافروں کو) ڈراؤ، اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کرو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور بتوں سے الگ رہو" (سورۂ مدثر آیت ۱ تا ۵)

ابن ہشام اور کچھ دیگر سیرت نگاروں کے مطابق اس موقعہ پر (زمانہ فترۃ الوحی کے بعد) سورۃ الضحیٰ نازل ہوئی۔[۱۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم کی تعمیل میں پوری جرأت و ہمت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے آپؐ نے لوگوں کو اللہ کے احکامات کی تبلیغ اور ان کو غلط راستے اور برائیوں سے روکا۔ اس طرح دعوت الی اللہ اور اخروی نجات کا یہ عظیم کام جو انسانیت کا نہایت اہم، معزز و معظم اور باعظمت کام ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کا انتہائی مشکل و دشوار کام تھا شروع ہو گیا جس کی ٹریننگ اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ۴۰ برس تک دی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب تمام لوگوں کے سامنے اس عظیم ہستی کی فوقیت اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کی بنا پر آشکارا ہو چکی تھی۔

---

۱۰ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۰۵ تا ۳۱۰؛ مزید ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، باب بدء الوحی، الدرر از ابن عبد البر، ص ۳۷، اور صحیح مسلم وغیرہ۔

۱۱ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۴۳؛ محمد حسین ہیکل، حیاۃ محمد، ص ۳۰۹؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۰۰؛ حالانکہ طبری کہتا ہے کہ اس موقع پر سورہ مدثر نازل ہوئی تھی لیکن پھر بھی انھوں نے سورۃ الضحیٰ کے متعلق بھی مختلف اقوال نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ کچھ حضرات کے نزدیک سورۂ علق کے بعد سورہ ضحیٰ نازل ہوئی تھی۔

اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ کے مبعوث کردہ نہ صرف ایک رسول و نبی تھے بلکہ آخری نبی و رسول تھے۔ وہ وحی جو آپؐ پر نازل ہوئی، اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید ہے۔ اور آپؐ کے اقوال بھی وحی کا ایک حصہ ہیں یعنی وحی خفی (یا وحی غیر متلو)۔ کیونکہ اللہ جل شانہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ (النجم ۵۳)

ترجمہ:۔ "اور آپؐ اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے ہیں۔ آپؐ کا ارشاد صرف وحی ہے جو آپؐ پر بھیجی جاتی ہے"۔ (سورۂ نجم آیت ۳ و ۴)[۵۵]

اس مقام پر یہ بات قابل غور ہے کہ رسول اور نبی میں فرق ہے رسول اور نبی دونوں ہی پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے لیکن رسول کو ایک نئی شریعت بھی عطا کی جاتی ہے جب کہ نبی اسی شریعت کی تبلیغ کرتا ہے جو کہ اس سے پہلے کسی رسول پر بذریعہ وحی نازل کی جا چکی ہو۔ اس لئے ایک رسول کا نبی ہونا ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر نبی رسول بھی ہو۔[۱۱۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی و رسول ہیں اور آپؐ کے بعد اب نہ تو کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول، ایسے تمام لوگ جنھوں نے آپؐ کے بعد نبوت یا رسالت کا دعویٰ کیا ہے یا آئندہ دعویٰ کریں دجال و کاذب ہوں گے، کیونکہ اب نبوت و رسالت کا دروازہ قیامت تک کے لئے بند ہو چکا ہے اس لئے تمام جھوٹے مدعیان نبوت جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت یا رسالت کا دعویٰ کیا ہے یا آئندہ ایسا دعویٰ کریں، یا اپنے اوپر وحی کے نزول کا دعویٰ کریں دائرۂ اسلام سے باہر تصور کئے جائیں گے۔

ابتدائی مسلمانوں میں سابقین اولین

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اب اپنے آپ کو سرزمین عرب کی سب سے خوش قسمت خاتون سمجھا، اور اپنے شوہر صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فوراً اقرار کر لیا۔ اس لئے یہ صدیقہ خاتون وہ سب سے

---

[۱۱۲] ابن منظور، لسان العرب (فصل النون، حرف الھمزہ)، ج ۱، ص ۱۶۳؛ مولانا محمد تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار، مطبوعہ رسالہ برہان (دہلی، مارچ ۱۹۶۷ء)، ج ۵۸، شمارہ ۳، ص ۱۳۹۔

پہلی ہستی تھیں جنھوں نے آنحضرتؐ کی نبوت کی تصدیق کی [۱۰۹] اور حق و باطل میں امتیاز کیا۔ وہ اپنے شوہر کے لئے ایک عظیم سرمایہ ثابت ہوئیں۔ اور ہر قسم کے حالات میں آپؐ کی معین و مددگار رہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے والے دوسرے شخص حضرت ابوبکرؓ تھے۔[۱۱۰] آپ مَردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے شخص ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت گہرے دوست تھے اور مکہ میں ایک باعزت شخصیت کے مالک تھے، جیسے ہی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں سنا وہ فوراً ایمان لے آئے کیونکہ ان کا اعتماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت زیادہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے والے سب سے پہلے نوعمر لڑکے آپؐ کے چچازاد بھائی حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ (نوٹ :۔ ابن ہشام کے مطابق حضرت علیؓ مردوں میں وہ پہلے شخص تھے جس نے اسلام قبول کیا۔[۱۱۱] طبری نے بھی ایسی بہت سی روایتیں بیان کی ہیں جن کے مطابق حضرت علیؓ مردوں میں وہ پہلے شخص تھے جس نے اسلام قبول کیا۔) اُس وقت آپؓ کی عمر صرف دس سال تھی۔[۱۱۲] حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اسلام قبول کرنے والے پہلے غلام ہیں۔[۱۱۳] اور ام ایمنؓ پہلی باندی ہیں جنھوں نے اللہ کی توحید کا اقرار کیا اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت سب سے پہلے اپنے گھر والوں، قریبی لوگوں اور دوستوں میں ہوئی۔ یہ آپؐ کی صداقت کا پہلا امتحان تھا جس میں آپؐ پورے اترے

---

[۱۰۹] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۰۰؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۵۱۔

[۱۱۰] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۱۷۱ و ۱۷۲؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۵۱؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۴ تا ۳۱۶۔ نوٹ :۔ اس نظریہ کی تائید کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا۔ حسان ابن ثابت اور ابراہیم نخعی کے اقوال سے بھی ہوتی ہے ملاحظہ ہو: الدّرر، (ص ۴۰) از ابن عبدالبر؛ صفات الصفوۃ (ج ۱، ص ۹۷) از ابن الجوزی، جیسا کہ الدّرر (ص ۴۰) کے حاشیہ میں حوالہ دیا گیا ہے۔

[۱۱۱] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۴۵۔

[۱۱۲] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۲ تا ۳۱۳؛ ابن سعد نے بھی اس سلسلہ میں ایک روایت نقل کی ہے (ج ۳، ص ۲۱)۔

[۱۱۳] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۶۔ نوٹ :۔ طبری نے اس سلسلہ میں کئی روایتیں نقل کی ہیں جن کے مطابق حضرت زیدؓ بن حارثہ مردوں میں وہ سب سے پہلے شخص ہیں جس نے اسلام قبول کیا۔

اسلام میں داخل ہونے والے پہلے پانچ حضرات وہی تھے جنھوں نے آپ کی عوامی اور ذاتی زندگی کا بغور مطالعہ کیا تھا اور وہ آپ کے کردار کے ہر پہلو سے واقف تھے۔ اس وجہ سے ان کو آپ پر کامل اعتماد و یقین تھا کہ آپ جیسا شریف اور ایماندار شخص لوگوں کو غلط راستے کی طرف نہیں لے جا سکتا۔ جب کسی نے حضرت ابوبکرؓ کو یہ اطلاع دی کہ تمہارا دوست محمدؐ نعوذ باللہ پاگل ہو گیا ہے۔ وہ بت پرستی کے علاوہ تبلیغ کر رہا ہے اور ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دے رہا ہے تو اس کو سنتے ہی انھوں نے جواب دیا کہ اگر آپ ایسا کہتے ہیں تو وہ (بات) یقیناً سچ ہے کیونکہ میں نے آپ کو اپنے قول میں کبھی غلط بیان نہیں پایا۔

شروع میں اسلام کی خفیہ طور پر تبلیغ کی گئی جس کے نتیجہ میں مندرجہ ذیل حضرات ایمان لائے ۔

عمار ابن یاسر، خبابؓ ابن ارت، عثمانؓ ابن عفان، عبدالرحمٰنؓ ابن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص، طلحہؓ، ارقمؓ، سعید ابن زید، عبداللہؓ ابن مسعود، عثمانؓ ابن مظعون، عبیدہؓ، صہیبؓ رومی رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ابتداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمان پوشیدہ طور پر نماز پڑھتے تھے۔ اسلام کا یہ خفیہ مشن تقریباً تین سال تک جاری رہا اور اس دوران چالیس آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ ابتدائی مسلمان غریب تھے اور ان میں سے ایک بڑی تعداد غلاموں کی تھی۔ اس طرح ابتدائی دور میں اسلام کی عمارت غریب کمزور اور ناتواں انسانوں کے کندھوں پر قائم ہوئی۔

نبوت کے تیسرے سال اللہ کا حکم آیا کہ اب علانیہ طور پر تبلیغ کی جائے۔[۱۸]

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (الحجر [۱۵])

ترجمہ :- غرض آپ کو جس بات کا حکم کیا گیا ہے اس کو صاف صاف سنا دیجئے اور ان مشرکین کی پرواہ نہ کیجئے۔ (سورہ حجر [۱۵]، آیت ۹۴)

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (الشعراء [۲۶])

ترجمہ :- اور آپ (سب سے پہلے) اپنے قریبی اقربا کو ڈرایئے۔ (سورہ شعراء [۲۶]، آیت ۲۱۴)

اس حکم کے آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے مشہور پہاڑ صفا[۱۹] پر چڑھے۔ آپ

۱۸؎ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۶۲؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۸۔

۱۹؎ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۰۰؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۹؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۹۔

نے قریش کو جمع کرنے کے لئے بلند آواز میں پکارا۔ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی شخص پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر آواز لگاتا تو سب پہاڑی کے دامن میں جمع ہو جاتے تھے۔ جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے اپنے خاندان کے لوگوں یعنی بنو عبد مناف کو قریب آنے کو کہا۔ پھر آپؐ نے خطاب کیا: اگر میں تم کو یہ اطلاع دوں کہ اس پہاڑی کی دوسری طرف سے دشمن کا ایک بڑا لشکر حملہ کرنے کے لئے آرہا ہے تو کیا تم سب یقین کروگے [۱۰] ان سب نے ایک آواز میں کہا بیشک ہم آپ کی بات پر یقین کریں گے کیونکہ ہم نے ہمیشہ آپ کو سچا پایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم تمام قریش میں مجھ سے زیادہ قریب ہو اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ ورنہ (بصورت دیگر) میں تمہاری مدد نہ دنیا میں کر سکتا ہوں اور نہ آخرت میں۔ اگر تم نے اس بات کو مان لیا (یعنی اللہ کی وحدانیت کو) تو میں اللہ کے سامنے تمہارے لئے شہادت دوں گا، اور تمام عرب وعجم تمہارے ماتحت ہوں گے لیکن اگر تم نے اللہ کے اس پیغام کو قبول نہیں کیا تو تم پر شدید عذاب نازل ہوگا۔ [۱۱] یہ سن کر وہ سب لوگ جو وہاں جمع ہوئے تھے سخت برہم ہوئے اور ان میں سے کچھ نے چلا کر کہا "تم (نعوذ باللہ) پاگل ہو گئے ہو"۔ ابو لہب (رسول اللہؐ کے ایک چچا) نے کہا: "اللہ تمہیں ہلاک کرے کیا تم نے اسی لئے ہمیں جمع کیا تھا"۔ اس کے بعد سارے لوگ چلے گئے اور جو کچھ ان سے کہا گیا تھا ان میں سے کسی نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ [۱۲]

قریش کی مخالفت اور اس کے وجوہات

کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کم سن چچازاد بھائی حضرت علیؓ کے

---

۱۰ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۹۔

۱۱ نوٹ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر قریش کو جو پیغام دیا تھا وہ مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ میں منقول ہے۔ ہم نے اس جگہ مندرجہ ذیل کتابوں کی مختلف روایتوں کی بنیاد پر یہ نقل کیا ہے: صحیح بخاری، کتاب التفسیر؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۹۹ تا ۲۰۱؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۱۸ تا ۳۲۰؛ شیخ محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہ، ج ۱، ص ۶۳ و ۶۴۔

۱۲ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۰۰؛ صحیح بخاری، کتاب التفسیر۔

ذریعے اپنے قریبی رشتے داروں کو ایک دعوت پر مدعو کیا، کھانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ نے مجھے اتنا عظیم دین عطا فرمایا ہے جو اس دنیا و آخرت دونوں جگہ تمہاری فلاح کی ضمانت دیتا ہے، میرے اس کام میں تم میں سے کون میری مدد کرے گا۔ یہ سننا تھا کہ سب پر خاموشی طاری ہوگئی۔ لیکن کم سن علیؓ کھڑے ہوئے اور کہا، اگرچہ میری آنکھیں دکھ رہی ہیں، میرے پاؤں کمزور ہیں اور میں ان تمام میں چھوٹا ہوں جو یہاں موجود ہیں، تب بھی اے اللہ کے رسولؐ میں آپ کا ساتھ دوں گا [۲۳] دس سالہ بچے کی یہ بات سن کر قریش کے سردار ہنسے مگر بعد میں تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت علیؓ اپنے قول میں سچے تھے۔

اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد تقریباً چالیس ہوگئی تھی۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور اعلان کیا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کو کعبہ اور قریش کی رسومات کی بے حرمتی سمجھا گیا، اور ایک زبردست ہنگامہ برپا ہوگیا۔ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا، ایک مسلمان حارثؓ ابن ابی ہالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لئے اپنے گھر سے نکلے مگر وہ شہید کر دیئے گئے۔ یہ تاریخ اسلام میں پہلی شہادت ہے [۲۴] اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے چند متبعین نے اس عظیم کام کو جاری رکھا، اور علانیہ طور پر تبلیغ کی کہ بت نہ تو کوئی نفع پہونچا سکتے ہیں اور نہ ہی ضرر، آپؐ نے لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنے اور برائی سے بچنے کی دعوت دی۔ آپؐ کی تعلیمات کفار کے رسم و رواج اور غلط طور طریقوں پر کاری ضرب تھیں۔ اور قریش نے ان کو اپنے نام نہاد مذہب اور آباؤ اجداد کے طریقوں کی زبردست تذلیل سمجھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی کامیابی قریش کو بالکل نہ بھائی اور انھوں نے نومسلموں کی ہمت پست کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تاکہ آپؐ کی مقبولیت کم ہو اور نیا مذہب نہ پھیل سکے، چونکہ اسلام کی

---

۲۳ ابن جریر طبری۔ حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۲۱۔

۲۴ علامہ شبلی نعمانی۔ حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۱۱؛ مزید ملاحظہ ہو: الاصابہ فی تمیز الصحابہ، تذکرہ حارثؓ ابن ابی ہالہ۔

ترقی میں ان کے سرداروں کو خود اپنے پاؤں تلے زمین کھسکتی نظر آئی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلام نے مساوات اور آزادیٔ خیال کی تعلیم دی تھی۔ سردارانِ قریش ان تعلیمات کے ساتھ کسی صورت میں مناہمت کرنے کو تیار نہیں تھے۔

قریش کی مخالفت کی سیاسی وجوہات

مذہبی اور معاشرتی وجوہات کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کے اس معاندانہ رویہ کے پس پشت کچھ سیاسی وجوہات بھی تھیں۔ فی الواقع قریش جزیرۃ العرب کا سب سے بااثر اور اہم قبیلہ تھا مسجد الحرام اور اللہ کے گھر کعبہ کی وجہ سے مکہ مکرمہ کو عرب کے تمام قبائل میں ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی اور قریش اللہ کے گھر کے معزز متولی سمجھے جاتے تھے۔ ایک نئے مذہب کو قبول کرنے کا مطلب ماضی کی تمام رسومات کو ختم کرنا تھا۔ جس کے نتیجہ میں ان کا وہ وقار و عظمت جو صدیوں سے چلا آرہا تھا باقی نہیں رہتا۔

مزید برآں قبیلہ قریش کا وہ خاندان، جس کے ایک فرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے یعنی بنو ہاشم، عبدالمطلب کی وفات کے بعد قریش کے اندر اپنا وہ اثر و رسوخ کھو چکا تھا جو اس کو حاصل تھا۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا اور یہ بتایا کہ آپ پر اللہ کی طرف سے وحی آئی ہے اس وقت قریش کا ایک دوسرا خاندان بنو امیہ مکہ مکرمہ پر حکمرانی کر رہا تھا۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں ایک طویل مدت سے دشمنی چلی آرہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو قبول کر لینے کا مطلب بنو ہاشم کی فوقیت اور بنو امیہ کا زوال تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی قریش کے ان خاندانوں نے بھی مخالفت کی جو اس وقت مکہ مکرمہ میں مختلف عہدوں پر فائز تھے۔ کیونکہ ان کو بھی آپ کی کامیابی میں اپنا زوال نظر آرہا تھا۔ اس سلسلہ میں ابوجہل جو ولید بن مغیرہ (قریش کا ایک سردار) کا بھتیجا تھا اور جس کا تعلق بنو مخزوم سے تھا، کے الفاظ بھی ایک بین ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اخنس بن شریق نے اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے یہ جواب دیا۔ کہ ہم (بنو مخزوم) اور بنو عبد مناف (یعنی بنو ہاشم) ایک لمبے عرصے سے ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ جب انھوں نے بڑی بڑی دعوتیں کیں تو ہم نے

بھی کیں۔ جب انھوں نے قتال کیا تو ہم نے بھی کیا۔ جب انھوں نے سخاوت کی تو ہم ان سے بڑھ کر سخی ثابت ہوئے۔ غرضیکہ ہم کسی بھی حالت میں ان سے پیچھے نہیں رہے۔ اب جبکہ بنو ہاشم کے ایک فرد نے اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر خدا کی جانب سے وحی کا نزول ہوتا ہے۔ تو اس معاملہ میں ہم اس کا جواب نہیں پیش کر سکتے۔ خدا کی قسم ہم اس کی نبوت پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔[۲۵]

قریش کے درمیان مختلف عہدوں کی تقسیم[۲۶]

عہدہ (منصب) کا نام و تفصیل	عہدیدار کا نام	قبیلہ یا خاندان جس سے عہدیدار کا تعلق تھا
۱۔ عُقاب (یعنی علم برداری)	ابوسفیان بن حرب	بنو اُمیہ
۲۔ جنگ کی صورت میں سپہ سالاری	عتبہ بن ربیعہ	بنو اُمیہ
۳۔ سقایہ (یعنی حجاج کو پانی پلانے کا انتظام)	عباس بن عبدالمطلب	بنو ہاشم
۴۔ رفادہ (یعنی حجاج کی خبر گیری اور عمومی انتظام)	حرث بن عامر	بنو نوفل
۵۔ شوریٰ (یعنی مشورہ)	یزید بن ربیعۃ الاسود	بنو اسد
۶۔ دیات (خون بہا کا فیصلہ کرنا)	ابوبکر	بنو تیم
۷۔ قُبّہ (جنگ کے دوران خیمہ و چراگاہ کا انتظام اور سواروں کی افسری)	ولید بن مغیرہ	بنو مخزوم
۸۔ سفارۃ (یعنی سفیر بن کر جانا)	عمر بن الخطّاب	بنو عدی

۲۵۔ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۱۶۔

۲۶۔ علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ص ۱۸۱ تا ۱۸۲، مزید ملاحظہ ہو: محمد الخضری (ج ۲، ص ۳۱) [illegible]۔

۹۔ حجابہ (کعبہ کی کلید برداری اور تولیت) عثمان بن طلحہ

اس وقت قریش کے مندرجہ ذیل سردار تھے ۔

۱ ۔ ولید ابن مغیرہ ۔ یہ قریش کا سب سے بڑا سردار (حکمراں) سمجھا جاتا تھا۔

۲ ۔ ابوسفیان ابن حرب ۔ (اس کا باپ حرب عبد المطلب کی وفات کے بعد قریش کا سب سے بڑا سردار یعنی حکمراں بنا تھا۔)

۳۔ عتبہ ابن ربیعہ ۔

۴ ۔ عاص ابن وائل ۔

۵ ۔ ابوجہل (ولید ابن مغیرہ کا بھتیجہ)

۶ ۔ ابولہب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا چچا)

۷۔ اُبیّ ابن خلف

۸۔ نضر ابن حرث

۹۔ اخنس ابن شریق

۱۰۔ حرث ابن عامر

۱۱۔ اسود ابن عبد یغوث

۱۲ ۔ عتبہ ابن ابی معیط

مذکورہ بالا سب کے سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش تھے کیونکہ رسول اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ مرتبہ کو قبول کرنے میں ان کو خود اپنی طاقت کا زوال نظر آتا تھا۔ یہ سب کے سب لوگ کافی مالدار تھے۔ اور ان میں سے زیادہ تر کے کئی کئی لڑکے تھے جو اس زمانہ میں عرب کے اندر بڑی عزت کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مذکورہ بالا دنیاوی منصبوں میں سے کوئی بھی منصب نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے کفار مکہ آپ کی عظمت کو تسلیم کرنے میں کافی ہچکچاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ وحی دنیوی اعتبار سے کسی اعلیٰ منصب والے

شخص پر نازل ہونی چاہیے تھی۔ قرآن کریم میں اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل الفاظ میں ان کے اعتراض کو نقل کیا گیا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۝
(الزخرف ۲۳)

ترجمہ:۔ اور وہ (یعنی کفار مکہ) کہتے ہیں کہ یہ قرآن (یعنی وحی الٰہی) ان دو بستیوں (مکہ اور طائف کے رہنے والوں) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ (سورہ زخرف ۲۳، آیت ۳۱)

جوزف ہیل اس سلسلہ میں کہتا ہے۔

"مکہ کے حکمراں خاندانوں نے اسلام کی نئی تعلیمات کی اتنی زیادہ مخالفت نہیں کی تھی جتنی کہ ان معاشرتی و سیاسی انقلابات کی کی تھی جو ان تعلیمات کے ذریعہ سے ہونے والے تھے[۲۲]"

اس طرح اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت میں قریش اپنی ہلاکت و بربادی دیکھ رہے تھے یہی وجہ تھی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

دعوت الی اللہ تمام دنیوی نعمتوں سے بیش قیمت ہے:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی طرف لوگوں کو دعوت دینا جاری رکھا اور قریش کے سرداروں کی دھمکیوں اور ترش رویوں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ بہت سے نیک لوگوں نے ایمان کو قبول کیا اور اس سلسلہ میں مشقتیں برداشت کیں۔ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مٹھی بھر صحابہؓ پر ظلم و ستم ڈھانے کے ہر ممکن طریقے اختیار کئے۔ انھوں نے آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے، کوڑا کرکٹ ڈالا، اور جب آپ نماز پڑھتے تو وہ آپ کا تمسخر اڑاتے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے آپ کے متعلق یہ افواہیں بھی اڑائیں کہ آپ نعوذ باللہ ایک مجنون یا کاہن یا

---

۲۲ جیسا کہ پروفیسر کے۔ علی K.Ali نے اپنی کتاب A Study of Islamic History میں نقل کیا ہے۔

شاعر ہیں حالانکہ آپ کو ہر طرح سے تنگ کیا گیا اور اذیتیں پہونچائی گئیں لیکن آپ اللہ کے راستہ میں ایک چٹان کی طرح ثابت قدم رہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تبلیغ سے نہیں رکے تو مکہ کے سرداروں نے یہ طے کیا کہ آپ کو حق بات سے روکنے کے لئے آپ کے چچا سے ملا جائے۔ چنانچہ ان کے نمائندوں کا ایک وفد ابوطالب سے ملا۔ اور ان کو خبردار کیا کہ یا تو وہ اپنے بھتیجے کو اس کام سے روک دیں ورنہ وہ خود بھی اس کے نتائج بھگتنے کو تیار رہیں۔ مکہ کے سرداروں کی متحدہ طاقت دیکھ کر ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہ ان کے راستے میں مشکلات کھڑی نہ کریں۔ مگر آپ کو اللہ تعالیٰ پر پورا یقین تھا اور اس سلسلہ میں کسی کی مدد کی پرواہ نہیں تھی۔ آپ نے کہا "چچا جان میں اس کام سے کبھی نہیں رکوں گا اور راہ حق کی تبلیغ کبھی نہیں چھوڑوں گا اگرچہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند ہی کیوں نہ رکھ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ یا تو مجھے اس کام میں کامیابی عطا کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا۔"[۳۱] یہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسو سے بھر گئیں، آپ کے ان الفاظ اور آپ کے آنسوؤں سے ابوطالب کے محبت کے جذبات بھڑک اٹھے۔ انھوں نے آپ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا، "میرے پیارے بھتیجے جاؤ اور جو کچھ تم چاہتے ہو کہو (یعنی تبلیغ کرو) اب کوئی شخص تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔"

اپنے وفد کی ناکامی دیکھ کر قریش نے ایک نئی چال چلی۔ انھوں نے عرب کے مشہور مدبر عتبہ ابن ربیعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قابو میں کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے آپ سے کہا۔

"محمد اس سرزمین کے لوگوں میں تفرقہ مت ڈالو۔ قریش کو اپنے پرانے رسم ورواج پر چلنے دو۔ اور اس کے بدلے میں جو تمہاری طبیعت چاہتی ہے لے لو۔ اگر تم مال و دولت چاہتے ہو تو جس قدر چاہو لے سکتے ہو۔ اگر ایک خوبصورت بیوی چاہتے ہو تو عرب کی سب سے خوبصورت لڑکی کو پسند کر لو۔ اگر حکمرانی چاہتے ہو تو ہم تم کو

---

[۳۱] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۴۰؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۲۴؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۹۰، (نوٹ: ۔ طبرانی، بیہقی اور امام بخاری نے "تاریخ" میں بھی اسی قسم کی روایات نقل کی ہیں۔ ملاحظہ ہو: حیاۃ الصحابہؓ از شیخ محمد یوسف الکاندھلوی، ج ۱، ص ۲۴۳ و ۲۴۴۔)

اپنا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں۔ لیکن اپنی باتوں سے باز آجاؤ پھر جو کچھ چاہتے ہوئے سکتے ہو۔[۱۹]

اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی چند آیات تلاوت کیں جن میں کی ایک آیت یہ ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ○ (حٰمٓ سجدہ[۱۱])

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو اس (معبود برحق) کی طرف سیدھے ہو جاؤ اور اسی سے معافی مانگو، اور مشرکین کے لئے بڑی خرابی ہے۔ (حٰمٓ سجدہ، آیت ۶)

جب عتبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنا، تو بہت متاثر ہوا، اور واپس جا کر قریش سے کہا "خدا کی قسم یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہو سکتا۔ ان کو ان کی راہ پر چھوڑ دو، اگر وہ کامیاب ہوتے ہیں تو تمہارے لئے باعثِ عزت و وقار بنیں گے ورنہ ان کی ناکامی خود ان کو اپنے کام سے روک دے گی"۔ مگر قریش نے اس کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔

جب قریش کے سرداروں کو پوری طرح ناکامی ہوئی تو انھوں نے مسلمانوں کو ایذا پہونچانے میں اپنی کوششیں دوگنی کر دیں۔ وہ غلام جو مسلمان ہو گئے تھے ان کی ایذا رسانی کا بدترین نشانہ تھے۔ ان کے آقا ان کو بری طرح مارتے پیٹتے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے ان میں سے کچھ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ بااثر مسلمان بھی ان کی اذیتوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہر طرح کی اذیت و تکلیف پہونچائی گئی۔ آپؐ کو پتھروں سے مارا گیا، اور اوباش لڑکوں کو آپؐ کا تمسخر اڑانے کے لئے آپؐ کے پیچھے لگا دیا گیا۔ ابوجہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا۔ ایک دفعہ مسجد حرام میں جب آپؐ نماز میں سجدہ کی حالت میں تھے تو اس نے اونٹ کی اوجھڑی آپؐ کی گردن مبارک پر رکھ دی تاکہ آپؐ سجدہ سے گردن نہ اٹھا سکیں۔ عقبہ ابن ابی معیط

---

[۱۹] ابن ہشام بحوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۹۳، ۲۹۴؛ محمد حسین ہیکل حوالہ مذکورہ، ص ۱۴۳ و ۱۴۴۔

نے ایک بار آپ کی گردن میں اپنی چادر ڈال کر کھینچا اور گرانے کی کوشش کی۔ ابوجہل، ابولہب، ولید ابن مغیرہ، امیہ ابن خلف اور عاص ابن وائل خاص طور سے مسلمانوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہونچانے اور تکلیف دینے میں پیش پیش تھے[۳۰]

ابتدائی مسلمانوں کی ایذا رسانی میں قریش کی سنگدلی و بے رحمی

مسلمانوں کے ساتھ کفار کا غیر انسانی سلوک اور ظلم و تعدی برابر بڑھتا رہا[۳۱] قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو کچلنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ابوبکرؓ، عثمانؓ اور زبیرؓ جیسے معزز و با اثر حضرات کو بھی نہیں بخشا گیا۔ کچھ غریب مسلمانوں کو پکڑ لیا جاتا اور دوپہر کی سخت گرمی میں مکہ کی تپتی ہوئی زمین پر زبردستی لٹایا جاتا۔ حضرت بلالؓ حبشی مکہ میں ایک کافر کے غلام تھے ان کو دوپہر کے وقت جلتی ہوئی ریت پر لٹا دیا جاتا اور سینہ پر ایک بڑا پتھر رکھ دیا جاتا تاکہ وہ ہل نہ سکیں۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ سے یہ کہا جاتا کہ اسلام چھوڑ دو۔ لیکن اس سخت اذیت و تکلیف کے باوجود بھی وہ "اُحد" "اُحد" کہتے رہتے۔ بعد میں ابوبکرؓ نے ان تکالیف کو دیکھ کر ان کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ کچھ اور مسلمان جن کو سخت ترین جسمانی اذیتیں پہونچائی گئی تھیں یہ ہیں۔ حضرت سمیہ، حضرت خباب، حضرت عمار ابن یاسر، حضرت صہیب رومی، ابوفکیہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ایک دن حضرت خبابؓ کو جلتے ہوئے انگاروں پر چت لٹا دیا گیا اور اس وقت تک نہیں اٹھایا گیا جب تک کہ ان کی کمر کی چربی کے پگھلنے سے وہ انگارے بجھ نہ گئے۔

حبشہ کی جانب پہلی ہجرت

جب قریش نے اسلام قبول کرنے والے لوگوں کی زندگی اجیرن کر دی اور مکہ میں ان کا رہنا

۳۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۷۰ تا ۷۶؛ شیخ محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہ، ج ۱، ص ۲۴۲ تا ۲۸۶۔

۳۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ابن ہشام حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۱۷ تا ۳۲۱؛ ابن سعد حوالہ مذکورہ ج ۱ ص ۲۰۲، اور ج ۳، (طبقات البدریین)؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۶ تا ۷۰؛ شیخ محمد یوسف کاندھلوی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۵۹ تا ۲۸۶۔

دو بھر ہو گیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے بحر احمر کے دوسری جانب واقع ایک قریبی ملک حبشہ چلے جانے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے ان کو ہجرت کی اجازت مرحمت فرمادی، نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں پندرہ مسلمانوں پر مشتمل (جن میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں) ایک چھوٹا سا قافلہ حبشہ کے لئے روانہ ہوا۔ ان حضرات کے نام مندرجہ ذیل ہیں[٢٢]

(١) حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی اہلیہ حضرت رقیہؓ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی۔

(٢) حضرت ابو حذیفہ ابن عتبہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی سہلہؓ۔

(٣) حضرت زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

(٤) حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ۔

(٥) حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ۔

(٦) حضرت ابو سلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ ام سلمہؓ۔

(٧) حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ۔

(٨) حضرت عامر ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ حضرت لیلیٰؓ بنت حثمہ

(٩) حضرت ابو سبرۃ ابن ابی رُہم رضی اللہ عنہ۔

(١٠) حضرت حاطب ابن عمرو رضی اللہ عنہ۔

(١١) حضرت سہیل ابن بیضاء رضی اللہ عنہ۔

ابن سعد اور بعض دوسرے مورخین کے مطابق حضرت عبداللہؓ ابن مسعود بھی حبشہ کی ہجرت کرنے والے اس پہلے گروہ میں شامل تھے[٢٣] اس طرح اس پہلے گروہ کے مہاجرین کی کل تعداد سولہ ہو جاتی ہے[٢٤]، جن میں مردوں کی تعداد بارہ تھی، بعد میں حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی اپنی

---

[٢٢] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ١، ص ٢٠٤؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ٢، ص ٧٦؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ١، ص ٣٢١ تا ٣٢٣؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ٢، ص ٣٢٩۔

[٢٣] ابن سعد، حوالہ مذکورہ ج ١، ص ٢٠٤؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ٢، ص ١٩۔

[٢٤] زیادہ تر مورخین حبشہ ہجرت کرنے والے پہلے گروہ میں ١٢ مرد اور چار عورتیں بتاتے ہیں: ملاحظہ ہو: شرح مواہب اللدنیہ (ج ١، ص ٣٣٦) از محمد زرقانی، اور حاشیہ بر "الدرر"، ص ٥٠۔

اہلیہ کے ساتھ ان لوگوں سے جا ملے۔ ان کے بعد کچھ اور لوگ[45] بھی ہجرت کر گئے۔ اس دوسرے گروہ کی تعداد، جو ہجرت کرکے حبشہ گیا تھا[46] ۸۰ بتلائی جاتی ہے۔ کچھ دوسرے مورخین کے بیان کے مطابق مہاجرین کی کل تعداد ۸۲ تھی[47]

حبشہ کے بادشاہ نے مہاجرین کا بڑی گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔ قریش کو اس خبر سے ایک جھٹکا سا لگا۔ اور ان کے اندر غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انھوں نے اپنے دو سفیروں کو (عمرو ابن العاص اور عبداللہ ابن ابی ربیعہ[48]) حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا جنھوں نے اُس سے مسلمانوں کو ان کے وطن واپس بھیجنے کی درخواست کی۔ لیکن بادشاہ مسلمانوں کی مرضی بھی معلوم کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے مسلمانوں کو بلوایا۔ مسلمانوں نے حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی) کو اپنا نمائندہ بنایا[49] انھوں نے کہا:۔

"اے بادشاہ ہماری قوم کی حالت یہ تھی کہ ہم بدکار و جاہل لوگ تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے، برائیاں کرتے، رشتے داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے، ہم میں سے قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا۔ (یعنی ضعیف پر غالب ہو جاتا تھا) جب ہم اس حالت میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان ہم میں سے ہی ایک شخص کو نبی بنا کر بھیجا، جس کے نسب و سچائی، امانت اور پاکدامنی کو ہم سب جانتے ہیں۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی کہ ہم اس کو یکتا مانیں اور اسی کی عبادت کریں، ہم

---

[45] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۲۲۔

[46] ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۸۰، مزید ملاحظہ ہو: مسند احمد، فتح الباری، البدایہ، طبرانی؛ جیسا کہ شیخ محمد یوسف کاندھلوی نے اپنی کتاب حیاۃ الصحابہؓ میں نقل کیا ہے۔ ج ۱، ص ۳۲۷ و ۳۲۸۔

[47] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۳۰؛ ابن اثیر نے یہ تعداد ۸۳ لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو: الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۸۷۔

[48] محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۲۲۷؛ عبدالرحمن سہیلی، الروض الانف، ج ۱، ص ۲۱۱؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۳۶؛ شیخ محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہ، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۳۲، ابن اثیر کے مطابق دوسرا نام عبداللہ ابن ابی ربیعہ کی جگہ عبداللہ ابن ابی امیہ ہے۔ ملاحظہ ہو: الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۷۹۔

[49] عبدالرحمن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۱۲؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۸۰ و ۸۱؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۳۶، مزید ملاحظہ ہو: مسند احمد اور بیہقی جیسا کہ شیخ محمد یوسف کاندھلوی نے حیاۃ الصحابہؓ میں نقل کیا ہے: ج ۱، ص ۳۳۴ و ۳۳۵۔

اور ہمارے بزرگوں سے اُسے چھوڑ کر پتھروں اور بتوں کی جو پوجا اختیار کر رکھی تھی اسے ترک کر دیں۔ اس رسولؐ نے ہمیں سچی بات کہنے، امانت ادا کرنے، رشتہ داروں سے تعلقات قائم رکھنے، پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے، حرام باتوں اور قتل و خونریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اور ہمیں برائیاں کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے، اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، نماز پڑھیں، زکاۃ ادا کریں اور روزہ رکھیں، پس ہم نے اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے اور وہ جو کچھ اللہ کی جانب سے لایا ہم نے اس کی پیروی کی، اس نے ہمیں اللہ کی وحی (یعنی) قرآن بھی سکھایا، جب ہم اس نبیؐ پر ایمان لائے اور اس کی عمدہ تعلیمات پر عمل کرنا شروع کیا تو ہماری قوم نے ہم پر ظلم و زیادتی کی اور انھوں نے ہمیں اذیتیں پہونچائیں۔ اور دین کے متعلق مصیبتوں میں مبتلا کیا تاکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پھیر کر بتوں کی پوجا کی جانب لوٹا دیں۔ اور ہم ان تمام بری چیزوں کو پھر حلال سمجھنے لگیں جنھیں ہم پہلے حلال سمجھتے تھے۔ جب ان لوگوں نے ہمیں مجبور کیا، ہمارے اوپر ظلم ڈھائے، ہمارے لئے زندگی کا میدان تنگ کیا، اور دین کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنے لگے تو ہم آپ کے ملک کی جانب اپنے نبیؐ کی اجازت سے نکل آئے۔"

بادشاہ نے حضرت جعفرؓ سے قرآن کریم کا کچھ حصہ سنانے کو کہا آپ نے اُسے سورہ مریم کی ابتدا[ئی] آیتیں پڑھکر سنائیں، جس میں حضرت عیسیٰؑ کی معجزانہ پیدائش کا ذکر ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت بادشا[ہ] کے دل کی گہرائی تک پہونچ گئی۔ وہ اور بعض عیسائی پادری جو وہاں موجود تھے رونے لگے اور ا[ن] کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ بادشاہ نے کہا

"خدا کی قسم یہ کلام اور بائبل کا کلام ایک ہی روشنی کی مختلف شعاعیں ہیں"۔

اس کے بعد اس نے قریش کے سفیروں سے کہا، کہ وہ ان پناہ گزینوں کو ہرگز ان کے حوا[لے] نہیں کرے گا۔

شاہ حبشہ نجاشی اور جعفرؓ ابن ابی طالب کے درمیان مذکورہ بالا مکالمہ شاید شہ[...] ہوا

میں ہوا تھا۔ مہاجرین حبشہ کا وہ پہلا گروہ جس میں بارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں اس میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شامل نہیں تھے۔ اس لئے یہ کہنا درست ہوگا کہ حضرت جعفر ابن ابی طالب مہاجرین حبشہ کے دوسرے گروہ میں شامل تھے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ میں حبشہ کی پہلی ہجرت کے دوران مہاجرین کے دو گروہوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اُن کا خیال یہ ہے کہ اُس افواہ سے قبل جس کے نتیجہ میں حبشہ کو پہلی ہجرت کرنے والے حضرات مکہ مکرمہ واپس لوٹ آئے تھے مہاجرین حبشہ کی کل تعداد ۸۳ تھی۔[۴۰] ابن ہشام نے بھی لکھا ہے کہ پہلے گروہ کے ہجرت کرنے کے بعد حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب بھی مہاجرین کے ساتھ جا ملے۔ اور ان کے بعد بہت سے اور مسلمان بھی ہجرت کرکے حبشہ گئے۔[۴۱] اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حبشہ کو "پہلی ہجرت" کئی گروہوں میں ہوئی تھی۔ ابن ہشام نے ان تمام لوگوں کے بالتفصیل نام دیئے ہیں جو "پہلی ہجرت" کے موقع پر حبشہ گئے تھے۔[۴۲]

مہاجرین کی حبشہ سے واپسی

اس دوران جب کہ مسلمان مہاجرین حبشہ میں تھے کسی نے ان کو یہ غلط اطلاع دی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے اس خبر کو سنتے ہی تقریباً ۳۳ مہاجرین مکہ مکرمہ واپس آگئے[۴۳] لیکن جب وہ مکہ پہونچے تو اس افواہ کا جھوٹ ان پر کھل گیا۔ بہرحال ان میں سے کچھ مکہ مکرمہ رکے رہے اور باقی پھر حبشہ چلے گئے (یہ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کہی جاتی ہے) یہ لوگ پھر وہاں اس وقت تک رکے رہے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت نہ کرلی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد یہ لوگ آپؐ سے مدینہ منورہ میں جا کر مل گئے۔

وہ واقعہ جس کی وجہ سے قریش کے قبول اسلام کی افواہ پھیلی مورخین کے یہاں واقعہ غرانیق کے

---

[۴۰] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۲۳۰۔
[۴۱] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۲۳۔
[۴۲] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۲۲ تا ۳۳۰۔
[۴۳] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۶۹۔

نام سے مشہور ہے۔[۳۳ے] کچھ مورخین کے مطابق ایک مرتبہ سورۂ نجم کی تلاوت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت کچھ التباس ہو گیا جب آپ مندرجہ ذیل آیتوں پر پہونچے۔

اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ۝ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی (النجم ۵۳)

ترجمہ:۔ "بھلا تم نے لات اور عزیٰ اور تیسرے مناۃ کے حال میں بھی غور کیا ہے۔"

(سورۂ نجم ۵۳، آیات ۱۹ و ۲۰)

تو کچھ روایتوں کے مطابق یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے غلطی سے مندرجہ ذیل الفاظ پڑھ دیئے۔

تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى

ترجمہ:۔ یعنی (یہ بت) معظم و محترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے۔

پھر جب آپ پوری سورۂ نجم کی تلاوت کر چکے تو آخر میں سجدۂ تلاوت کیا۔ آپ کو دیکھ کر تمام کفار مکہ بھی "جو اس وقت وہاں موجود تھے" سجدہ میں گر گئے۔ کفار نے یہ افواہ پھیلا دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) ان کے بتوں (کی شفاعت و عظمت) کا اقرار کر لیا ہے۔ دوسرے دن حضرت جبریل علیہ السلام آپ پر نازل ہوئے۔ اور آپ سے پوری سورۂ نجم سنی۔ حضرت جبریل نے اس غلطی کی نشاندہی کی جو آپ کی زبان سے نکل گئی تھی اور فرمایا کہ یہ وحی الٰہی کا حصہ نہیں ہے۔ پھر یہ آیات کریمہ آپ پر نازل ہوئیں۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷)

ترجمہ:۔ اور یہ (کافر) لوگ آپ کو اس چیز سے بچلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ پر وحی کے ذریعے بھیجی ہے تاکہ آپ اس کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت کریں۔ اور ایسی حالت میں آپ کو گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کو

[۳۳ے] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، محمد زرقانی حوالہ مذکورہ، اور ابن جریر طبری حوالہ مذکورہ، ج ۲۔

ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ جھکنے کے قریب جا پہونچتے۔ اور اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو حالتِ حیات میں اور موت کے بعد دُہرا عذاب چکھاتے، پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار بھی نہ پاتے۔

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۷۳ تا ۷۵)

لیکن اکثر محققین نے اس روایت کو موضوع بتلایا ہے[۴۵] علامہ شبلی نعمانی اور محمد حسین ہیکل نے تفصیل سے اس پر بحث کی ہے[۴۶] جن حضرات نے اس روایت کو مستند مانا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت سورۂ نجم کی آیتیں تلاوت کر رہے تھے تو شیطان نے یہی الفاظ (یعنی تلک الغرانیق والے الفاظ) ملا کر پڑھ دیئے[۴۷] اور سننے والوں (کفار) نے یہ سمجھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ان الفاظ کی تلاوت کی ہے۔ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں لکھتے ہیں۔

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ نجم کی اس آیت پر پہونچے وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ تو مشرکوں کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ اب ان کے معبودوں کی کچھ برائی بیان ہوگی۔ اس بنا پر انھوں نے جھٹ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں یہ فقرے خلط کر کے پڑھ دیئے۔ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلَىٰ، وَ اِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجَىٰ۔ درحقیقت ان کی یہ عادت تھی کہ وہ قرآن کی آیات کے ساتھ تمسخر اور مذاق کے طور پر اپنی طرف سے کچھ اضافہ کر دیا کرتے تھے۔ اس حقیقت کی طرف قرآن کریم کی یہ آیت بھی اشارہ کرتی ہے۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ۝ اور یہ کافر باہم یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو، اور اس کے بیچ میں شور و غل مچا دیا

---

[۴۵] بیہقی، قاضی عیاض، علامہ عینی، حافظ منذری، امام نووی وغیرہ جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ (ج ۱، ص ۲۲۱) میں نقل کیا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۲۸

[۴۶] محمد حسین ہیکل، حیاۃ محمد، ص ۱۵۰ تا ۱۶۲؛ محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۲۷ تا ۳۴۴۔

[۴۷] ملاحظہ ہو حاشیہ علی سیرۃ النبویہ از ابن ہشام، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۵ء (۱۳۷۵ھ) ج ۱، ص ۳۶۴؛ عبد الرحمن سہیلی، الروض الانف، ج ۱، ص ۲۲۹۔

کرو شاید تم ہی غالب رہو۔ (حم سجدہ ۴۱، آیت ۲۶)"[48]

وہ مزید لکھتے ہیں۔

"یہاں پر شیطان سے مراد انسانوں میں سے شیطان (یعنی شرارتی لوگ) بھی ہو سکتے ہیں (یعنی وہ کفار جو دوران تلاوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حارج ہوتے تھے)"

کچھ مستند روایتوں کے مطابق حبشہ کے مہاجرین مکہ مکرمہ اس غلط اطلاع کی وجہ سے واپس آئے تھے کہ حضرت عمر کے قبول اسلام کی وجہ سے پورے قبیلہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے۔[49]

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قبولِ اسلام

۶ نبوی کا سال تاریخ اسلام میں نہایت اہم سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی تعداد اگرچہ دن بدن بڑھ رہی تھی لیکن ایسے افراد کی کمی تھی جو قریش اور عرب میں بااثر اور معزز سمجھے جاتے تھے۔ حضرت حمزہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا تھے آپ کا شمار قریش کے بہادروں اور جوانمردوں میں سے تھا۔ ایک دن آپ نے یہ سنا کہ ابو جہل نے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کا زبردست دشمن تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی کی ہے۔ اس پر آپ غصہ میں بھر گئے اور پھر سیدھے ابو جہل کے گھر تشریف لے گئے اور اپنی کمان سے اس کے سر پر ضرب لگائی پھر اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دیا۔[50]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ انتہائی دلچسپ ہے جس کی تفصیل احادیث کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ جوان اور بہت غصہ رکھنے والے شخص تھے۔ حضرت عمرؓ قریش کے عہدیداروں اور سرداروں میں سے ایک سردار تھے۔ شروع میں حضرت عمرؓ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے دشمن تھے۔ آپ پر قرآن کی مسحور کن آیتوں نے اثر ڈالا جس کی بنا پر اسلام کی فطری و روحانی قوت کا شکار ہو گئے۔[51] حضرت عمرؓ کے قبول اسلام سے اسلام کو ایک نئے انداز میں قوت و طاقت فراہم ہوئی۔ اس سے قبل مسلمان خفیہ طور پر نماز ادا کرتے اور

---

[48] شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۳۸۔

[49] محمد حسین ہیکل، حیاۃ محمد، ص ۳۵۸ و ۳۶۴۔

[50] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۹۲؛ محمد ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۹۔

[51] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۳۴۳؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۲۲۴، ۲۲۴ وغیرہ

پوشیدہ طور پر اپنی مجلس منعقد کرتے تھے لیکن آپ نے نہایت ہی جرأت مندی و بہادری کا قدم اٹھایا[51] اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خانہ کعبہ میں علی الاعلان لوگوں کے سامنے نماز پڑھنے کی درخواست کی۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں یہ نماز سب سے پہلی ایسی نماز ہے جو لوگوں کے سامنے علی الاعلان خانہ کعبہ میں ادا کی گئی۔

بنو ہاشم کا بائیکاٹ

جب قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور آپ کے مشن کو ناکام بنانے کے لئے تمام وسائل و ذرائع کا استعمال کر چکے۔ تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیز آپ کی مدد و حمایت کرنے والے بنو ہاشم کا بائیکاٹ اور قطع تعلق کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ۷ نبوی میں تمام سرداران مکہ نے بنو ہاشم کے خلاف ایک معاہدہ تیار کیا۔[52] اس معاہدہ کے تحت یہ طے پایا کہ بنو ہاشم کا پوری طرح بائیکاٹ کیا جائے۔ ان سے کوئی شخص کسی قسم کا تعلق نہ رکھے اور نہ ہی کوئی ان کے ہاتھ کھانے پینے کا سامان بیچے[53] یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) قتل کر دیئے جائیں یا (قتل کے لئے) قریش کے حوالے کر دیئے جائیں[54] اس معاہدہ کو منصور بن[55] عکرمہ نے لکھا جس پر تمام سرداروں مکہ کے دستخط ہوئے۔ پھر اس کو کعبہ پر لٹکا دیا گیا۔

چنانچہ ابو طالب اپنے خاندان (جس میں رسول اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے) کو لے کر شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور ہو گئے۔ جو مکہ سے بالکل الگ تھلگ ایک وادی تھی۔ یہاں بنو ہاشم اور سارے مسلمانوں کو سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ گھاٹی کے لئے سامان کی رسد کے تمام

---

[51] ابن خلدون، تاریخ ج ۲، ص ۲۲۴۔
[52] ابن سعد (الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۰۸) کے مطابق اس معاہدہ پر یکم محرم ۷ نبوی کو دستخط ہوئے تھے۔ مزید ملاحظہ ہو حاشیہ علی الدرر، ص ۵۶۔
[53] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۱۵۰؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۰۸ و ۲۰۹؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۲۲۷؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۵۶ و ۵۷۔
[54] الدرر، ص ۵۶؛ مولانا سعید احمد اکبر آبادی، برہان، ج ۲۷، شمارہ ۶، ص ۳۸۰۔
[55] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۷۷، جہاں تک معاہدہ لکھنے والے کے نام کا تعلق ہے سیرت نگاروں میں اختلاف ہے کچھ سیرت نگار منصور ابن عکرمہ کا نام بتاتے ہیں جب کہ بعض کے نزدیک ان کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی تھا۔ ملاحظہ ہو: حاشیہ علی الدرر، ص ۵۹، اور السیرۃ النبویہ (از ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۷۷)

وسائل و ذرائع بند کر دیئے گئے تھے۔ خاص طور سے بچوں کی حالت ناگفتہ بہ اور قابل رحم تھی، یہاں تک کہ بعض اوقات انھیں جنگلی پودوں کے پتے کھا کر گزارا کرنا پڑا۔ ابوطالب اور ان کے خاندان والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کارِ نبوت کی خاطر سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی یہ حالت تین سال تک جاری رہی۔ بالآخر مکہ کے کچھ سرداران ہشام عامری، زہیر، مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن اسود وغیرہ کو بنو ہاشم پر رحم آیا۔ ان لوگوں نے خانہ کعبہ پر آویزاں معاہدہ کو چاک کر ڈالا جس کا ایک حصہ (اللہ کے حکم سے) پہلے ہی دیمک چاٹ چکی تھی۔[۵۴] پھر وہ لوگ ابوطالب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور ان کو ان کے گھر واپس لائے۔

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال

بنو ہاشم پر سے پابندیاں ہٹنے کے کچھ بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بڑا صدمہ پہونچا آپؐ کے محبوب چچا ابوطالب جنھوں نے ہر طرح آپؐ کا ساتھ دیا اور ہر اعتبار سے آپؐ کی مدد کی، ۱۰ نبوی میں وفات پا گئے۔ بخاری کی ایک روایت کے مطابق ابوطالب نے اسلام قبول نہیں کیا اور ان کا مشرکین کے مذہب پر ہی خاتمہ ہوا۔ ابوطالب کے انتقال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور تکلیف دہ صدمہ پہونچا اور وہ ان کی پیاری بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو عام الحزن (رنج و غم کا سال) کہا ہے۔[۵۵] حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیوہ حضرت سودہؓ سے شادی کی۔ کیونکہ آپؐ کے بچے کم سن تھے اور آپؐ کو ان کی دیکھ بھال کے لئے ایک تجربہ کار عورت کی ضرورت تھی۔ حضرت عائشہؓ سے بھی آپؐ کا نکاح اسی سال ہو گیا تھا مگر رخصتی ہجرت کے بعد ہوئی۔ کچھ مورخین کے مطابق حضرت عائشہؓ سے آپؐ کا نکاح معراج کے بعد ہوا۔

---

[۵۴] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۰۹؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۶۳ تا ۳۸۲؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۵ ب؛ ابن عبدالبر، حوالہ مذکورہ، ص ۵۹۔

[۵۵] محمد منقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۴۹؛ محمد الخضری، نور الیقین، ص ۹۰؛ ابو البرکات عبدالرؤف دانا پوری، اصح السیر، ص ۱۰۰۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ طائف اور دعوت الی اللہ میں آپکی سرگرمی

ابطالب کی وفات کے بعد مکہ میں آپ کی مخالفت دن بدن بڑھتی گئی، اور دشمنانِ اسلام نے آپ کو اور مسلمانوں کو اذیتیں پہونچانے میں اپنی کوششیں دوگنی کر دیں۔ ان حالات کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے دوسرے بڑے شہر طائف [۹] کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہوگئے۔ چنانچہ آپ نے طائف کا سفر کیا اور وہاں کے رہنے والوں کو اسلام کی دعوت دی [۱۰] لیکن اس قبیلہ کے تمام سرداروں نے نہ صرف اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تک نہیں سنی۔ وہ لوگ آپ سے بہت ترش روئی سے پیش آئے اور آپ کا تمسخر اڑایا۔ یہی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں سے واپس تشریف لا رہے تھے تو ان لوگوں نے آپ کے پیچھے اوباش لڑکوں کو لگادیا۔ جنھوں نے آپ پر اس قدر پتھر مارے کہ آپ کے جسم مبارک سے بری طرح خون جاری ہوگیا یہاں تک کہ آپ کے جوتے خون سے بھر گئے۔ اس دردناک اور انتہائی تکلیف کی حالت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستی سے باہر آئے تو آپ نے یہ دعا کی :۔

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضَعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَوْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ اَمْرِيْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِيْ وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ

---

[۹] نوٹ :۔ طائف مکہ مکرمہ سے تقریباً ۵۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ملاحظہ ہو The Battlefields of the Prophet Muhammad از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص ۱۰، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مضمون عہد نبوی کے غزوات و سرایا، رسالہ برہان، ج ۴۲، شمارہ نمبر ۶، ص ۲۰۸۔ لیکن مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان سڑک کا راستہ تقریباً ۸۵ میل ہے کیونکہ پہاڑی سڑک ہونے کی وجہ سے راستہ لمبا ہوگیا ہے : ملاحظہ ہو۔ جغرافیہ جزیرۃ العرب از محمد رائج مزدی، ج ۱، ص ۲۱۲۔

[۱۰] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۴۱۹ تا ۴۲۲، ابن عبدالبر، حوالہ مذکورہ، ص ۶۵ تا ۶۸۔ کچھ اور مستند روایتوں کے مطابق طائف کا سفر ۱۰ نبوی میں ہوا تھا : ملاحظہ ہو : خاتم النبیین از شیخ محمد ابو زہرا، ج ۱، ص ۵۸۰۔

أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنْ أَنْ تُنْزِلَ بِي غَضَبَكَ أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ لَكَ
الْعُتْبَىٰ حَتَّىٰ تَرْضَىٰ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ۔ [۹۱]

ترجمہ: ۔ الٰہی اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت فریاد کرتا ہوں تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے، کیا بیگانہ ترش رو کے یا اس دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا ہے۔ (اے اللہ) اگر مجھ پر تیرا غصہ نہیں تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں، کیونکہ تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں۔ اور دنیا و دین کے کام اس سے درست ہو جاتے ہیں۔ کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو، یا تو مجھ سے ناراض ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے۔ اور (نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی) طاقت و قوت تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے آسمان و زمین تھرا اٹھے۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ کو السلام علیکم کہا اور فرمایا کہ اللہ رب العالمین اس واقعہ سے باخبر ہے جو آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان پیش آیا اور اس نے پہاڑوں پر متعین فرشتہ [۹۲] آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ اس کو جو حکم دیں وہ بجا لائے۔ یہ کہہ کر حضرت جبریل علیہ السلام نے وہ فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ اس نے آپ کو سلام کیا اور کہا: "اے اللہ کے رسول میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں۔ اگر آپ فرمائیں تو اس شہر کے دونوں جانب کے پہاڑوں کو ٹکرا دوں تاکہ ان کے بیچ میں رہنے والے سب لوگ پس کر ہلاک ہو جائیں۔ یا جو بھی آپ سزا تجویز فرمائیں وہ کر دوں"۔ لیکن آپ کی رحیم و کریم ذات نے جواب دیا" اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا، مجھے امید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور ایک اللہ پر ایمان لائیں گی اور اس کی عبادت کریں گی"[۹۳]

۹۱؎ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر۔
۹۲؎ الدرر، ص ۶۷، مزید ملاحظہ ہو: صحیح مسلم جیساکہ الدرر کے حاشیہ پر مذکور ہے۔
۹۳؎ صحیح مسلم، عن عائشہ ام المومنین۔

طائف کے اس واقعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف اعلیٰ اخلاق اور رحمۃ للعالمین ہونے کا ثبوت ملتا ہے بلکہ تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں آپ کی گرمجوشی و سرگرمی اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کامل کا بھی مظاہرہ ہوتا ہے۔ اگرچہ آپ تمام مخالفین کے درمیان تنِ تنہا تھے پھر بھی آپ نے طائف کے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینا نہیں چھوڑا۔

بہت سے معترض مستشرقین بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں جو تکالیف اور اذیتیں اٹھائیں ان کی وجہ سے آپ کا اعلیٰ کردار اور بلند شخصیت اور زیادہ نمایاں ہوگئی۔ مثلاً ولیم میور لکھتا ہے۔

> "محمدؐ کی عظمت ان کے طائف کے سفر میں کھل کر سامنے آجاتی ہے، ایک تنہا شخص جس کو اس کے اپنے لوگوں نے نہ صرف نفرت سے دیکھا بلکہ شہر سے باہر بھی نکال دیا وہ اللہ کے راستہ میں شہر چھوڑتا ہے اور (حضرت) یونسؑ کی طرح ایک دوسرے مقام کے اجنبی کافروں میں جاکر ان کو دعوت اسلام پیش کرتا ہے۔ اس کی یہ ثابت قدمی اور جرأت اس کے اپنے اس مشن (دعوتی کام) میں کامل یقین (اور صداقت) کو ظاہر کرتی ہے۔"[۹۴]

جنوں کا قبولِ اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں کہ آپ تھکن سے چور ہوگئے تھے اور آپ کے جسمِ مبارک سے خون جاری تھا، مکہ کی طرف واپس تشریف لائے۔ آپ کے جوتے خون میں لت پت ہوگئے تھے، اور آپ کو ایک پناہ گاہ کی تلاش تھی۔ طائف سے مکہ کے راستہ پر تقریباً تین میل کے فاصلہ پر مکہ کے ایک کافر عتبہ بن ربیعہ کا باغ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا اور اس کی رگِ انسانیت پھڑک اٹھی، اس نے اپنے ایک عیسائی غلام کے ذریعہ انگور کا ایک خوشہ آپ کی خدمت میں بھیجا۔[۹۵] وہاں کچھ دیر ٹھہرنے کے

---

۹۴ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: محمد الحاج سالمین The Holy Prophet Muhammad، ص ۹۸

۹۵ علامہ ابن ہشام [illegible] ص ۲۱ [illegible] ص ۹۶؛ علامہ شبلی نعمانی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بعد آپؐ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔

مکہ مکرمہ واپسی پر آپؐ نے مقام نخلہ میں رات گزاری وہاں آپؐ نے عشاء کی نماز ادا کی، جس وقت آپؐ نماز پڑھ رہے تھے اس وقت جنوں کا ایک گروہ آپؐ کے پاس سے گزرا [۹۶] ان کی تعداد سات تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرآن کی جو تلاوت کر رہے تھے اس کو انھوں نے سنا اور ایمان لے آئے۔ قرآن کریم اس طرف مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کرتا ہے۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ (الجن)

ترجمہ :- "آپ (ان لوگوں سے) کہیے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا پھر (اپنی قوم میں واپس جاکر) انھوں نے کہا کہ، ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست بتاتا ہے سو، ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم (اب) اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔"
(سورۂ جنّ، آیت ۱ و ۲)

مطعم بن عدی کی پناہ میں

متعدد مؤرخین [۹۷] کے مطابق طائف سے واپسی پر نخلہ میں قیام کرنے کے بعد رسول اللہ

(بقیہ حاشیہ ۹۵) ج ۱، ص ۲۵۱؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۹۲؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۴۵ و ۳۴۶ - نوٹ :- ابن عبد البر اور علامہ شبلی نعمانی نے یہ تحریر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ کے باغ پر رُکے، جب کہ ابن اثیر، طبری اور ابن ہشام نے یہ لکھا ہے کہ عتبہ نے اپنے غلام کے ذریعہ آپؐ کی خدمت میں انگوروں کا ایک خوشہ پیش کیا لیکن ان تینوں سیرت نگاروں نے باغ کا تذکرہ نہیں کیا ہے، بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عتبہ کے غلام کے درمیان اس موقع پر جو مکالمہ ہوا وہ سب نے تحریر کیا ہے۔ اس مکالمہ کو یہاں پر اختصار کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

[۹۶] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۲۲؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۱۲؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۴۶؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۹۲؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۷۰، ۷۲؛ مولانا سعید احمد اکبر آبادی، عہد نبوی کے غزوات و سرایا، برہان ج ۶۲، شمارہ ۶ ص ۳۶۹۔

[۹۷] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۲۱۲؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۴۷؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۹۲؛ امام

صلی اللہ علیہ وسلم حرا تشریف لائے۔ اور وہاں سے مطعم ابن عدی کو پیغام بھجوایا کہ اگر آپ کو پناہ دے دی جاتی ہے تو آپ کی خواہش ہے کہ مکہ واپس آجائیں۔ کافر ہونے کے باوجود مطعم ایک نہایت شریف شخص تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف پناہ دی بلکہ اپنے لڑکوں کو بلایا جو آپ کے ساتھ مسجد حرام تک گئے اور جب تک آپ کعبہ کی زیارت سے فارغ نہیں ہوئے وہ آپ کے محافظ بنے رہے۔ اس کے بعد مطعم نے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب اس کی پناہ میں ہیں۔

معراج یا اسرار

مورخین کی ایک بڑی تعداد کے مطابق معراج یا اسرار کا واقعہ ہجرت سے ۱۸ مہینے قبل پیش آیا۔[۶۸] معراج کی رات حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اس کے بارے میں آپ کو اللہ کے حکم کی اطلاع دی پہلے وہ آپ کو بیت المقدس لے گئے اور وہاں سے ساتویں آسمان کے اوپر عرش معلیٰ تک لے گئے۔ جہاں آپ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف ہوا۔[۶۹] یہ سب کچھ ایک بہت ہی قلیل وقفہ میں پیش آیا۔ موجودہ عہد میں جب کہ انسان نے اپولو اور دوسرے سیاروں جیسی فضا کے اندر تیز چلنے والی سواریاں بنالی ہیں جو چاند اور دوسرے سیاروں تک پہونچ رہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں کو پار کرکے عرش معلیٰ تک سفر کرنا کوئی ناممکن بات نہیں۔ جب انسان چاند پر پہونچ سکتا ہے تو اللہ جو کہ خالق کائنات ہے اپنے حکم سے اپنے محبوب بندہ کو آسمانوں تک کیوں نہیں لے جاسکتا۔ درحقیقت معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اعلیٰ معجزات میں سے ایک معجزہ ہے جو قیامت تک آنے والے زمانہ کے لئے آپ کی نبوت کی دلیل فراہم کرتا ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے یہ طے تھا کہ ایک ایسا بھی وقت آئے گا جب کہ انسان چاند پر بھی قدم رکھے گا اور دوسرے سیاروں پر بھی جانے کی کوشش کرے گا اس لئے اللہ جل شانہٗ اپنی قدرت کاملہ سے

---

۶۸ نوٹ:۔ جہاں تک اس سال کے تعین کا سوال ہے جس میں معراج کا واقعہ پیش آیا علما کا اختلاف ہے۔ سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی حصہ سوم (ص ۲۵۹ تا ۳۶۴) میں تقریباً تمام اقوال جمع کردیئے ہیں۔ زیادہ تر مورخین بشمول محمد ابن سعد (ج ۱، ص ۲۱۳) کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے اٹھارہ مہینہ پہلے غالباً ماہ رجب میں پیش آیا۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۵۵ تا ۳۵۰ اور الروض الانف از عبدالرحمٰن سہیلی۔

۶۹ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۶ تا ۴۰۰؛ محمد ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۱۳۔

ایک معجزہ کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام سیاروں سے آگے آسمانوں سے اوپر عرش تک لے گیا قرآن کریم میں معراج یا اسراء کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (بنی اسرائیل)

ترجمہ: وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندہ (محمدؐ) کو شب کے وقت مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلا دیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا سننے اور دیکھنے والا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱)

میلوں اور بازاروں میں دعوتِ اسلام

جزیرۂ عرب کے مختلف حصوں سے لوگ ہر سال ان بڑے میلوں اور بازاروں میں آتے تھے جو مکہ مکرمہ کے مقدس شہر کے ارد گرد ہر سال عارضی طور پر لگا کرتے تھے۔ ان میں عکاظ اور مجنہ کے بازار بہت مشہور تھے جہاں عرب بڑی تعداد میں سامان خریدتے اور پھر حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے تھے۔ حج و زیارت کی یہ رسومات ہر سال حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ (جو حضرت ابراہیمؑ کی دوسری بیوی تھیں) کی یادگار کے طور پر ادا کی جاتی تھیں۔ مختلف عرب قبیلوں کے لوگوں کا حج کے موقعہ پر مکہ آنا وہاں کے رہنے والوں کے لئے ایک بڑا "فضل الٰہی" تھا۔ کیونکہ پورے سال میں یہی ایسے ایام تھے جب کہ اہل مکہ کو اپنے گذر بسر کے لئے کچھ کمانے کا موقعہ مل جاتا تھا۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبیلے کے لوگوں کو خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلاتے تھے۔ ثے ان کو آپؐ نہ صرف شرک سے باز آنے کی دعوت دیتے بلکہ والدین اور بڑوں کی تعظیم و توقیر کرنے، غربت کے ڈر سے بچوں کو قتل نہ کرنے، برائیوں اور زنا سے بچنے وغیرہ کی بھی تعلیم دیتے

ثے ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۵۴؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۱۶؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۴۸؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۷؛ محمد خضری، حوالہ مذکورہ، ص ۹۹۔

تھے۔ ان موقعوں پر اہل عرب تجارت میں نفع نقصان کی گفتگو اور مکہ کے تاجروں کے ساتھ لڑنے اور جھگڑنے کے علاوہ کسی اور بات کے سننے کے عادی نہیں تھے۔ اس لئے جب آپؐ نے ان مواقع پر ان کو اللہ کی طرف سے نازل کئے گئے کلام کو سننے کی دعوت دی تو ان کو عجیب سا محسوس ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ ابولہب اور دوسرے دشمنانِ اسلام مختلف قبائل سے آئے ہوئے عربوں سے یہ بھی کہتے جاتے تھے: "اس شخص کی طرف توجہ نہ کرو کیونکہ یہ پاگل ہے"۔

طائف کے سفر سے واپسی پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مشن کو جاری رکھا اور میلوں و بازاروں میں معمول کے مطابق دعوت اسلام دیتے رہے۔

اوس اور خزرج کے قبیلوں میں اسلام

قریش کے سرداروں نے اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبائل کے درمیان صحیح راستے کی تبلیغ کرنے سے ہر ممکن طریقے سے روکنے کی کوشش کی، پھر بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ ہر سال حج کے موقعہ پر جزیرہ عرب کے مختلف گوشوں سے لوگ مکہ آتے (جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے) یثرب (مدینہ منورہ) سے جو قبائل مکہ آتے ان میں اوس و خزرج کے قبیلے بہت مشہور تھے۔ یہ لوگ یثرب میں کافی عرصہ سے آباد تھے۔ اور کھیتی باڑی کرتے۔ یثرب (مدینہ منورہ) کے اردگرد یہودیوں کی چند نوآبادیاں بھی تھیں۔ یہ لوگ بڑے سرمایہ دار تھے۔ تجارت اور ناقابل برداشت سود پر قرض دینا ان کا اہم پیشہ تھا۔ آپس میں اکثر جنگ و جدال میں مصروف رہنے والے قبائل اوس و خزرج کے غریب لوگوں کے لئے یہ یہود ان کے آقاؤں کے مانند تھے۔ پچھلی نازل شدہ آسمانی کتابوں کے ذریعہ یہودیوں کو پیغمبر آخرالزماں کے آنے کی پیشین گوئیاں دے دی گئی تھیں جس کے متعلق وہ اکثر اپنی مجالس میں گفتگو کرتے تھے۔

ماہ رجب سنہ ۱۱ نبوی میں اوس و خزرج کے کچھ لوگ مکہ مکرمہ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کے رہنے والے ان لوگوں سے ملاقات[۲] کی اور انھیں عقبہ کے مقام پر اسلامی تعلیمات سے آگاہ

---

[۱] علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۶۲۔
[۲] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۲۸؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۸۰۲۔

کیا۔ انھوں نے آپؐ کی باتوں کو سنا، اور آپؐ کی تعلیمات کو پسند کیا۔ اور ان کو یہ یقین کرنے میں کوئی شبہ نہیں ہوا کہ آپؐ ہی پیغمبرِ آخرالزماں ہیں جن کے بارے میں پچھلی آسمانی کتابوں میں پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ ان چھ لوگوں نے جو اس سال یثرب سے آئے تھے اسلام قبول کر لیا۔[12] ان کے نام یہ ہیں ۔
(۱) ابوالہیثمؓ بن تیہان (۲) ابو اُمامہ اسعدؓ بن زُرارہ (۳) رافعؓ بن مالک بن عجلان (۴) قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ (۵) جابرؓ بن عبداللہ بن رئاب (۶) عوفؓ بن حارث۔ ابن ہشام نے ابوالہیثمؓ ابن تیہان کی جگہ عقبہؓ بن عامر بن نابی کا نام لکھا ہے۔ بعض مورخین نے عبادہؓ بن صامت کا نام بھی لکھا ہے اور کل تعداد آٹھ بتائی ہے۔[13]

پہلی اور دوسری بیعت عقبہ

اسلام قبول کرنے کے بعد ان سبھی حضرات نے یثرب (مدینہ منورہ) جاکر لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نئے دین کے بارے میں بتایا۔ اس کے نتیجہ میں یثرب کے رہنے والوں میں کافی جوش و خروش پیدا ہوگیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر گھر چرچا ہونے لگا۔[13الف] اگلے سال بارہ مزید افراد یثرب سے آئے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر عقبہ کے مقام پر بیعت کی۔ جس کو بیعت عقبۂ اولیٰ[14] کہتے ہیں۔ اس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں ۔

> "ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کریں گے۔ اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے۔ کسی پر اس کے پیٹھ پیچھے یا سامنے بہتان نہیں باندھیں گے۔ اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر معروف چیز میں اطاعت کریں گے۔

۱۲ے ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۲۹؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۱۹؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۵۴۔

۱۳ے اس سلسلے میں مختلف روایتوں کے لئے ملاحظہ ہو: محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۶۲ تا ۳۶۷۔

۱۳الف ے ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ص ۳۵۵۔

۱۴ے ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۳۱؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۵۵؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۷۲۹۔ (نوٹ: کچھ مورخین کے مطابق یہ بیعت عقبہ ثانیہ ہے، وہ بیعت عقبہ اولیٰ اس کو بتاتے ہیں جب کہ سنہ ۱۱ نبوی میں چھ آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اس سلسلہ میں تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: عہد نبوی کے غزوات دسرایا از پروفیسر سید محمد اکبر آبادی، برہان، ج ۴۲، شمارہ ۱، ص ۶ اور ۷)۔

اور رنج و راحت ہر حال میں ہم آپؐ کے فرمانبردار رہیں گے۔"[illegible]

انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی درخواست کی کہ آپؐ ان کو اسلام سکھانے کے لئے ایک معلم عطا فرمائیں۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ[illegible] کو ان کے ہمراہ کر دیا۔

چند ہی ماہ میں یثرب میں اوس و خزرج کے کافی لوگ ایمان لے آئے۔

سنہ ۱۲ نبوی میں یثرب سے ۷۲ یا ۷۳ آدمی حج کے موقع پر آئے[illegible] اور انھوں نے اسلام قبول کیا۔ اس دفعہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب لے جانے کی دعوت بھی دی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیحد محبت کرتے تھے وہ بھی اس مجلس میں موجود تھے، انھوں نے یثرب کے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"اے خزرج کے لوگو! تم محمدؐ کے اس مقام و مرتبہ سے اچھی طرح باخبر ہو جو ان کو ہمارے درمیان حاصل ہے۔ ہم نے محمدؐ کی ہر ممکن طریقے سے اپنے لوگوں سے حفاظت کی۔ چنانچہ وہ اپنے لوگوں میں معزز و محترم اور مامون و محفوظ ہے۔ اب تم ان کو اپنے یہاں لے جانا چاہتے ہو تاکہ وہ تمہارے ساتھ رہیں۔ لہٰذا اگر تم اس وعدہ کو پورا کر سکتے ہو جس کی طرف انھیں بلا رہے ہو۔ اور آپؐ کے مخالفین و معاندین سے ہر حالت میں آپؐ کی پوری طرح حفاظت کرنے کی بیعت کرتے ہو تو بہتر ہے ورنہ اگر تم ان کو دشمن کے حوالے کرنے اور رسوا کرنے کا خیال رکھتے ہو تو ابھی سے چھوڑ دو۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ کیا تم محمدؐ کا ساتھ دے کر سارے عرب کی دشمنی و مخالفت مول لینے کو تیار ہو؟"

اہل یثرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے منتظر تھے۔ آپؐ نے انھیں قرآن کریم چند آیتیں

[illegible] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۲۰؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۵۶۔

[illegible] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۴۳؛ ابن سعد حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۲۲۰؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۵۷۔

[illegible] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۴۱؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۱۷۳؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۲۱؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۶۲ (نوٹ: ابن سعد اور طبری نے ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جن کے مطابق بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر ۷۰ آدمی آئے تھے۔)

سنائیں۔ پھر فرمایا۔ "کیا تم یہ بیعت کر رہے ہو کہ میری جانب سے مدافعت اسی طرح کرو گے جس طرح تم اپنے بیوی بچوں کی کرتے ہو۔" یہ سن کر ان کے امیر حضرت براءؓ بن معرور نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل یثرب کی حفاظت و اعانت کا پوری طرح یقین دلایا۔ اس کے بعد یثرب کے ایک اور سردار ابوالہیثمؓ ابن تیہان کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا "یا رسول اللہ، ہمارے اور یہود کے درمیان تعلقات ہیں اور (بیعت کے بعد) یہ ممکن ہے کہ یہ تعلقات منقطع ہو جائیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر اللہ نے آپؐ کو غلبہ اور کامیابی عطا کی، تو آپؐ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف واپس لوٹ آئیں گے۔" اس کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا: "تمہارا خون میرا خون ہے۔ تمہاری حرمت میری حرمت ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ جس سے تم جنگ کرو گے میں اس سے جنگ کروں گا، اور جس سے تم صلح کرو گے اس سے میں صلح کروں گا۔" اس کے بعد یثرب کے ان تمام لوگوں نے جو وہاں موجود تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت براءؓ بن معرور وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے۔ [۹۵]

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے اُنھی لوگوں میں سے ۱۲ نقیب (نگراں) منتخب کرنے کو کہا۔ انھوں نے مندرجہ ذیل ۱۲ حضرات کو منتخب کیا [۹۶] ان میں سے ۹ حضرات قبیلہ خزرج کے اور تین قبیلہ اوس کے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بارہ حضرات کو ان پر نقیب مقرر فرمایا۔

قبیلہ خزرج کے ۹ حضرات کے نام یہ ہیں:

(۱) اسعدؓ ابن زرارہ۔

(۲) رافعؓ ابن مالک۔

---

۹۵ بیعت عقبہ ثانیہ کی تفصیلات سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں: ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۳۸ تا ۴۴۳؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۲۱ تا ۲۲۳؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۶۰ تا ۳۶۳؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۹۸ تا ۱۰۰۔ (نوٹ: کچھ مورخین کے مطابق یہ بیعت، بیعت عقبہ ثالثہ ہے ان کے مطابق بیعت عقبہ اولیٰ ۱۱ نبوی میں اور بیعت عقبہ ثانیہ ۱۲ نبوی میں ہوئی تھیں۔ ملاحظہ ہو: عہد نبوی کے غزوات و سرایا از پروفیسر سید احمد اکبر آبادی، برہان، ج ۷، شمارہ ۱، ص ۶ اور ۷۔)

۹۶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۴۳۔ حاشیہ نمبر ۹، میں درج کی گئی بقیہ کتابوں میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں ابن ہشام نے ان سب لوگوں کے بھی نام لکھے ہیں جنھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت عقبہ ثانیہ کی تھی۔

(۳) عبادہؓ ابن صامت۔

(مذکورہ بالا تینوں حضرات نے بیعت عقبہ اولیٰ بھی کی تھی)

(۴) سعدؓ ابن ربیع۔

(۵) منذرؓ ابن عمرو۔

(۶) عبداللہؓ ابن رواحہ۔

(۷) براءؓ ابن معرور۔

(۸) سعدؓ ابن عبادہ۔

(۹) عبداللہؓ ابن عمرو۔

قبیلہ اوس کے تین نقیبوں کے نام یہ ہیں۔

(۱۰) اُسیدؓ ابن حضیر۔

(۱۱) سعدؓ ابن خیثمہ۔

(۱۲) رفاعہؓ ابن عبدالمنذر

مسلمانوں کی یثرب کی جانب ہجرت

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یثرب کی جانب ہجرت کرنے اجازت دیدی، اور خود اللہ کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔ مسلمانوں نے بڑی تعداد میں یثرب ہجرت شروع کردی۔ کچھ غریب مسلمان جن کو ہجرت کے اسباب مہیا نہیں تھے کچھ وقت کے لئے مکہ میں رکے مندرجہ ذیل آیت ایسے ہی اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی ہے[۱۵۱]

"... وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا..."

(النساء)

۱۵۱۔ عماد ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۱، ص ۵۲۵۔

ترجمہ:۔ . . . . اور مردوں میں کمزور لوگ، کچھ عورتیں اور کچھ بچے دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں" (سورۃ نساء، آیت ۷۵)

مسلمانوں کی ہجرت نے مکے کے کفار کو آگ بگولا کر دیا ان کو اس وحی کے متعلق بھی اطلاع ملی جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اپنے دفاع کی اجازت دی گئی تھی۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (الحج ۲۲)

ترجمہ:۔ ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی جا رہی ہے جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے، اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے، جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے (کے ہاتھ) سے زور نہ گھٹوا تا رہتا، تو (اپنے اپنے زمانہ میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے، اور یہود کے عبادت خانے، اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جہاں پر اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے، بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ (کے دین) کی مدد کرے گا، بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) غلبہ والا ہے۔" (سورۃ حج ۲۲، آیت نمبر ۳۹ و ۴۰)[۲ھ]

[۲ھ] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۶۷؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۴۔

(نوٹ:۔ بعض مورخین یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں ہجرت کے پہلے سال میں نازل ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو: زاد المعاد از ابن قیم، ج ۱، ص ۳۱۴۔)

یہ آیات ایک سے دوسرے تک بہت تیزی سے پھیل گئیں۔ جب قریش نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں ایک جماعت فراہم ہوگئی ہے اور آپ کے صحابہؓ ہجرت کرکے ان سے جا مل رہے ہیں۔ تو انھوں نے جان لیا کہ ان لوگوں یعنی صحابہؓ نے کسی محفوظ مقام کو اپنی قیام گاہ بنایا ہے اب انھیں خوف پیدا ہوا کہ خود ان پر چڑھائی ہوگی چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا مگر آپ کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دے دی گئی۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝ (الانفالؔ)

ترجمہ:۔ اور جب کفار مکہ آپ کی نسبت (بڑی بڑی) تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آیا آپ کو قید کرلیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں، یا آپ کو جلا وطن کر دیں، اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے۔ اور اللہ اپنی تدبیریں کر رہا تھا، اور اللہ سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا ہے۔" (سورۂ انفالؔ، آیت ۳۰) [۵۳]

عظیم ہجرت

دار الندوہ میں قریش کے سرداروں نے جو منصوبہ بنایا تھا [۵۴] اس کے مطابق تمام اہم قبیلوں کے سرداروں کو مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا تھا۔ تاکہ بنو ہاشم ان سب کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہیں۔ اس ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے قریش نے ان لوگوں کو متعین کیا تھا:۔ عتبہ، ابوسفیان، جبیر ابن مطعم، نضر ابن حارث ابن کلدہ، ابو البختری، ابن ہشام، زمعہ ابن اسود ابن مطلب، حکیم ابن حزام، ابوجہل، نبیہ، منبہ، امیہ ابن خلف وغیرہ۔ ان لوگوں نے رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اور آپ کے باہر آنے کا انتظار کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی نہ صرف اس منصوبہ کی اطلاع مل گئی تھی بلکہ جبرئیل علیہ السلام

---

[۵۳] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۸۴۔
[۵۴] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۸۰ تا ۴۸۴، ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۷۰ تا ۲۷۲، ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۷۔

نے آپؐ سے یہ بھی کہا تھا کہ اس رات آپؐ اس بستر پر آرام نہ فرمائیں جس پر عام طور سے آپؐ آرام فرماتے ہیں[۵۵] نیز آپؐ کو ہجرت کرنے کا حکم بھی دے دیا گیا۔ آپؐ نے وہ سب امانتیں جو آپؐ کے پاس رکھی تھیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں، اور ان سے کہا کہ وہ آپؐ کے بستر پر آرام کریں۔ حضرت علیؓ نے اپنی جان کا خطرہ مول لے کر اس حکم کی بسر و چشم تعمیل کی۔ اس مقام پر صحابہ کرامؓ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جو غیر معمولی اعتماد و یقین تھا اس کا زبردست مظاہرہ ہوتا ہے۔

ان تمام انتظامات کو مکمل کر لینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ یٰسین کی پہلی ۹ آیتیں پڑھتے ہوئے معجزانہ طور پر اپنے اس مکان سے باہر نکل آئے جس کا محاصرہ قریش کے سرداروں نے کر رکھا تھا۔ اور ان لوگوں کو آپؐ کے باہر نکلنے کا احساس تک نہیں ہو سکا۔ یہ واقعہ اللہ کی ذاتِ عالی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اعتماد و یقین کا زبردست مظہر ہے۔ کہ اس کے حکم کی اطاعت میں آپؐ اپنے خون کے پیاسے انسانوں کے درمیان بے خوف و خطر نکل کر چلے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے دشمنوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا[۵۶] اور وہ رات بھر آپؐ کے باہر نکلنے کا انتظار کرتے رہے۔ جب ان سے صبر نہیں ہو سکا تو علی الصبح آپؐ کے مکان میں گھس گئے لیکن قریش کے یہ سردار یہ دیکھ کر انتہائی حیران ہو گئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر حضرت علیؓ سو رہے ہیں چنانچہ مایوسی کی حالت میں وہ ناکام لوٹ آئے۔ شکست خوردہ اور ناکام و نامراد قریش نے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت تلاش شروع کر دی اور اس مقصد کی خاطر مختلف گروہوں کو چاروں طرف روانہ کر دیا اور یہ اعلان کیا کہ جو کوئی آپؐ کو پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔

گھر چھوڑنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کے یہاں تشریف لائے اور ان کو اللہ کے حکم کی اطلاع دی[۵۷] حضرت ابو بکرؓ نے پہلے سے ہی ہجرت کی خاطر دو اونٹنیاں سواری کے لئے تیار کر رکھی تھیں۔

---

[۵۵] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۷۲؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۸۲۔

[۵۶] محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۸۹؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۸۲؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۷۳۔

[۵۷] صحیح بخاری، باب الہجرۃ، ج ۱، ص ۵۵۳؛ عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۳؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۸۵

انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان میں سے ایک کو اپنے لئے منتخب کر لینے کی درخواست کی۔ آپؐ نے ان کی درخواست اس شرط پر قبول کی کہ آپؐ اس کی قیمت ادا کریں گے۔ حضرت ابو بکرؓ کی بڑی بیٹی حضرت اسماءؓ نے زادِ راہ تیار کر دی۔ پھر آپؐ اور حضرت ابو بکرؓ مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ثور نامی ایک غار میں چھپ گئے۔[۸] اس غار میں آپؐ تین دن رات چھپے رہے۔ کفار نے ہر پہاڑ اور وادی چھان ڈالی، ان کی ایک جماعت اُس غار تک بھی پہونچی۔ حضرت ابو بکرؓ ان کے قدموں کی آہٹ پاکر گھبرا گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے آنے کی اطلاع دی۔ آپؐ نے ان کو ان الفاظ کے ساتھ تسلّی دی[۹] (جو کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں مذکور ہے) لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ ۹)

ترجمہ: آپ غم نہ کریں بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے (سورہ توبہ ۹، آیت ۴۰)

چوتھے دن یہ حضرات غارِ ثور سے باہر نکلے اور ایک معتبر غیر مسلم شخص عبد اللہ ابن اُریقط[۱۰] کو مدینہ کے لئے بطور رہبر اجرت پر ساتھ لیا۔ ان حضرات کا سفر صرف رات میں ہوتا اور دن میں آرام فرماتے اور مدینہ کو جانے والی عام شاہراہ سے ہٹ کر سفر کرتے۔ حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کا پورا خیال رکھتے تھے۔ اس سفر کے دوران ایک مرتبہ ایک مضبوط اور توانا شخص سراقہ بن مالک[۱۱] نے سو اونٹ کے انعام کی لالچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہونچا تو اس کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا۔ پھر دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور پیچھا کیا لیکن اس بار بھی گھوڑے کو ٹھوکر لگی۔ لیکن اس نے پیچھا کرنا نہیں چھوڑا۔ اور اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ اس کے گھوڑے کو تیسری بار پھر ٹھوکر لگی اور گھوڑے کے پاؤں ریت میں گھٹنوں تک دھنس گئے۔ سراقہ ایک جھٹکے

---

[۸] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۸۵؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۹۵؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۸۔

[۹] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شرح مواہب اللدنیہ از محمد زرقانی، ج ۱، ص ۲۹۵ تا ۴۰۸؛ الروض الانف، از عبد الرحمٰن سہیلی، ج ۲، ص ۴ اور ۵؛ صحیح بخاری، کتاب التفسیر۔

[۱۰] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۰۹؛ عبد الرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۸؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۸۳؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ (جدید طباعت، دار القلم بیروت)، ج ۲، ص ۱۳۳۔

[۱۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح مواہب اللدنیہ از محمد زرقانی، ج ۱، ص ۴۱۷ تا ۴۱۹۔

کے ساتھ زین سے گر پڑا۔ اس کا ضمیر اندر سے اسے اس بری حرکت پر ملامت کر رہا تھا۔ سراقہ نے اپنے تیر پھینک دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگی۔ رحمدل رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسکراتے ہوئے سراقہ کی درخواست قبول کرلی، اور ابو بکرؓ کے غلام کو چمڑے کے ایک ٹکڑے[۹۲] پر معافی نامہ لکھنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی بھی دی۔ "سراقہ تمہارے ہاتھ میں ایک دن فارس کے بادشاہ کے سونے کے کنگن ہوں گے۔"[۹۳] (یہ پیشین گوئی چوبیس سال کے بعد پوری ہوئی جب کہ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں سلطنت فارس پر قبضہ کیا۔ خلیفہ نے سراقہ کو بلوایا اور اس کے ہاتھ میں کنگن پہنائے)[۹۴] مدینہ منورہ کا یہ سفر تقریباً سات دن میں مکمل ہوا۔

---

[۹۲] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۸۸ تا ۴۹۰؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۲۲؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۷؛ مزید ملاحظہ ہو: حاشیہ علی الروض الانف ج ۲، ص ۶ ۔

[۹۳] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۴۹؛ عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶ ۔

[۹۴] [illegible]

باب ۷

ہجرت کا پہلا سال

(ربیع الاول سنہ ۱ھ تا ذی الحجہ سنہ ۱ھ)

یثرب :-

یثرب (جو کہ مدینہ منورہ کا پرانا نام ہے) سرزمین عرب میں علاقہ حجاز کا ایک شہر ہے یہ مکہ مکرمہ سے تقریباً ۲۷۰ میل کے فاصلے پر اور دمشق سے جنوب مشرق میں تقریباً ۷۵۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے یہ شہر تقریباً دو ہزار پچاس فٹ بلند ہے۔ یہ ایک بڑے میدانی علاقہ (جس کا ایک حصہ کوہِ آتش فشاں کے پھٹنے سے بنا ہے) کے مغربی کنارے پر ایک زرخیز نخلستان ہے۔ اس کے مشرق میں پھٹے ہوئے کوہِ آتش فشاں کے مادہ سے بنا ہوا ایک میدان ہے جبکہ باقی تین اطراف میں نصف دائرہ کی شکل میں خشک پہاڑیاں ہیں۔ ان میں سب سے اونچا پہاڑ جو نخلستان کی سطح سے بارہ سو فٹ سے زیادہ بلند ہے جبل احد ہے۔

یثرب کی ابتدائی تاریخ پوری طرح معلوم نہیں ہے۔ یہاں کے خاص قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ اصل عرب قبیلوں کے علاوہ شہر کے باہری حصوں میں یہودی نوآبادیات بھی تھیں۔ تاریخ سے یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی ہے کہ اس شہر میں یہودیوں کی باقاعدہ آبادکاری کب شروع ہوئی۔ ہوسکتا ہے کچھ یہودی عیسیٰ علیہ السلام سے قبل بھی یہاں آباد ہوئے ہوں، لیکن تاریخی شواہد کی روشنی میں ان کی پہلی آبادکاری اس وقت ہوئی جب روم کے بادشاہ ہارڈین نے ان کو ۱۳۵ء میں

جلاوطن کیا۔ اس وقت قبائل اوس اور خزرج کا اس نخلستانی خطہ پر قبضہ تھا۔ یہودیوں کی آبادکاری کے نتیجہ میں اوس اور خزرج قبیلے کافی کمزور ہوگئے کیونکہ یہودی معاشی اعتبار سے ان پر چھاگئے تھے اور انھوں نے شہر کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے قلعہ بنالئے تھے۔ ان کی تین طاقتور اور مضبوط نوآبادیاں یہ تھیں: بنو قریظہ، بنو قینقاع اور بنو نضیر۔ یثرب کے مشرکین یہودیوں کے (مذہبی) اثرات کی وجہ سے اپنے رسم و رواج میں اعتدال پسند واقع ہوئے تھے اور یہودیوں کی مذہبی کتابوں میں آنیوالی پیشین گوئیوں کی وجہ سے یہ لوگ پیغمبر آخرالزماں کی آمد کے منتظر تھے۔ کچھ عربوں نے بھی یہودیت قبول کرلی تھی اور وہ یہودیوں کے ساتھ رہنے لگے تھے، مشہور مورخ یعقوبی کے مطابق بنو قریظہ اور بنو نضیر اصلاً عرب تھے جنھوں نے یہودی مذہب کو قبول کرلیا تھا[۱]۔ اس سلسلے میں ایک دوسرا مشہور مورخ مسعودی اپنی کتاب "کتاب الاشراف والتنبیہ" میں ذکر کرتا ہے کہ حجاز کے یہودی اصلاً قبیلہ "جذام" سے تھے لیکن عمالقہ اور ان کی بت پرستی سے بیزار ہوکر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور ملک شام چھوڑ کر حجاز چلے آئے۔ ان کے تین قبیلے تھے: بنو قریظہ، بنو قینقاع اور بنو نضیر۔ یہ لوگ یثرب کے قرب و جوار میں بس گئے تھے اور مضبوط قلعے تعمیر کرلئے تھے[۲]۔

قبا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ

یثرب کے لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ چھوڑنے کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی چنانچہ وہ آپؐ کی آمد کا بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے[۳]۔ اور آپؐ کے استقبال کیلئے روزانہ شہر سے باہر آتے۔ آخرکار نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم مقام قبا میں پہنچ گئے

---

[۱] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۲۹۵؛ یعقوبی، ج ۲، ص ۴۹ (جیسا کہ سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۲۹۵ پہ درج ہے)؛ عبدالرحمٰن سہیلی، الروض الانف، ج ۲، ص ۲۴۔

[۲] علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۹۵؛ المسعودی، کتاب الاشراف والتنبیہ، ص ۲۴۷۔

[۳] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۳۳؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۴۹۲؛ محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ [illegible]

جو مدینہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

اکثر مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن قبا پہونچے[4] آپؐ نے وہاں چند دنوں تک قیام کیا پھر وہاں سے مدینہ کے لیے جمعہ کے دن روانہ ہوئے[5]۔ البتہ آپؐ قبا میں کس تاریخ کو داخل ہوئے اس کے بارے میں مؤرخین کی رائیں قدرے مختلف ہیں۔ اکثر مؤرخین کے نزدیک آپؐ[6] ۱۲ ربیع الاول کو قبا میں داخل ہوئے لیکن سنہ ہجری اور سنہ عیسوی کی جدولات کے اعتبار سے ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ جمعہ کو پڑتی ہے[7]۔ لہٰذا اگر ہم قبا میں آپؐ کا دخول دوشنبہ کو مانتے ہیں تو یہ تاریخ ۸ ربیع الاول ہوگی۔ جیسا کہ بعض مؤرخین کی رائے ہے[8]۔ یہ تسلیم کرلینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپؐ نے قبا میں چار دن تک قیام کیا[9]۔ پھر جمعہ کے دن ۱۲ ربیع الاول[10] کو یثرب کے لیے روانہ ہوئے۔

۸ ربیع الاول (سنہ ۱۳ نبوی یا سنہ ۱ ھ) بروز دوشنبہ کی تاریخ ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو پڑتی ہے جبکہ

---

[4] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۹۲؛ عبدالرحمان سہیلی، الروض الانف، ج ۲، ص ۱۱؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۵۱ اور ۴۲۰؛ ابن سعد حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۲۳۳؛ ابن خلدون، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹؛ ابن عبدالبر، کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج ۱، ص ۱۷؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۳۸۱، ۳۹۲ اور ۳۹۳؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۱۰؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۱۹۰ اور ۱۹۸؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۴۔

[5] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۵۲؛ عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۱؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۹۴؛ ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج ۱، ص ۱۷ اور ۱۸؛ ابن اثیر حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴؛ ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۱۹۸۔

[6] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۹۲؛ ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج ۱، ص ۱۷؛ عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۱۱؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۵۱؛ ابن جریر طبری حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۸۱، ۳۹۲؛ ابو برکات دانا پوری اصح السیر، ص ۱۰۔

[7] اے۔ ایم۔ خالدی (A.M. Khalidi Comparative Tables of Hijri & Christian Dates) انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، ۱۹۳۹ء (یہ کتاب دراصل ایڈورڈ مہلر کی کتاب کا ترجمہ ہے جو کہ لیپزگ میں ۱۹۲۶ء میں چھپی تھی)؛ مفتاح التقویم از حبیب الرحمٰن خاں صابری، اردو ترقی بورڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۷ء۔

[8] ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج ۱، ص ۱۷؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۵۱؛ علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۲۷۷؛ قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ج ۱، ص ۸۹۔

[9] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۵۱؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۸۱ تا ۳۸۹؛ ابن اثیر، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴؛ ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۱۹۸؛ علی ابن برہان الدین حلبی، السیرۃ الحلبیۃ ج ۱، ص ۵۹۔

[10] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۵۱؛ ابن حزم (جیسا کہ زرقانی نے مواہب اللدنیۃ میں نقل کیا ہے۔ ج ۱، ص ۳۵۲)؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۸۱ تا ۳۹۳؛ قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ج ۱، ص ۸۹۔

۱۲ ربیع الاول (۱۳ سنہ نبوی یا ۱ ھ) بروز جمعہ کی تاریخ ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء[11] کو پڑتی ہے یہی وہ دن ہے جبکہ اسلامی کیلنڈر (یعنی ہجری کیلنڈر) کی ابتدا ہوئی[12]

قبا میں ایک ممتاز خاندان کلثوم ابن ہدم کا تھا، جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبا میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو نہایت پرجوش اور بلند آواز سے خوشی میں "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا۔ ان کی دعوت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے وہاں پر چند روز قیام فرمایا۔ یثرب سے بھی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے جوق در جوق وہاں پہونچنے لگے۔ اسی اثنا میں حضرت علیؓ بھی آپؐ سے آملے۔

قبا میں تاریخ اسلام کی سب سے پہلی مسجد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو تاریخ اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہے حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ نے مسجد کے لیے زمین دی[13]۔ اس کی تعمیر میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مزدوروں کی طرح کام کیا[14]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بڑے صحابی اور مشہور شاعر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اس موقعہ پر مندرجہ ذیل ابیات پڑھ رہے تھے

أَفْلَحَ مَنْ يُعَالِجُ الْمَسَاجِدَا

وَيَقْرَءُ الْقُرْآنَ قَائِمًا وَقَاعِدَا

وَلَا يَبِيتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدَا

---

[11] اوپر مذکورہ حاشیہ میں ذکر کی گئی تقویم ملاحظہ ہو۔ مستشرق مونٹ گمری واٹ W. Montgomery Watt کے مطابق بھی ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ ھ ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو پڑتی ہے ملاحظہ ہو: Muhammad, Prophet and Statesman ص ۹۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ ھ ۳۱ مئی ۶۲۲ء کو پڑتی ہے: Muhammad Rasulullah ص ۹۰۔

[12] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۲ اور ۳۹۳؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۲۰۶ اور ۲۰۷؛ صحیح بخاری (جیسا کہ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں نقل کیا ہے: ج ۳، ص ۲۰۶)۔

[13] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۵۲۔

[14] نور الدین ابن جمال الدین، وفاء الوفاء، ج ۱، ص ۱۸۰؛ عبد الرحمان سہیلی، الروض الانف، ج ۲، ص ۱۱۔

ترجمہ:۔ ”وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے۔ اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے۔ اور رات کو (اللہ کی عبادت کی خاطر) جاگتا رہتا ہے۔“

یہی وہ مسجد ہے جس کے متعلق مندرجہ ذیل قرآن کی آئیں اشارہ کرتی ہیں۔

لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقۡوٰی مِنۡ اَوَّلِ یَوۡمٍ اَحَقُّ اَنۡ تَقُوۡمَ فِیۡهِ (التوبہ ۹)

ترجمہ:۔ ”وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو۔“

مدینہ منورہ، یثرب کا نیا نام

بروز جمعہ ۱۲، ربیع الاوّل[۱۵] مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے یثرب کے لیے روانہ ہوئے۔

راستے میں بنو سالم[۱۶] کے محلہ میں آپؐ نے جمعہ کی نماز ادا کی یہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے جمعہ کی نماز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں ادا کی گئی۔ آپؐ نے جمعہ کی نماز میں شرکت کرنے والے حاضرین کے سامنے ایک خطبہ دیا جس نے سارے سامعین کا دل موہ لیا۔

جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یثرب کی طرف بڑھے، اس شہر کا ایک

---

۱۵ ۱۲، ربیع الاوّل کی یہ تاریخ اس نظریہ کے تحت ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۸ ربیع الاوّل بروز دوشنبہ قبا تشریف لائے تھے۔ ابن اسحاق اور دوسرے مؤرخین و سیرت نگاروں کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبا میں قیام چار دن رہا تھا اور آپؐ جمعہ کے روز مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہو گئے تھے۔ ملاحظہ ہو: شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۵۲؛ الروض الانف، ج ۲، ص ۱۱؛ الاستیعاب، ج ۱، ص ۱۷ اور ۱۸؛ السیرۃ النبویۃ (از ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۹۴)؛ وغیرہ۔

لیکن اس سلسلے میں اختلاف رائے بھی ہے جہاں تک ان دونوں کی تعداد کا سوال ہے جتنے دن آپؐ کا قیام قبا میں رہا تھا مختلف مؤرخین و سیرت نگاروں نے مختلف تعداد بتائی ہے اور تمام روایتیں جمع کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعداد چار دن سے لے کر بیس دن تک ہے۔ ملاحظہ ہو: شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۵۱ تا ۳۵۲؛ تاریخ الرسل والملوک (از ابن جریر طبری)، ج ۲، ص ۳۸۲، بعض مؤرخین کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے لیے ۲ ربیع الاوّل بروز جمعہ روانہ ہوئے تھے۔

۱۶ ابن ہشام بحوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۹۴؛ محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۵۴؛ ابن جریر طبری، بحوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۴؛ ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۳۰۹؛ علامہ شبلی نعمانی، بحوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۰۰؛ ابن اثیر، بحوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۱۔

نوٹ:۔ (۱) ابن ہشام کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ میں پہلی جمعہ کی نماز ابوامامہ اسعد بن زرارہؓ نے پڑھائی تھی۔ السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۲۲، السیرۃ النبویہ (جدید مطبوعات، دارالقلم، بیروت) ج ۲، ص ۷۷۔ (۲) پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق تاریخ اسلام میں جمعہ کا پہلا خطبہ و نماز حضرت مصعب بن عمیرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے قبل (مدینہ منورہ میں) ادا کی تھی۔ ملاحظہ ہو Muhammad Rasulullah، ص ۵۰۔

مشہور قبیلہ بنو نجار تھا۔ یہ لوگ آپؐ کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔ بنو نجار کے لوگ آپؐ کے استقبال کے لیے ہتھیار لگا کر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر میں داخلے کے وقت بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا گویا حکمران ایک عظیم فتح کے بعد اپنے شہر میں داخل ہو رہا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ کردار اور آپؐ کی تعلیمات نے لوگوں کا دل جیت لیا تھا۔ اس اعتبار سے یقیناً آپؐ ایک عظیم فاتح تھے۔ یثرب کا ہر فرد بیحد فرحاں و شاداں تھا۔ گھر میں رہنے والی عورتیں بھی اپنی چھتوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں (اس وقت تک پردہ کے احکامات نازل نہیں ہوئے تھے) اور خوشی کے ترانے گا رہی تھیں:۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَى لِلّٰهِ دَاعٍ[١٧]

ترجمہ:۔ "چاند نکل آیا کوہ وداع کی گھاٹیوں سے۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔"

بنو نجار (وہ قبیلہ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ ہاشم کی بیوی سلمٰی تھیں) کی چھوٹی بچیاں خوشی میں گیت گا رہی تھیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ يَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ[١٨]

ترجمہ:۔ "ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا اچھا ہمسایہ ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچیوں سے پوچھا "کیا تم مجھے چاہتی ہو؟" وہ بولیں "ہاں"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں بھی تم کو چاہتا ہوں"[١٩]۔

شہر کے ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مہمان بنیں رسول اللہ صلی اللہ

---

[١٧] نور الدین ابن جمال الدین، وفاء الوفاء، ج ۱، ص ۱۸۷؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۸۲، اور ج ۱، ص ۲۵۹؛ علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۷۸؛ ڈاکٹر ماجد علی خان The Last Prophet ص ۳۴؛ بیہقی نوٹ:۔ کچھ مؤرخین کے مطابق یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں داخل ہوئے تھے۔

[١٨] نور الدین ابن جمال الدین، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۸۷؛ علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۸۷؛ بیہقی بروایت انسؓ ابن مالک (جیسا کہ ابن کثیر نے سیرت میں تحریر کیا ہے)۔ ج ۲، ص ۲۴۴؛ ڈاکٹر ماجد علی خان، The Last Prophet، ص ۳۶۔

[١٩] نور الدین ابن جمال الدین، وفاء الوفاء، ج ۱، ص ۱۸۷؛ علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۲۷۸۔

علیہ وسلم کے لیے اس کا فیصلہ کرنا انتہائی نازک تھا۔ آپؐ نے اُن سے فرمایا کہ وہ لوگ اونٹنی کا راستہ چھوڑ دیں اور جہاں اونٹنی ٹھہرے گی اسی قبیلہ میں آپؐ کا قیام ہوگا۔ چنانچہ اونٹنی مالک بن نجار کے محلہ میں اس مقام پر ٹھہری جہاں کہ اب مسجد نبوی واقع ہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے اونٹنی کا کجاوا اتارا اور اپنے گھر میں اس کو رکھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں قیام فرمایا جہاں اونٹنی بیٹھی تھی وہ دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی جگہ تھی[20]۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ اپنی قسمت پر نازاں تھے۔ ان کا مکان دو منزلہ تھا۔ جس میں اوپر والی منزل انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی لیکن آپؐ نے زائرین اور ملاقات کرنے والوں کی سہولت کی خاطر نچلی منزل کو اپنے لیے پسند فرمایا حضرت ابوایوب انصاریؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ممکن طریقے سے آرام بہم پہونچایا۔ آپؐ ان کے گھر سات مہینے سے زائد مقیم رہے[21]۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے متبنّٰی بیٹے) حضرت زیدؓ اور اپنے غلام حضرت ابورافعؓ کو مکہ بھیج کر اپنے گھر والوں کو بھی مدینہ بلالیا چنانچہ آپؐ کی بیوی حضرت سودہؓ اور آپؐ کی دو بیٹیاں حضرت فاطمہؓ اور ام کلثومؓ رضی اللہ عنہما بھی مدینہ پہونچ گئیں۔

جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب میں اقامت اختیار کی اس وقت سے اس شہر کا نام بدل کر "مدینۃ النبیؐ" (یعنی نبیؐ کا شہر) ہوگیا جو مسلمانوں میں عام طور پر "المدینۃ المنورۃ" (مدینہ منورہ) کے نام سے مشہور ہے اس کے دیگر مشہور نام "طیبہ"[22] اور "طابۃ" بھی ہیں۔

مسجد نبوی کی تعمیر:-

مسلمانوں کے نماز پڑھنے کے لیے ایک مسجد کی سخت ضرورت تھی۔ اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی توجہ ایک مسجد کی تعمیر کرنے میں مرکوز کردی۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان

۲۰۔ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۹۴ تا ۴۹۶؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۳۷؛ ابن عبد البر، الدرر ص ۹۴؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۶؛ عبد الرحمان سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۲؛ محمد زرقانی حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۵۷؛ ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۲۰۔

۲۱۔ سیرۃ از ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۷۹۔ نوٹ:۔ کچھ کتابوں میں یہ مدت کم بیان کی گئی ہے۔

۲۲۔ عبد الرحمان سہیلی، الروض الانف، ج ۱، ص ۱۶؛ مزید ملاحظہ ہو؛ "وفاء الوفاء" از نور الدین بن کمال الدین۔

کے سامنے ایک خالی جگہ تھی یہ وہی زمین تھی جہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قباء سے آنے کے بعد بیٹھ گئی تھی۔ یہ زمین دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور ان سے مسجد کے لیے زمین کو خریدنے کی خواہش ظاہر کی، وہ دونوں بچے نہ صرف بخوشی راضی ہو گئے بلکہ انھوں نے اس زمین کو بغیر قیمت مسجد کے لیے وقف کر دینے کی رضامندی ظاہر کی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی نہ ہوئے۔ اور آپ نے زمین قیمت دے کر خریدی[۲۳]۔ بعض روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو زمین کی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا[۲۴]۔ اس زمین میں چند کھجور کے درخت اور کچھ قبریں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو ہموار کر دینے کا حکم دیا، درختوں کو کاٹ دیا گیا اور ان کے تنوں کو مسجد کے چھائے ہوئے حصے میں ستونوں کے طور پر استعمال کیا گیا۔

اس طرح مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہو گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام کیا[۲۵]۔ آپ کے صحابہؓ کام کرتے جاتے اور ساتھ ساتھ یہ رجز یا اشعار پڑھتے جاتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کا ساتھ دے رہے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْآخِرَة

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَة[۲۶]

ترجمہ: "اے اللہ (اصل) زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے، پس تو انصار اور مہاجرین کو بخشش دے۔"

جب مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۲۷]، "یہ جگہ میرا گھر، میری عبادتگاہ

۲۳۔ صحیح بخاری، باب الہجرۃ، ج ۱، ص ۵۵۵؛ سنن ابوداؤد، باب فی بناء المسجد، ج ۱، ص ۳؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۳۶۴؛ عبدالرحمان سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۲؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۳۹۶؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۴۷۔

۲۴۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۳۹؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۶۴۔

۲۵۔ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۶۶ تا ۳۶۸۔

۲۶۔ سیرۃ از ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۵۱؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۱۱۔

۲۷۔ سنن ابی داؤد، باب فی بناء المسجد، ج ۱، ص ۳۱؛ صحیح بخاری (باب المسجد)؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۳۶۶؛ الروض الانف کے حاشیہ میں سیرۃ ابن ہشام کا حوالہ بھی دیا گیا ہے ملاحظہ ہو، الجزء الاول،

اور میری (دائمی) آرام گاہ ہوگی۔[۲۸] مسجد سے متصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے حجرے کی تعمیر ہوئی۔[۲۹] ابتدا میں صرف دو حجرے تعمیر کیے گئے ایک حضرت سودہؓ کے لیے اور ایک حضرت عائشہؓ کے لیے لیکن بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دیگر ازواج مطہرات سے شادی کی تو ان کے لیے مزید حجرے بنائے گئے یہ حجرے کچی اینٹوں کے تھے اور ان کی چھت کھجور کے پتوں سے چھائی گئی تھی۔

مسجد نبوی ہر قسم کی آرائش و زیبائش اور مصنوعات و تکلفات سے مبرا تھی۔ یہ درحقیقت اسلام کی سادگی کی ایک مکمل تصویر تھی۔ مدینہ منورہ مذہب اسلام کی ترقی و ترویج کے لیے ایک موزوں ترین مقام ثابت ہوا۔ نماز کی موجودہ جامع ترین صورت مدینہ میں ہی تکمیل پذیر ہوئی اور اسلامی تاریخ کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا، جس کے دوران اس دین کو پوری طرح مکمل کیا گیا۔

نماز باجماعت کی اطلاع کے لیے اذان کا اجرا کیا گیا۔ حضرت بلالؓ مسجد نبوی کے مؤذن مقرر ہوئے۔[۳۰] شروع میں مسلمان مسجد میں بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے جو کہ پچھلے انبیاء کا قبلہ تھا لیکن بعد میں (۲ھ میں) اللہ نے قبلہ تبدیل کرکے کعبہ (یعنی مکہ مکرمہ) کی طرف کردیا۔ اس بارے میں تفصیلی بحث بعد میں آئے گی۔

صُفّہ:۔

مسجد کی ایک جانب ایک بڑا چبوترہ بنایا گیا جس کو چھا دیا گیا تھا۔ یہ جگہ نہ صرف اسلامی تعلیم کا مرکز تھی بلکہ غریب مسلمانوں (بالخصوص مکہ کے آئے ہوئے غریب مہاجرین) کی جائے پناہ بھی تھی۔ جو مسلمان وہاں قیام پذیر تھے انھیں اصحاب صفہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔[۳۱] حضرت ابوہریرہؓ جن سے

۲۸۔ "پیامبر کا انگریزی ترجمہ"، ج ۳، ص ۲۰۔

۲۹۔ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۴۰؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۶۹ اور ۳۷۰؛ ابن قیم، زادالمعاد، ج ۱، ص ۳۱۴۔

۳۰۔ سنن ابوداؤد، (باب بدء الاذان)، ج ۱، ص ۱۸۶؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۰۸ اور ۵۰۹؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۷۵ تا ۳۸۰؛ عبدالرحمان سہیلی، حوالہ مذکورہ ——— ج ۲، ص ۱۹۔

۳۱۔ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۷

کثیر تعداد میں حدیثیں روایت کی گئی ہیں اصحاب صُفّہ ہی میں سے تھے۔

مواخاۃ: اسی اثنا میں مسلم مہاجرین کثیر تعداد میں مدینہ منورہ آتے رہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان غریب ونادار مہاجرین کی طرف مبذول ہوئی، جنہوں نے اللہ، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے دین کی خاطر اپنے وطن اور اپنے تمام اثاثہ کو چھوڑ دیا تھا۔ اسلام کی یہ تعلیم کہ "ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے" مدینہ منورہ میں پوری طرح آزمائی گئی۔ مکہ کے کفار نے مہاجرین سے ہجرت کے وقت ان کا تمام اثاثہ چھین لیا تھا۔ ان کی اس مصیبت کا صحیح حل اسلامی مواخاۃ ہی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں مدینہ کے مسلمانوں میں سے ایک مسلمان اور مکہ سے آئے ہوئے مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کے درمیان مواخاۃ[121] (بھائی چارہ) کرایا۔ مدنی مسلمانوں کا لقب انصار (مددگار) اور مکی مسلمانوں کا لقب مہاجرین پڑا۔ یہ بھائی چارگی سگے بھائیوں کے رشتہ سے بڑھ کر ثابت ہوئی۔ انصار نے مہاجرین کو اپنے تمام اثاثہ کا حصہ دار بنا لیا۔[122] اس طرح مکہ کے مسلمانوں نے مدینہ منورہ میں ایک نیا گھر پایا۔ یہ محبت، مہربانی، اور ہمدردی کی نادر مثال تھی جو اسلام نے دو ایسی قوموں کو جو تہذیب وثقافت اور نسل وخاندان کے اعتبار سے بالکل مختلف تھیں، رشتہ اتحاد میں منسلک کر کے پیش کی تھی۔ اور ان کو بھائی چارگی ومواخاۃ کے راستہ پر لا کھڑا کیا تھا۔ مہاجرین نے بھی اپنے اعلیٰ اخلاق وکردار کا پورا مظاہرہ کیا اور اس قسم کی مدد کو حتی الامکان قبول کرنے سے گریز کیا۔ انھوں نے اپنا کام خود کرنے کو ترجیح دی۔ اس نادر المثال مواخاۃ کے بارے میں قرآن کریم مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ کرتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ط (الانفال)

ترجمہ: "بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی، اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے راستہ میں جہاد بھی کیا۔ اور جن لوگوں نے رہنے کو جگہ دی اور مدد کی۔ یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ (سورۃ الانفال، آیت ۷۲)

---

[121] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۵۰۰؛ عبدالرحمان سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۸۱؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۷۳؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۴۱، اور ۲۴۲؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۹۶۔

[122] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، صحیح بخاری، باب المواخاۃ،

مذکورہ بالا حکم کی بنیاد پر (جب تک کہ وراثت کے مستقل احکامات نازل نہیں ہوئے اس وقت تک) ایک مہاجر اپنے انصاری بھائی کے ترکہ میں وارث ہوتا تھا جب کہ انصاری کے اپنے رشتہ دار اس ترکہ میں وراثت سے محروم رہتے تھے۔[۲۳] لیکن غزوۂ بدر کے بعد جب مہاجرین کو مدد کی ضرورت نہیں رہی تو مذکورہ بالا حکم مندرجہ ذیل آیت سے منسوخ کر دیا گیا۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ (الانفال)

ترجمہ: "اور جو رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حق دار ہیں۔" (سورۃ الانفال آیت ۵)

مہاجرین نے تجارت کو زیادہ پسند کیا جب کہ انصار کھیتی باڑی کرتے تھے۔ جلد ہی کچھ مہاجرین تجارت میں کافی آگے بڑھ گئے اور بڑے تاجروں میں شمار ہونے لگے مثلاً حضرت عثمانؓ اور حضرت عبد الرحمانؓ بن عوف وغیرہ۔

بیت المال

تاریخ میں پہلی مرتبہ لوگوں نے ایک مشترکہ فنڈ قائم کرنے میں حصہ لیا جس کا مقصد عوامی فلاح و بہبود اور ان کی اعانت و مدد تھی۔ اس فنڈ کا نام "بیت المال" رکھا گیا۔ غریب مسلمان بشمول اصحاب صُفّہ اس سے مستفید ہوتے تھے۔

یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مدینہ کے اطراف میں یہودیوں کی نو آبادیات تھیں۔ یہودی بڑے تاجر و سوداگر اور سرمایہ دار تھے۔ یہ ناقابلِ برداشت شرح سود پر قرضہ دیتے تھے اور اپنے قرضے کو واپس لینے میں بہت سختی سے پیش آتے تھے۔ مدینہ منورہ میں رہنے والے قبیلے اوس و خزرج اسلام سے قبل اکثر برسرِ پیکار رہتے۔ مشہور جنگ بعاث ان قبیلوں کی وہ آخری جنگ تھی جس نے ان کی طاقت

---

۲۳ صحیح بخاری کتاب التفسیر، ج ۲، ص ۶۵۹؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۲۳۸؛ طہ ندقانی، حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۳۰۴؛ ابن عبد البر، الدلائل ص ۹۶؛ ابن قیم، زاد المعاد، ص ۳۱۲۔

کو پوری طرح برباد کیا تھا۔ مدینہ والوں کی آپسی پھوٹ یہودیوں کے حق میں تھی وہ کبھی نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگ متحد ہوں۔

طلوع اسلام اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں آمد آپس میں مسلسل جنگ و جدال میں مبتلا اوس و خزرج کے قبیلوں کے اتحاد کا سبب بنی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رہنے والے مہاجرین و انصار اور مسلمانوں اور یہودیوں تمام لوگوں میں آپس میں اچھے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے اس شہر میں امن قائم کرنے کی خاطر اسلام اور یہودیت کے درمیان مشترکہ اقتدار کی بنیادیں فراہم کیں اور مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ کو انتہائی ضروری قرار دیا۔ معاہدہ کی یہ دفعات تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔[۳۵]

معاہدہ کے اہم اقتباسات ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ یہ دستاویز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جو اللہ کے نبی ہیں، قریش اور اہلِ یثرب میں سے مومنوں اور مسلموں نیز ان لوگوں کے درمیان جو ان کے تابع ہوں، ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جہاد میں حصّہ لیں۔

دوسرے لوگوں کے بالمقابل وہ ایک امت ہیں قریش میں سے مہاجرین اسلام سے پہلے کے دستور کے مطابق خوں بہا ادا کریں گے اور اپنے اسیروں کا فدیہ ادا کریں گے تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

---

۳۵ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۰۱ تا ۵۰۴؛ عبد الرحمان سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۶ اور ۱۷؛ مزید ملاحظہ ہو۔ حیاۃ محمد، ص ۲۸۶ تا ۲۹۱؛ رحمت للعالمین، ص ۱۰۰ اور ۱۰۱؛ ڈاکٹر ماجد علی خان The Last Prophet ص ۳۸ و ۳۹؛۔
ڈاکٹر محمد حمید اللہ Muhammad Rasulullah ص ۶۳ تا ۶۶، اور
The First Written Constitution of The World
لاہور، ۱۹۹۸، ص ۱۰ تا ۴۹؛ اے گلوم A. Guillaume, The Life of Muhammad
[illegible]

اور بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خوں بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے اسیروں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو۔

(اسی طرح بنو ساعدہ۔ بنو حارث، بنو جشم۔ بنو نجار۔ بنو عمرو بن عوف۔ بنو النبیت اور بنو اوس بھی کریں گے تاکہ ایمانداروں کا برتاؤ باہم نیکی اور انصاف کا ہو)۔ . . . . . .

کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی اجازت کے بغیر اس کے مولی (معاہداتی بھائی) سے معاہدہ نہ کرے گا۔

متقی اور ایماندار مسلمان ہر اس شخص کی مخالفت پر کمربستہ رہیں گے، جو ان میں سے سرکشی کرے، جو ظلم یا گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو یا مومنوں میں فساد پھیلائے۔ ان سب کے ہاتھ ایسے شخص کی مخالفت پر ایک ساتھ اٹھیں گے۔ خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

کوئی مومن کسی مومن کو کافر کی خاطر قتل نہیں کرے گا اور نہ کسی مومن کے خلاف کافر کی امداد کرے گا۔ . . . .

یہودیوں میں سے جو اتباع کرے گا اسے امداد و مساوات حاصل ہوگی نہ ایسے لوگوں پر ظلم ہوگا۔ اور نہ اس کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔

مومنوں کی صلح ایک ہی ہوگی۔ اگر کوئی اللہ کی راہ میں (جہاد کر رہا ہو) تو کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا۔ جب تک کہ یہ صلح سب کے لیے برابر نہ ہو . . . .

اور مومنین اس چیز کا بدلہ لیں گے جو خدا کی راہ میں ان کے خون کو پہونچے۔ . . .

اور جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا اور گواہوں سے اس کا ثبوت بھی فراہم ہو جائے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ بجز اس صورت کے کہ مقتول کا ولی خونبہا پر راضی ہو جائے اور تمام مومنین اس کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا ان کے لیے کوئی دیگر صورت جائز نہیں ہوگی۔ . . . .

اور یہودی جب تک مومنین کے ساتھ مل کر جنگ کرتے رہیں گے (اس جنگ کے) مصارف بھی برداشت کریں گے ۔

اور بنو عوف کے یہودی، مومنین کے ساتھ ایک امت (سیاسی وحدت) تسلیم کیے جاتے ہیں یہودی اپنے دین پر رہیں گے، مسلمان اپنے دین پر خواہ موالی ہوں یا اصل البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات یا گھرانے کے علاوہ کسی کو ہلاکت وفساد میں نہیں ڈالیں گے .... (اسی طرح یہودیوں کے مختلف قبیلوں مثلاً بنو نجار کے یہودی بنو حارث کے یہودی، بنو ساعدہ کے یہودی بنو جشم کے یہودی، بنو اوس کے یہودی اور بنو ثعلبہ وغیرہ کے یہودیوں کے بارے میں بھی اوپر دی گئی دفعہ کے مطابق الفاظ درج ہیں) ....

.... (تمام یہودی قبائل کا ذکر کرنے کے بعد معاہدہ میں یہ الفاظ ہیں،) وفاشعاری ہو نہ کہ عہد شکنی ....

اور یہودیوں کے قبائل کی شاخوں کے بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو کہ اصل کو ہیں ۔ اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد علیہ السلام کی اجازت کے بغیر جنگ کے لیے نہیں نکلے گا ۔ زخم کا بدلہ لینے میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی ۔ جو شخص خونریزی کرے تو ذمہ داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہوگی بجز اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ اس کے ساتھ ہے یہودی اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے خرچ کے ۔

جو کوئی اس دستور العمل کو قبول کرنے والوں کے خلاف جنگ کرے تو وہ (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے ۔ وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی پر عمل پیرا رہیں گے ۔ اور باہم مشورہ کریں گے ۔ وفا کا شیوہ ہوگا نہ کہ عہد شکنی ....

یثرب (مدینہ) کی وادی اس دستور العمل کو ماننے والوں کے نزدیک مقدس و محترم ہوگی ۔ پناہ گزیں سے ویسے ہی برتاؤ ہوگا جیسا کہ اصل شخص (یعنی پناہ دہندہ) سے ہو رہا ہو، نہ اسے کوئی نقصان پہونچایا جائے، اور نہ ہی وہ کسی جرم کا مرتکب ہوگا، کسی عورت کو اس کے کنبہ والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہیں دی جائے گی ۔

اس دستور العمل کو قبول کرنے والوں کے درمیان کوئی نیا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو جس پر فساد رونما ہونے کا ڈر ہو تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیا جائے گا۔ نہ (کفار) قریش کو پناہ دی جائے گی اور نہ اس شخص کو جو ان کا معاون ہو۔

اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہو تو (معاہد فریقوں یعنی یہودیوں اور مسلمانوں پر) ایک دوسرے کی امداد و نصرت لازم ہو گی۔ اگر انھیں صلح کر لینے اور اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی جائے گی تو وہ اسے قبول کر لیں گے اور شریک ہوں گے۔ اسی طرح جب وہ کسی کو صلح کے لیے بلائیں تو اسے قبول کریں گے۔ اور مسلمانوں پر بھی قبول کرنا لازم ہوگا بجز اس صورت کے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ کہ اس صحیفے میں ہے اس کی سب سے زیادہ تصدیق کرنے والا ہے . . . . یہ نوشتہ کسی ظالم اور مجرم کو سزا دینے میں مانع نہیں ہوگا . . . .

اللہ اس شخص کا حامی ہے جو عہد و اقرار میں وفا شعار اور پرہیزگار رہے اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے حامی ہیں۔"

مذکورہ بالا معاہدہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:۔

"تاریخ انسانی میں کسی بھی ریاست کے حکمراں کا یہ وہ پہلا تحریری دستور العمل ہے جو پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جاری کیا تھا، گو کہ یہ ہجرت کے پہلے سال (۶۲۲ء) میں لکھا گیا تھا، لیکن ہم تک یہ پوری طرح اسی انداز میں پہونچا ہے (جس طرح کہ یہ لکھا گیا تھا)"[۲۱]

معاہدہ کے خاص خاص نکات پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ مزید تحریر کرتے ہیں:۔

۲۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، The Journal of The Muslim World League, "The First Written Constitution of The World" ، مکہ مکرمہ، ۱۹۷۴ء (۱۳۹۴ھ) ج ۱۱، شمارہ نمبر ۹، ص ۴۔

"........ مدینہ منورہ میں ایک ایسی متحد ریاست کا بنانا ناگزیر تھا جس کے مختلف حصوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی ہو لیکن (ساتھ ہی ساتھ) بجی طور پر انصاف کی خاطر عدالت قائم کرنے پر پابندی بھی ہو، اور ریاست کے سربراہ کو براہ راست یہ حق حاصل ہو کر وہ اپیل سن سکے نیز اس کو یہ بھی اختیار حاصل ہو کہ کون لوگ کس جنگی مہم میں شرکت کریں۔ اس کے علاوہ وہ جنگ چھیڑنے اور امن قائم کرنے کا بھی اختیار رکھتا ہو۔ (اس ریاست میں) ہر فرد کے لیے معاشرتی ضمانت ایک محفوظ بنیاد (یعنی معمولی اور قابل برداشت بنیاد) پر قائم کی گئی ہو جن میں خوں بہا جیسی بھاری رقم کا بھی اس صورت میں ادا کرنا ممکن ہو جبکہ قاتل کو سزائے موت نہ دی جا سکے۔ اسی طرح جنگی قیدیوں کی دشمنوں سے آزادی بھی (اسی بنیاد پر) ممکن ہو۔ چنانچہ سب لوگ اس معاہدہ پر متفق ہو گئے اس کی دفعات تحریر کی گئیں اور دستور العمل بن گیا، ایک ایسا دستور جو کہ دنیا میں کسی بھی ریاست کے حکمراں نے پہلی بار تحریری شکل میں جاری کیا۔ اس دستور کا متن مکمل شکل میں ہم تک پہونچا ہے۔"[۳۷]

مستشرق ٹورانیڈری Tor Andrae مندرجہ ذیل الفاظ میں اس معاہدہ پر تبصرہ کرتا ہے:۔

"مدینہ کی امت کے قوانین کسی دینی حکومت کے دستور کی وہ پہلی دستاویز ہیں جس نے بتدریج اسلام کو ایک عالمی مملکت اور عالمی دین بنایا.........

(اس دستور کے مطابق) اگر کوئی بھی مذہبی مقتدر اعلیٰ کے خلاف کام کرتا تو وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے ہاتھوں بھی مامون و محفوظ نہیں تھا۔ (اس کے مطابق) اسلام نہ صرف ایک مذہب بلکہ ایک برادری بن گیا تھا۔ جیسا کہ (قرآن) سورہ نمبر ۴۹ (حجرات) کی آیت نمبر ۱۰ کہتی ہے: "مومنین تو سب بھائی ہیں"[۳۸] اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

۳۷۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، Muhammad Rasulullah پیراگراف ۱۴۴، ص ۶۳۔

۳۸۔ ٹورانیڈری، Tor Andrae Muhammad, The Man And His Faith، ص ۱۳۶۔

منافقین:۔

ایک مختصر عرصہ میں یہودیوں کو چھوڑ کر تمام اہل مدینہ نے اسلام قبول کرلیا۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشن کی کامیابی نہیں چاہتے تھے۔ آپؐ کی ہجرت مدینہ سے قبل عبداللہ ابن اُبی جو اس شہر کا حکمراں بننے کا خواب دیکھ رہا تھا، ایسے لوگوں کا سرغنہ تھا۔ یہ لوگ صرف زبان سے اسلام کا اقرار کرتے تھے۔ لیکن اندرونی طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے کینہ اور بغض رکھتے تھے[39] قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو "منافقین" کہا ہے بعد میں ان لوگوں نے یہودیوں اور دوسرے دشمنان اسلام کے ساتھ تعاون کیا[40] اور ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کی کوشش کی۔

سلہ میں رونما ہونے والے متفرق واقعات

(۱) حضرت عائشہؓ کی رخصتی:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ کا نکاح مکہ مکرمہ میں حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ہی ہوگیا تھا۔ لیکن رخصتی نہیں تھی۔ بعض روایات[41] کے مطابق حضرت عائشہؓ کی رخصتی شوال سلہ میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۹ سال کی تھی[42] اس زمانہ میں عرب کے اندر ۹ سال کی لڑکیاں کافی بڑی اور بالغ ہوجایا کرتی تھیں، اس حقیقت کا اقرار مشہور مستشرق اور حضرت عائشہؓ کی اس کم عمری میں شادی کا زبردست معترض منٹگمری واٹ W. Montogomery Watt بھی کرتا ہے[43]

---

[39] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۸۶۔
[40] ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۰۱؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۸۶؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۴۲۔
[41] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۸ اور ۳۹۹۔
[42] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۹۔
[43] منٹگمری واٹ Muhammad, Prophet And Statesman . Montogomery Watt ص ۱۰۲۔

ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل کی موت:۔

اسی سال مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمنوں ولید ابن مغیرہ و عاص ابن وائل کی موت واقع ہوئی۔[۳۴]

(۳) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی پیدائش:۔

مسلمانوں کی مدینہ منورہ ہجرت کے بعد کافی عرصہ تک مہاجرین میں سے کسی کے گھر میں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ اس پر منافقین نے یہ طنز کیا کہ ایسا یہودیوں کے جادو کے اثر سے ہوا ہے۔ اسی دوران حضرت زبیرؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی) کے یہاں حضرت اسماءؓ (حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی) سے عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش سے مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔[۳۵]

(۴) نماز کی فرض رکعات میں اضافہ:۔

اب تک ہر نماز میں صرف دو رکعات فرض تھیں۔ ہجرت کے ایک ماہ بعد یعنی ربیع الآخر میں[۳۶] ظہر، عصر اور عشاء کی نمازوں میں فرض رکعتوں کی تعداد چار چار ہوگئی۔ البتہ دوران سفر ان نمازوں میں وہی دو رکعتیں قائم رہیں۔

(۵) عبداللہ بن سلام کا اسلام:۔

عبداللہ بن سلام یہودیوں کے ایک بڑے عالم تھے۔ انھوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سنا تو آپؐ کو پیغمبر آخر الزماں کی حیثیت سے پہچان لیا۔ وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ان کے اسلام سے یہودیوں کو بڑا دھچکہ لگا۔

---

۳۴ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۸۔

۳۵ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۰۱۔
نوٹ:۔ بعض روایات کے مطابق جنہیں طبری نے نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیر ہجرت سے تقریباً ۴ یا ۲۰ مہینے کے بعد پیدا ہوئے یعنی سنہ ۲ھ میں۔

۳۶ محمد زرقانی۔ حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۶۴ – ۳۶۵؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۰۰۔

باب ۷

ہجرت کا دوسرا سال

مدینہ کے مسلمانوں کے خلاف قریش کی سازش:۔

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان مدینہ منورہ ہجرت کر گئے لیکن قریش نے ان کے اور اسلام کے خلاف اپنی نفرت و دشمنی نہیں چھوڑی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑھتی ہوئی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کو کسی بھی صورت میں برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے مسلمانوں کے لئے مدینہ منورہ میں امن و سکون کے دن بہت کم ثابت ہوئے۔ وہاں پر ان کی بڑھتی ہوئی خوشحالی اور روز افزوں ترقی دیکھ کر قریش کی تشویش میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اور انھوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی اس طاقت اور ان کے اس اثر کو بالکل ختم کر کے رہیں گے۔ اس کام کے لئے ان کو مدینہ میں ایک بہترین آلۂ کار مل گیا۔ اور وہ تھا منافقوں کا سرغنہ عبداللہ بن اُبی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ کا حکمراں بننے کا خواب دیکھ رہا تھا لیکن اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت مدینہ منورہ میں ایک با اثر و باعظمت مقتدرِ اعلیٰ کی ہو گئی تھی جس کی وجہ سے عبداللہ بن اُبی کی کی حیثیت کو گہن لگ گیا تھا حالانکہ آپؐ کی آمد سے پہلے وہ وہاں پر ایک منفرد حیثیت کا مالک تھا۔[1] اس وجہ سے عبداللہ بن اُبی کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف حسد، بغض و کینہ کی آگ سلگ رہی تھی۔ چنانچہ یہیں سے فتنہ کا آغاز ہوا۔ قریش

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۵۸۴؛ عبدالرحمٰن سہیلی، الروض الانف، ج ۲ ص ۱۵

عبداللہ بن اُبی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف اس معاندانہ رویہ سے پوری طرح واقف تھے چنانچہ انھوں نے اس بات کی کوشش کی کہ اس کی طاقت اور اثرات کو آلۂ کار بنا کر مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے باہر نکلوا دیں اس مقصد کے حصول کے لئے انھوں نے عبداللہ بن اُبی کے پاس ایک خط لکھا:

"تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا (مدینہ سے) ان کو باہر نکال دو۔ ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کر دیں گے اور تم کو فنا کر کے تمھاری عورتوں کو اپنے تصرف میں لے آئیں گے۔"[۱]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کی اطلاع ملی تو آپ عبداللہ بن اُبی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا: کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے خلاف جنگ کرو گے؟[۲] اس خوف نے کہ مبادا اس کی اپنی قوم کے لوگ اس کے خلاف نہ ہو جائیں عبداللہ بن اُبی کو مسلمانوں کے خلاف کسی کھلی ہوئی سازش اور ریشہ دوانی میں ملوث ہونے سے باز نہ رکھا۔

جب قریش کو اپنی اس کوشش میں ناکامی ہوئی تو وہ ان قبیلوں کی طرف متوجہ ہوئے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان آباد تھے انھوں نے اُن کو مسلمانوں کے خلاف اکسانا اور بھڑکانا شروع کیا۔

عبداللہ ابن اُبی بھی مدینہ میں سست نہیں بیٹھا رہا۔ خفیہ طور پر اس نے کچھ مخالفین کو ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔ جہاں تک یہودیوں کا معاملہ تھا ان کے اوپر بہت زیادہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جیسا کہ بعد میں توضیح کی جائے گی۔ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغض و کینہ رکھتے تھے اور کسی بھی لمحہ وہ مسلمانوں سے غداری کر سکتے تھے۔ غرض اندرونی و بیرونی دونوں اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے دشمن موجود تھے۔ "اس طرح مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے خلاف

---

[۱] علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۳۰۵؛ مزید ملاحظہ ہو سنن ابو داؤد، باب خبر النضیر
[۲] علامہ شبلی نعمانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۰۶۔

تین محاذوں کا سامنا کیا۔ قریش، یہودی اور منافقین جن کا سرغنہ عبداللہ ابن ابی تھا۔ یہودیوں کے معاملہ پر بعد میں غور کیا جائے گا۔ مسلمان ایک بار پھر ہر طرف سے دشمنان اسلام کے نرغہ میں تھے۔ ان کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ کہیں مدینہ کے باہر سے یا اندر سے ان پر حملہ نہ کر دیا جائے حضرت ابیؓ ابن کعب نے اس حالت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

عن ابی بن کعب قال لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ المدینۃ وآوتھم الانصار رمتھم العرب عن قوس واحدۃ وکانوا لایبیتون الا بالسلاح ولا یصبحون الا فیہ۔

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ جب مدینہ منورہ آئے اور انصار نے انھیں پناہ دی، تو تمام عرب ایک ساتھ ان سے لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہتھیار باندھ کر سوتے اور صبح نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ہتھیار بند ہوتے۔"[۴۹]

ایک روایت کے مطابق عین اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی دفاع کی خاطر تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (البقرہ ۲)

ترجمہ: اور اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں لیکن حد سے آگے نہ بڑھو۔" (سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حفاظتی اقدامات:۔

وحی الٰہی نے ان تمام شکوک و شبہات کو رفع کر دیا جو مسلمانوں کے ذہنوں میں ان کے دشمنوں کے ساتھ معاملہ کے سلسلہ میں ابھرتے۔ چنانچہ موجودہ حالات کے تحت رسول اللہ علیہ وسلم نے یہ زیادہ مناسب سمجھا کہ حالات بگڑنے سے پہلے ہی دفاعی تدابیر اختیار

---

[۴۸] ڈاکٹر ماجد علی خان، The Last Prophet ص ۳۹

[۴۹] صحیح بخاری؛ لباب فی اسباب التنزیل للسیوطی؛ مسند دارمی؛ ابوداؤد؛ حاکم

کرلی جائیں۔ اس سلسلہ میں آپؐ نے مندرجہ ذیل اقدامات کئے :

۱۔ سب سے پہلے آپؐ نے مدینہ کے اطراف میں قریش کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنے اور صحیح معلومات حاصل کرنے نیز ان کی خفیہ تدابیر پر نظر رکھنے کی غرض سے چھوٹے چھوٹے سرایا بھیجے۔ ان سرایا کے بھیجنے کے مقصد کی پوری وضاحت اس خط سے ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہؓ بن جحش کو اس وقت دیا تھا جب ان کو ایک جماعت کے ساتھ قریش کی خفیہ پلان جس کے تحت وہ مسلمانوں کو دھوکے میں رکھ کر حملہ کرنا چاہتے تھے، پر نظر رکھنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ واقدی کے مطابق (ملاحظہ ہو: ابن سعد، ج ۲، ص ۱۰) اس خط کا مضمون یہ تھا: "وادیٔ نخلہ جاؤ اور قریش کی گھات لگاؤ"۔ ابن اسحاق نے بھی (جیساکہ ابن ہشام نے نقل کیا ہے) اس خط کے تقریباً یہی الفاظ نقل کئے ہیں: "مکہ اور طائف کے درمیان وادیٔ نخلہ جاؤ اور وہاں قریش کی جاسوسی کرو اور ان سے متعلق خبریں ہم تک پہنچاؤ"۔ اس خط سے مغربی سیرت نگاروں کے ان غلط الزامات کی بھی تردید ہوتی ہے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس قسم کے سرایا قریش کے قافلوں کی لوٹ مار کی غرض سے بھیجے جاتے تھے۔

۲۔ مدینہ کے اطراف میں رہنے والے قبائل کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امن معاہدے بھی کئے۔ تاکہ وہ دشمنان اسلام سے نہ مل جائیں۔ اس کے نتیجہ میں بہت سے قبیلوں کے ساتھ مسلمانوں کے معاہدے ہوئے لیکن ان معاہدوں کی نوعیت صرف امداد باہمی کی تھی کیونکہ زیادہ تر معاہدوں کی شرائط یہ تھیں کہ وہ قبیلے مسلمانوں کی اس وقت مدد کریں گے جب مسلمانوں کا کوئی دشمن ان پر حملہ کرے گا اور اسی طرح مسلمان بھی ان کے حملہ آوروں کے مقابلہ میں ان کی مدد کریں گے مثلاً ایک معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں۔

"هذا كتاب من محمد رسول الله لبني ضمرة فانهم امنون على اموالهم وانفسهم وان لهم النصر على من رامهم الا ان يحاربوا في دين الله ما بل بحر صوفة وان النبي اذا دعاهم لنصره اجابوه الخ"

ترجمہ: یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے بنو ضمرۃ کے لئے۔ ان لوگوں کا جان اور مال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی، بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ اللہ کے دین کے مقابلہ میں لڑیں اور یہ اس وقت تک جب تک کہ سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا ہے۔ اور نبیؐ جب ان کو مدد کے لیے بلائیں گے تو یہ مدد کے لیے آئیں گے۔[۵۴]"

۴۔ اس قسم کے سرایا کو بھیجنے کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ قریش کے اس تجارتی راستے کی بھی نگرانی کی جائے جو مدینہ سے ہو کر شام کی طرف جاتا تھا، تاکہ وہ جنگ کے لئے ہتھیار اور دیگر آلات حرب نہ خرید سکیں۔

اس لئے ان سرایا کا جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات کی جانب بھیجا تھا مذکورہ بالا حقائق کو سامنے رکھ کر ہر قسم کے تعصب کی عینک اتار کر مطالعہ کیا جائے نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہر سریہ کو بھیجتے وقت آپؐ نے اس بات کی سخت مخالفت کی تھی کہ مسلمان از خود کسی سے چھیڑ خوانی کریں اور جھگڑا اٹھائیں۔ اس سلسلہ میں الحاج محمد علی سالمن اپنی انگریزی کتاب Muhammad, The Holy Prophet میں تحریر کرتے ہیں: "اس صورت میں اگر قریش جنگ کرتے تو یقیناً ان کا یہ قدم جارحانہ ہوتا یعنی وہ جنگ میں پہل کرنے والے ہوتے۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے یہ ناگزیر تھا کہ وہ اپنی حفاظت کی خاطر ان تدابیر اور پیش بندیوں کو اختیار کریں جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے۔ کیونکہ انھیں کے ذریعہ دشمن کے جارحانہ اقدامات کا تدارک ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ دشمنوں کو مدینہ پر یورش و یلغار کرنے سے روکا جائے۔"[۵۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بھیجے گئے مختلف سرایا کے مقاصد پر پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی صاحب نے ایک طویل بحث کی ہے اور محرکات کو بتایا ہے جو اس کے پیچھے تھے۔ یہاں پر ان کے مضمون کے (جو کہ رسالہ "برہان" میں چھپ چکا ہے) چند اقتباسات

---

[۵۴] محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۹۶؛ عبدالرحمن سہیلی، الروض الانف، ج ۲، ص ۵۸۔
[۵۵] اس موضوع پر مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو: محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۶۔ عبدالرحمن، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۵۹

پیش کئے جاتے ہیں:۔

"اب جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندرونی مسائل و معاملات کی تنظیم و ترتیب اور داخلی تحفظات کے انتظام و انصرام سے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے وقت کے سب سے اہم مسئلہ یا قریش کی طرف توجہ کی، اس سلسلے میں آپ کا پہلے سے سوچا اور سمجھا ہوا منصوبہ یہ تھا کہ قریش کی تجارتی لائن کو منقطع کر دیا جائے یہ وہی چیز ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں معاشی اور اقتصادی ناکابندی Economic Blockade کہتے ہیں۔ قریش کی طاقت و قوت کا دارومدار جو کچھ تھا وہ تجارت اور نہایت وسیع پیمانے پر کاروبار تھا اور شام و ایران وغیرہ جانے کے لئے قریش کے تجارتی قافلوں کا مدینہ کے راستے سے گزرنا ضروری تھا۔ جس پر اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبضہ تھا اور اس اقتصادی مزاحمت کا مقصد یہ تھا کہ قریش اس طرح صلح کرنے پر مجبور ہوں گے اور آنحضرت اور اسلام کے خلاف اپنی سخت معاندانہ روش سے باز آجائیں گے اور آزادی کے ساتھ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے آپؐ کے حق کو تسلیم کر لیں گے۔

بہرحال اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "سرایا" مقرر کئے۔ سرایا جمع سریہ کی ہے اور اس کا مادہ اشتقاق "سریٰ" ہے جس کے معنی رات کو چلنا اور سفر کرنا ہے۔ مورخین سیرت نے غزوہ اور سریہ کو خلط ملط کر دیا اور سریہ پر بھی بے تکلف غزوہ کے لفظ کا اطلاق کر دیتے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ غزوہ کے معنی جنگ ہیں جو دن کے وقت اور دوبدو ہوتی ہے اور اس میں دشمن سے کھلا مقابلہ ہوتا ہے، اس کے برخلاف سریہ کا کام اور اس کی نقل و حرکت پوشیدہ ہوتی ہے۔ سریہ کا ٹھیٹ ترجمہ اور اس کی حقیقت وہ ہے جو انگریزی میں لفظ Reconnaissance کی ہے اور جسے ہم اردو میں "گشتی دستہ" یا "چھاپہ مار دستہ" کہہ سکتے ہیں۔ اس دستہ کے مقاصد حسب ذیل ہیں:۔

(۱) دشمن کی نقل و حرکت کی خبر رکھنا اور ان کی ٹوہ لینا۔ (۲) جاسوسی کرنا۔ (۳) بے خبری میں دشمن پر چھاپہ مارنا۔ (۴) جو لوگ فتنہ انگیزی اور فساد پروری کر رہے ہوں ان کی سرزنش کرنا۔[۹]،،

غزوۂ بدر سے قبل بھیجے گئے سرایا اور جنگی مہمات

غزوۂ ودّان یا ابواء۔

وہ پہلا غزوہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی غزوۂ ودّان یا غزوۂ ابواء کے نام سے مشہور ہے، جو صفر سنہ ۲ھ میں ہوا[۱۰]۔ آپؐ مدینہ منورہ سے تقریباً ۲۹ میل[۱۱] کے فاصلہ پر ایک جگہ ودّان تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ ساٹھ[۱۱] حضرات تھے۔ وہاں پر آپؐ نے بنو ضمرۃ سے ایک معاہدہ کیا، اس معاہدہ کا متن اوپر گزر چکا ہے۔ اس غزوہ کا مقصد صرف معاہدہ کرنا ہی تھا۔ علامہ شبلی نعمانی (سیرۃ النبیؐ ج ۱، ص ۳۱۱) اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ <u>Muhammad Rasulullah</u> ص ۷۰) کے مطابق اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ مزینہ جو فراد (ابواء کا خاص شہر) میں آباد تھا، سے بھی معاہدہ کیا۔

سریہ حمزہؓ بن عبدالمطلب :۔

ودّان سے واپسی کے تقریباً دو ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ ابن عبدالمطلب کو ۳۰ گھوڑ سواروں (جن میں سب کے سب مہاجرین[۱۲] تھے) کے ساتھ بحر احمر (اس راستہ پر جس سے مکہ کے قافلے شام جاتے تھے) کی جانب بھیجا تا کہ وہ اس بات کا سراغ لگائیں کہ قریش کہیں مدینہ پر حملہ کا منصوبہ تو نہیں بنا رہے ہیں۔ ساحل سمندر پر حضرت حمزہؓ نے العیس کے

---

۹ عہد نبوی کے غزوات و سرایا، برہان، دہلی، ج ۲، نمبر ۵ (نومبر سنہ ۱۹۴۳ء)، ص ۲۳۶-۲۳۸

۱۰ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۵۹۱؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۸؛ ابن عبد البر اندلسی، ص ۱۰۳؛ عبدالرحمن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۵۳؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۳

۱۱ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۲؛ حاشیہ علی صحیح البخاری للشیخ احمد علی سہارنپوری ج ۲ ص ۵۶۳

۱۲ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۰ (نوٹ:۔ ابن سعد اور دوسرے مورخین کے مطابق اس سریہ میں انصار میں سے کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ وہ پہلی مہم جس میں انصار موجود تھے غزوۂ بدر تھا)

مقام پر ابوجہل کی قیادت میں ۳۰۰ گھوڑ سواروں کو دیکھا لیکن کوئی جنگ نہیں ہوئی اور حضرت حمزہؓ با حفاظت مدینہ منورہ لوٹ آئے[۱۳]۔

بعض مورخین (ابن سعد، الطبقات، ج ۲، ص ۶، وغیرہ) کے مطابق حضرت حمزہؓ اور ابوجہل کے دستوں میں جنگ چھڑ گئی ہوتی اگر مجدی ابن عمرو الجہنی، جس کا دونوں پارٹیوں (مسلمان اور قریش) سے معاہدہ امن تھا، بیچ میں نہ آگیا ہوتا۔ اس واقعے سے علامہ شبلی نعمانی یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جہینہ سے بھی معاہدہ امن کیا تھا (ملاحظہ ہو سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۲۱۰)۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا بھی تقریباً یہی خیال ہے (ملاحظہ ہو Muhammad, Rasulullah، ص ۷۷)۔ بعض مؤرخین کے نزدیک یہ سریہ رمضان سنہ ۱ھ میں پیش آیا تھا[۱۴] لیکن ابن اسحاق اور دوسرے مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ یہ سریہ ربیع الاول سنہ ۲ھ میں بھیجا گیا تھا[۱۵]۔

سریہ عبیدہ ابن حارث :

قریش کے ممکنہ حملے کی خبر گیری کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۰ سواروں (جن میں سب مہاجرین تھے) پر مشتمل ایک دوسرا دستہ حضرت عبیدہؓ ابن حارث کی قیادت میں مکہ کے ایک اور راستہ کی طرف بھیجا۔ اس مرتبہ مسلمانوں کا سامنا مکہ کے ۲۰۰ آدمیوں سے ہوا، جس کی قیادت عکرمہ بن ابو جہل کر رہا تھا۔ (ابن سعد کے مطابق یہ دستہ ابوسفیان کی قیادت میں تھا[۱۶]) اس مرتبہ بھی کوئی جنگ نہیں ہوئی، البتہ بعض مؤرخین کے مطابق ان دستوں نے ایک دوسرے پر تیر پھینکے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلا تیر اسی سریہ میں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے ذریعہ پھینکا گیا تھا[۱۷]۔ واقدی اور ابن سعد

۱۳؎ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۱۱؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۴۰۴؛ ابن خلدون تاریخ ج ۲، ص ۵۳۷؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۰۲۔

۱۴؎ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۔

۱۵؎ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۹۵۔

۱۶؎ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۹۱؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۰۴۔

۱۷؎ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۷؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۱۔

۱۸؎ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۹۱؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۰۴۔

کے بیان کے مطابق یہ سریہ شوال سنہ ۱ھ میں ہوا تھا[۱۱۹]۔ ابن ہشام کا کہنا ہے کہ کچھ راویوں کے مطابق یہ دستہ اس وقت بھیجا گیا تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابواء سے واپس تشریف لا رہے تھے (یعنی صفر یا اوائل ربیع الاول میں)

غزوہ بُواط (یا بَواط)

قریش کے سو آدمیوں کے ایک دستہ کی، جو امیہ ابن خلف کی قیادت میں تھا مدافعت کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول (ابن عبدالبر وغیرہ کے مطابق ربیع الآخر میں[۱۲۰]) دو سو مہاجرین کے ساتھ بواط کی طرف تشریف لے گئے۔ زیادہ تر مؤرخین کے مطابق اس غزوہ میں بھی صرف مہاجرین ہی تھے[۱۲۱]۔ یہ دستہ (جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک قافلہ تھا جس میں سامان سے لدے ہوئے ۱۵۰ اونٹ تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں ملا اور ان لوگوں نے اپنا راستہ بدل دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا ارادہ لڑنے کا نہیں ہے۔ تو آپؐ نے ان کا پیچھا نہیں کیا اور مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو سو آدمی تھے اور آپؐ قریش کے اس دستہ پر (جس میں ۱۰۰ آدمی تھے) پوری طرح حاوی ہو سکتے تھے لیکن آپؐ نے اس کا پیچھا نہیں کیا کیونکہ آپؐ کا ارادہ جارحانہ حملہ کرنے کا نہیں تھا حقیقت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ کے اندر قریش کے مختلف دستوں کی مدینہ کے اطراف میں نقل و حرکت کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں جس کے نتیجہ میں آپؐ مسلمانوں کے مختلف دستے روانہ کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں حافظ غلام سرور اپنی انگریزی کتاب میں تحریر کرتے ہیں: "آپؐ کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا جب کہ آپ مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے

---

[۱۱۹] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۵۹۱؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۲۔

[۱۲۰] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۹۸؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۳۔

[۱۲۱] ابن عبدالبر، الدرر، ص ۴۴

[۱۲۲] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۴۔

تھے کہ (قریش کے) ایسے دستے شام سے واپس آنے والے تجارتی کارواں تھے یا مدینہ پر حملہ کرنے والے فوجی لشکر اس حقیقت کو معلوم کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا کہ آپؐ اپنے لوگوں پر مشتمل دستے بھیجیں جو دشمن کی نقل و حرکت کے سلسلہ میں ضروری معلومات حاصل کریں تاکہ وہ لوگ مدینہ منورہ پر بے خبری میں حملہ نہ کر دیں۔ اگر آپؐ مدینہ منورہ میں پھولوں کی سیج پر تشریف فرما ہوتے تو یقیناً آپؐ پر اہل مکہ بے خبری میں حملہ کر دیتے جیسا کہ وہ لوگ اکثر کہتے تھے: "ہم سب ایک ساتھ مل کر اچانک (حملہ کریں گے)"[۳۲۲]

غزوۂ عشیرہ:-

جمادی الاولیٰ[۳۲۳] کے مہینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو مدلج میں تشریف لے گئے اور ان سے ایک معاہدہ کیا جیسا کہ اس سے قبل بنو ضمرہ (جو کہ بنو مدلج کے حلیف تھے) سے کیا تھا۔ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو سو حضرات[۳۲۴] تھے (جو سب کے سب مہاجرین تھے) مؤرخین کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غزوہ کا مقصد بنیادی طور پر ابو سفیان کے اس عظیم کارواں کی تلاش تھی جو مکہ سے شام (بظاہر) ایک تجارتی سفر پر جا رہا تھا۔ (یہ وہی کارواں ہے جو اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد جب شام سے واپس آرہا تھا تو غزوۂ بدر کا سبب بنا) قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قافلہ کو روکیں وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ چنانچہ آپ[۳۲۵] بنو مدلج میں رک گئے اور ان سے ایک معاہدہ کیا۔ آپؐ مدینہ منورہ جمادی الآخر میں واپس آئے۔ دوسرے مؤرخین کے برخلاف ابن عبدالبر نے یہ صاف صاف لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غزوہ کا مقصد قریش کے کارواں کی تلاش بالکل

۳۲۲۔ حافظ غلام سرور، ص ۱۸۶ اور ۱۸۷۔

۳۲۳۔ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۹۸، ۵۹۹؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۵؛ ابن اثیر الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۳ (نوٹ:۔ ابن سعد کے مطابق یہ غزوہ جمادی الآخر میں پیش آیا تھا۔ ملاحظہ ہو الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹)

۳۲۴۔ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۸

۳۲۵۔ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۹ اور ۱۰؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۵۔

نہیں تھا[۱۲۷] علامہ شبلی نعمانی نے بھی عام مؤرخین کے رائے کی تردید کی ہے[۱۲۸] مصنف کے خیال میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ میں صرف بنو مدلج سے معاہدہ کرنے تشریف لے گئے تھے نہ کہ کارواں کا پیچھا کرنے۔

غزوۂ سفوان یا بدر اُولیٰ:۔

غزوہ عشیرہ سے واپس پر آپؐ نے مشکل سے چند روز ہی مدینہ منورہ میں قیام فرمایا (زیادہ تر مؤرخین کے مطابق آپؐ کا قیام دس روز سے بھی کم رہا[۱۲۹]) کہ آپؐ کو اطلاع ملی کہ کرز بن جابر الفہری نے مدینہ کی چراگاہوں پر حملہ کر دیا اور اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پالتو جانور اور بھیڑ بکریاں ہنکا کر لے گیا۔ آپؐ نے فوراً کرز کے تعاقب میں نکلے اور اپنے پیچھے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو مدینہ منورہ کا والی بنایا۔ آپؐ نے کرز کا پیچھا سفوان تک، جو کہ بدر کے قریب ہے، کیا لیکن کرز بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔[۱۳۰]

سریۂ سعد ابن ابی وقاص:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفوان سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپؐ نے بیس سواروں پر مشتمل ایک چھوٹا دستہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں کرز ابن جابر الفہری کا پیچھا کرنے کے لیے روانہ کیا[۱۳۱] (نوٹ:۔ ابن ہشام کے مطابق یہ سریہ غزوۂ عشیرہ اور غزوہ بدر اولیٰ کے درمیانی کسی تاریخ میں پیش آیا تھا[۱۳۲]۔ ابن عبد البر کے ایک اور قول کے مطابق سعدؓ ابن ابی وقاص کا دستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

۱۲۷۔ الدرر، ص ۱۰۵ اور ۱۰۶۔

۱۲۸۔ سیرۃ النبیؐ، ص ۳۱۲-۳۱۳ اس سلسلہ میں اس صفحہ کا حاشیہ بھی ملاحظہ ہو۔ مزید ملاحظہ ہو: ابن حزم، السیرۃ النبویہ، مخطوطہ آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نمبر ۴۶/۹ (عربی مخطوطات) ص ۷۔

۱۲۹۔ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۰۱؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۴۴۔

۱۳۰۔ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۰۱، ابن عبد البر، الدرر، ص ۴۴۔

۱۳۱۔ ابن عبد البر، الدرر، ص ۴۴؛ ابن حزم، السیرۃ النبویہ، مخطوطہ آزاد لائبریری علیگڑھ نمبر ۴۶/۹ ص ۷؛ پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی، عہد نبوی کے غزوات و سرایا، برہان، ج ۳۳، شمارہ نمبر ۵ (نومبر ۱۹۶۴ء) ص ۲۶۲۔

۱۳۲۔ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۰۰۔

وقت روانہ کیا تھا جب کہ آپؐ غزوۂ بدر اولیٰ کے لئے روانہ ہو رہے تھے[۱۲۳] واقدی اور ابن سعد کہتے ہیں کہ سعدؓ ابن ابی وقاص کا یہ دستہ ذی قعدہ میں بھیجا گیا تھا[۱۲۴] مورخین کے ایک اور گروہ کی یہ رائے ہے کہ یہ دستہ سریہ حمزہؓ بن عبدالمطلب کے فوراً بعد روانہ کیا گیا تھا[۱۲۵]

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا یہ دستہ خرار تک تعاقب میں گیا لیکن بغیر کسی لڑائی کے مدینہ منورہ واپس آگیا (خرار مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان جحفہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔)

مدینہ منورہ کی چراگاہوں کا کرز بن جابر کا اس طرح لوٹ مار کرنا مسلمانوں کے خلاف قریش کے منصوبہ کو پوری طرح عیاں کر دیتا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے خلاف قریش کی کاروائیوں اور ریشہ دوانیوں کو نظر انداز کر دینا مسلمانوں کے مفاد میں نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حالات کی سنگینی کا پوری طرح اندازہ لگا لیا تھا۔ ایک طرف یہودی آپؐ کے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے تھے دوسری طرف منافقین عبداللہ بن اُبی کی قیادت میں ریشہ دوانیوں میں معروف تھے، اور تیسری طرف قریش نے (کرز ابن جابر کو چراگاہوں کی لوٹ کے لئے بھیج کر) بظاہر اعلان جنگ کر دیا تھا۔ مزید برآں قریش کا وہ عظیم کارواں جو ابوسفیان کی قیادت میں شام گیا تھا اور جس میں اہل مکہ نے اپنی ساری پونجی لگا دی تھی ایک کثیر منافع اور سامان حرب کے ساتھ عنقریب مکہ مکرمہ لوٹنے والا تھا۔ جس کے پہونچنے کے بعد یہ بات یقینی تھی کہ قریش اپنی پوری طاقت سے مدینہ پر حملہ کریں گے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ ایک فوری مگر مدبرانہ اقدام کی ضرورت تھی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے دستے اطراف و جوانب میں روانہ کئے تاکہ قریش کے منصوبے کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات آپؐ کو حاصل ہو سکیں اس قسم کا ایک دستہ عبداللہؓ بن جحش کی سرکردگی میں بھی بھیجا گیا۔ جس کی تفصیلات نیچے

۱۲۳۔ ابن عبدالبر، الدرر ص ۴۲

۱۲۴۔ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۷؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۲؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۲

۱۲۵۔ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۰۰

درج کی جاتی ہیں۔

سیریہ عبداللہؓ ابن جحش

باوجود اس کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے خلاف قریش کے منصوبے اور ریشہ دوانیوں سے اچھی طرح باخبر تھے، پھر بھی آپؐ نے ان کی جانب کوئی جارحانہ اقدام نہیں کیا۔ کیونکہ آپؐ کسی بھی حالت میں از خود لڑائی چھیڑنا نہیں چاہتے تھے

رجب سنہ ۲ھ[۲۶] میں آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن جحش کو مقام نخلہ میں بارہ آدمیوں (مہاجرین) کے ساتھ اس لئے بھیجا تھا کہ وہ قریش کی نقل و حرکت کا پتہ لگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے باخبر کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہؓ بن جحش کو ایک خط بھی عطا کیا جس کے متعلق انھیں یہ تاکید کر دی کہ وہ اپنے سفر کے دو دن پورا کر لینے کے بعد اس خط کو کھولیں۔ چنانچہ عبداللہؓ بن جحش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و ہدایات کی تعمیل کرتے ہوئے اس خط کو کھولا۔ جس کا مضمون یہ تھا: وادی نخلہ جاؤ۔ اور قریش کے گھات میں بیٹھو۔[۲۷] ابن اسحاق (جیسا کہ ابن ہشام نے ان کا قول نقل کیا ہے) نے بھی بعینہ یہی مضمون اس طرح تحریر کیا ہے: مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ جاؤ۔ اور قریش کی جاسوسی کر کے ان کے منصوبے و پلان کی مجھے خبر دو۔[۲۸] چنانچہ ان ہدایات پر اسی طرح عمل کیا گیا۔

جس وقت حضرت عبداللہؓ بن جحش قریش کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہے تھے اسی دوران قریش کا ایک چھوٹا سا قافلہ شام سے تجارتی سامان لیکر واپس[۲۹] آرہا تھا۔ وہ قافلہ حضرت عبداللہؓ بن جحش اور ان کے دستہ کے قریب سے گزرا، غلطی سے انھوں نے اس پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں ایک معمولی جھڑپ ہوئی اور عمرو بن حضرمی نامی ایک

---

۲۶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ا، ص ۶۰۱؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ا، ص ۳۹۰؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۰؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۱۰۷۔

۲۷ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۰۔

۲۸ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ا، ص ۶۰۲۔

۲۹ [illegible]

قریشی اس میں مارا گیا نیز اس کے دو ساتھیوں کو قیدی بنا لیا گیا مسلمانوں کے ہاتھ کافی مال غنیمت لگا جس کو لیکر وہ مدینہ منورہ واپس آئے۔ مدینہ منورہ واپسی پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ آپ ﷺ نے اس کو سن کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ناراض ہو کر فرمایا "میں نے تمہیں ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی تھی"[41] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال غنیمت کو بھی لینے سے انکار کر دیا[42]۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کے اس عمل پر ناراض ہوئے۔ قریش کا جو آدمی اس میں مارا گیا تھا اور جو قیدی بنائے گئے تھے وہ قریش کے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے مقتول عمرو بن حضرمی، عبداللہ حضرمی کا لڑکا تھا جو حرب بن امیہ کا حلیف تھا۔ حرب بن امیہ اس وقت کے حکمران مکہ ابوسفیان کا باپ تھا۔

کفار مکہ نے اس واقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ایک اور الزام عائد کیا کہ انھوں نے رجب کے ماہ حرام میں جنگ چھیڑی ہے۔ حالانکہ یہ بات متحقق طور پر نہیں کہی جا سکتی کہ یہ لڑائی رجب کے مہینے ہی میں ہوئی تھی کیونکہ بعض مؤرخین کے مطابق یہ لڑائی اس وقت ہوئی جب ماہ رجب ختم ہو چکا تھا اور ماہ شعبان شروع ہو چکا تھا[43]۔ بہر حال قریش اور ان کے خفیہ حلیفوں یعنی یہودی اور منافقین کو مسلمانوں کے خلاف شدید قسم کا پروپیگنڈہ کرنے اور الزامات عائد کرنے کا ایک بہترین موقع ہاتھ لگ گیا اور انھوں نے اس کو ہدف ملامت بنانا اور یہ کہنا شروع کیا: "دیکھئے یہ ہیں نیک لوگ جو شہر حرام میں بھی خونریزی کرنے سے باز نہیں آتے"۔ اس موقعہ پر اللہ رب العزت نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی[44]

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ

---

[40] ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۳۴،

[41] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۷

[42] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۰۳؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۸

[43] ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۴۱۲ (طبری کا کہنا ہے کہ کچھ راویوں کے مطابق یہ لڑائی شعبان میں ہوئی تھی۔

[44] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۰۴؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ ج ۱، ص ۳۹۸؛ ابن عبد البر، حوالہ مذکورہ ص ۱۰۸

وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ
اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ
أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (البقرہ)

ترجمہ "لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس میں (خاص طور پر) قتال کرنا (یعنی عمداً) جرم عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام، (یعنی کعبہ) کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک جرم عظیم ہے۔ اور فتنہ پردازی کرنا (اس) قتل (قصاص) بدرجہا بڑھ کر ہے۔ اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ جاری ہی رکھیں گے۔ اس غرض سے کہ اگر قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین (اسلام) سے پھیر دیں۔ اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر کفر کی حالت میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے لوگ دوزخی ہوتے ہیں اور یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔" (سورہ بقرہ، آیت ۲۱۷)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:۔

"بلاشبہ ماہ حرام میں لڑنا بڑی بری حرکت ہے، مگر اس پر اعتراض کرنا ان لوگوں کے منہ کو زیب نہیں دیتا جنہوں نے ۱۳ برس مسلسل اپنے سیکڑوں بھائیوں پر صرف اس لئے ظلم توڑے کہ وہ ایک خدا پر ایمان لائے تھے۔ پھر ان کو یہاں تک تنگ کیا کہ وہ جلاوطن ہونے پر مجبور ہو گئے۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہ کیا اور اپنے ان بھائیوں کے لئے مسجد حرام تک جانے کا راستہ بھی بند کر دیا۔ حالانکہ مسجد حرام کسی کی مملوکہ جائداد نہیں ہے۔ پچھلے دو ہزار برس میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کو اس کی زیارت سے روکا گیا ہو۔ اب جن ظالموں کا نامۂ اعمال ان کرتوتوں سے سیاہ ہے ان کا کیا منہ ہے کہ ایک معمولی سی جھڑپ پر اس قدر زور شور سے اعتراضات کریں حالانکہ اس جھڑپ میں

جو کچھ ہوا وہ نبیؐ کی اجازت کے بغیر ہوا ہے اور اس کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اسلامی جماعت کے چند آدمیوں سے ایک غیر ذمہ دارانہ فعل کا ارتکاب ہو گیا ہے[٤٥]

بہر حال مسلمانوں کو اس آیت کے نزول پر نہ صرف اطمینان ہوا بلکہ وہ خوش بھی ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت اور قیدی قبول فرمالئے[٤٦]۔ جو دو قیدی بنائے گئے تھے ان کے نام یہ ہیں۔ عثمان ابن عبداللہ اور حکم بن کیسان۔ عثمان، مغیرہ کا (جو ولید کا باپ تھا اور مکہ کے سرداروں میں سے ایک سردار تھا) پوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قیدیوں کو حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص اور عتبہؓ بن غزوان (جو کہ قریش کے قبضے میں تھے) کے بدلے میں چھوڑ دیا۔ (ان دونوں حضرات کا قریش کے قبضے میں جانے کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ) سعدؓ بن ابی وقاص اور عتبہؓ بن غزوان عبداللہؓ بن جحش کے دستہ میں شامل تھے لیکن جب وہ نخلہ جا رہے تھے تو راستہ بھول گئے اور بحران کے مقام پر اپنے دستے سے الگ ہو گئے[٤٧]۔ قریش کا ایک دستہ ادھر سے گزر رہا تھا جب انھوں نے ان دونوں مسلمانوں کو دیکھا تو قید کر لیا۔ یہ واقعہ نخلہ پہونچنے سے پہلے پیش آیا تھا اس لئے یہ عین ممکن ہے کہ عبداللہؓ ابن جحش نے نخلہ میں قریش کے کارواں پر حملہ حضرت سعدؓ اور عتبہؓ کے قیدی بنا لینے کے بدلہ میں کیا ہو۔ کیونکہ ان دونوں کو آزاد کرانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ دو قریشی (کافر) بھی قیدی بنا لئے جائیں۔

نخلہ میں ہونے والے واقعہ نے قریش کو مسلمانوں کے خلاف نفرت اور زہریلا پروپیگنڈہ پھیلانے کا اچھا موقع فراہم کر دیا۔ اس سلسلے میں طبری لکھتے ہے۔

"وكان الذي هاج وقعة بدر، وسائر الحروب التي كانت بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين مشركي قريش فيما قال عروة بن الزبير ما كان من قتل واقد بن عبدالله السهمي عمرو بن الحضرمي"[٤٨]

ترجمہ۔ اور وہ واقعہ جس نے بدر کی لڑائی کو ابھارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و

٤٥۔ تفہیم القرآن بسلسلہ تفسیر سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۲۱، حاشیہ نمبر ۲۳۲۔
٤٦۔ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ٦٠٤۔
٤٧۔ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ٦٠٢؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ٤١١۔
٤٨۔ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ٤٣٠۔

مشرکین قریش کے درمیان دیگر تمام جنگوں کا سبب بنا یہ تھا کہ واقد بن عبداللہ سہمی نے عمرو ابن حضرمی کو قتل کر دیا تھا۔"

منٹگمری واٹ W. Montgomery Watt نخلہ کے واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"کاروان کے لٹنے پر ناراضگی اور لڑائی میں مقتول کے خون کا انتقام لینے کے عام مطالبے کے علاوہ اہل مکہ اس بات پر بھی آگ بگولہ ہو گئے تھے کہ یہ سب واقعہ ان کے ہی قرب وجوار میں پیش آیا، مدینہ کے رہنے والے وہ لوگ جو حضرت محمدؐ سے زیادہ دوستانہ تعلقات نہیں رکھتے تھے بھی حالات کے اس طرح اور اتنی جلد تبدیل ہونے پر یقیناً حواس باختہ ہوئے ہوں گے بہرحال اہل مکہ پوری طرح برانگیختہ ہو گئے تھے اور انتقام لینے کے درپے تھے۔"[۱]

نخلہ کے واقعہ کا جو کچھ بھی نتیجہ نکالا جائے (وہ الگ ہے) لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ اتنا اہم اور اشتعال انگیز نہیں تھا جتنا کہ اس کو بنا دیا گیا تھا۔ البتہ قریش نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکانے میں پوری مدد لی۔ اور اسی کے نتیجہ میں غزوۂ بدر واقع ہوا۔

غزوۂ بدر کے واقعات بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم اولاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان غزوات و سرایا کی جو کہ غزوۂ بدر سے پہلے ہوئے تھے وجوہات کا مبصرانہ جائزہ لیں اور دوم تحویل قبلہ پر (جو کہ بیشتر مؤرخین کے نزدیک رجب ۲ھ میں ہوا تھا) یہودیوں کے ردعمل کا بھی مطالعہ کریں۔

(۱) غزوۂ بدر سے قبل پیش آنے والے غزوات و سرایا کی وجوہات کا جائزہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان غزوات و سرایا کا یہ جائزہ جو کہ غزوۂ بدر سے پہلے

---

[۱] منٹگمری واٹ، W. Montgomery Watt, Muhammad, Prophet And Statesman. ص ۱۱۱

واقع ہوئے تھے ہم موجودہ دور کے ایک مشہور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں جو انھوں نے سیرت پر ایک انگریزی کتاب میں تحریر کیا ہے" مدینہ منورہ میں اندرونی طور پر امن قائم کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے باہر واقع مختلف قبائل کا دورہ کیا خاص طور سے وہ قبائل جو قریش کے ان تجارتی کاروانوں کے راستے میں پڑتے تھے جو عراق شام یا مصر آتے جاتے تھے۔ آپ نے ان قبیلوں سے دفاعی معاہدے کرنے کی کوشش کی جس میں آپ کامیاب ہوئے۔ یہ معاہدے کسی خارجی دشمن کے حملہ کی صورت میں آپس میں تعاون کی بنیاد پر ہوئے تھے مسلمان دستے ان قبیلوں کی حدود میں سے گزر سکتے تھے لیکن دشمنان اسلام کے دستے نہیں۔

ان قبیلوں میں ہمیں خاص طور پر ضمرہ، جہینہ اور مزینہ کے نام ملتے ہیں جو حسب ترتیب مدینہ کے جنوب، شمال اور مغرب میں واقع تھے۔ عموماً بڑے شہر خانہ بدوش اور نیم خانہ بدوش قبائل کی مصنوعات کے مارکیٹ تھے مدینہ کے آس پاس رہنے والے ان قبیلوں کی معاشیات کا انحصار اسی شہر پر تھا جس کا آس پاس کوئی بدل نہیں تھا یہ عین ممکن ہے کہ ان پڑوسی قبیلوں اور اہل مدینہ کے درمیان قبل از اسلام بھی کچھ معاہدے رہے ہوں، جیسا کہ قبیلہ جہینہ کے ایک سردار کا مندرجہ ذیل واقعہ اس کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ ایک مسلمان دستہ اس قبیلہ کی حدود کے اندر ایک مکی کارواں کو روکنے گیا مگر مقامی سردار مجدی بن عمرو نے مداخلت کی اور مسلمان دستہ بغیر کسی لڑائی کے واپس ہو گیا۔ اس مداخلت کی وجہ یہ ہے کہ مجدی بن عمرو دونوں پارٹیوں (اہل مکہ اور اہل مدینہ) کا حلیف تھا۔"

جہاں تک قبیلہ ضمرہ کا سوال ہے یہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قبیلہ تھا جو ابتدائی مسلمانوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ مسلمانوں کے اس قبیلہ سے دفاعی معاہدے کے سلسلہ میں ان کے اثر و رسوخ کو کام میں لایا گیا ہو اس قبیلہ سے جو معاہدہ

ہوا تھا اس میں صاف طور پر یہ الفاظ درج ہیں کہ اہل ضمرہ اس لڑائی میں نہیں الجھیں گے جو مذہبی بنیادوں پر ہوگی' اس کا یہ مطلب ہے کہ گو کہ یہ قبیلہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردانہ جذبہ رکھتا تھا لیکن اس نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان معاہدوں کے الفاظ جو کہ ضمرہ' غفار' رباغ' اور جہینہ کے زُرعا قبیلوں سے ہوئے تھے ہم تک (بذریعہ روایات) پہونچ چکے ہیں لیکن قبیلہ مدلج کے معاہدے کے الفاظ نہیں پہونچے ہیں۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دفعات بھی دوسرے معاہدوں کی طرح ہوں گی۔ قبیلہ مدلج کے سراقہ کا برتاؤ بہت ہمدردانہ تھا یہ وہی سراقہ ہے جس نے ہجرت کے سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار پریشان کرنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ایک کارواں کو روکنے کے لئے عشیرہ تشریف لے گئے تھے تو سراقہ نے آپؐ کی اور آپؐ کے پورے دستے کی ایسی شاندار دعوت کی کہ اس میں آپؐ کا کافی قیمتی وقت صرف ہو گیا اور دشمن کا کارواں نہیں مل سکا۔

ان معاہدوں اور اس قسم کے دیگر معاہدوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حدود کی حفاظت میں روز بروز اضافہ کیا جس سے پرامن آمدورفت میں سہولت ملی اور مذہب اسلام نے ان قبائل کے افراد کے دلوں میں گھر کرنا شروع کیا۔ جلد ہی قبیلہ ضمرہ سے اسلام کے لئے ایک بہترین سفیر مل گیا اور یہ تھے حضرت عمروؓ بن امیہ الضمری۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے وفادار تھے کہ آپؐ نے غزوہ بدر کے بعد جیسا کہ ہم آئندہ مطالعہ کریں گے ان کو اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی اپنا سفیر بنا کر حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ اہل مکہ کی ریشہ دوانیوں کا سدباب کیا جاسکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربظاہر) یہ مقصد تھا کہ اس علاقے کے ان قبائل کو مجتمع کر کے اہل مکہ پر معاشی دباؤ ڈالا جائے جن کے شمال کی طرف جانے والے کارواں اس راستے سے آتے جاتے تھے۔ اس طرح کے اقدام کی تمام بنیادوں (دفاعی و اخلاقی وغیرہ) پر پوری گنجائش تھی۔ کفار مکہ نے ان مسلمانوں کی جائداد وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا جو بھاگ کر مدینہ آ گئے تھے پھر ان دونوں (اہل مدینہ اور اہل مکہ) میں حالت جنگ تھی موجودہ دور میں بھی اس حالت میں

متعلقہ فریق کو یہ دفاعی حق حاصل ہے کہ وہ دشمنوں کے آدمیوں کو قتل کر دے، یا پکڑ لے، یا دشمن کی املاک پر قبضہ کر لے۔ اہل مکہ اپنے تجارتی منافع کو مدینہ میں رہنے والے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ بند رجہ بالا معاہدوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہی طلب کیا تھا کہ اہل مکہ اسلامی منطقہ Zone سے نہ گزریں اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب کہ ان کو یہ ڈر ہو کہ ایسا کرنے پر ان کے کارواں پکڑے جائیں گے اور اگر اسلامی حدود سے نہیں گزرے تو انھیں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔[1]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مزید تحریر کرتے ہیں "مکہ ایک بنجر خطہ ارض ہے جہاں نہ تو کوئی زراعت ہے اور نہ ہی صنعت وغیرہ۔ اہل مکہ کا واحد ذریعہ معاش تجارت تھا۔ یمن اور یورپ کے درمیان جن تجارتی کاروانوں کی آمد و رفت تھی وہ مکہ اور شام سے ہو کر گزرتے تھے۔ جاڑوں اور گرمیوں میں مکہ سے جانے والے کارواں (ملاحظہ ہو قرآن کریم سورہ قریش، آیت ۱تا ۴) اہل مکہ کی خوشحالی و دفاع کا سبب تھے۔ اس وقت (تجارتی اغراض سے) یمن کا ایسا سفر بیکار سمجھا جاتا تھا جس میں شام سے وہ اشیاء نہ لائی گئی ہوں جن کے تبادلے میں یمنی اشیاء خریدی جا سکیں (مدینہ منورہ یمن اور شام کے درمیان تجارتی شاہراہ پر ایک اہم شہر تھا) تجارتی قافلوں کا مدینہ کے علاقے سے نہ گزرنا (قریش کے) اہم تجارتی مفادات کے منافی تھا اس وجہ سے وہ بزور طاقت اس شاہراہ پر اپنی آمد و رفت جاری رکھنا چاہتے تھے یہی وہ بنیادی اسباب تھے جس کی بنا پر انھوں نے مسلمانوں سے جنگیں چھیڑیں۔ پہلی لڑائی بدر کے مقام پر پھر مدینہ کے اندر (احد و خندق) اور آخری مکہ میں جس کا بہت ہی خوشگوار نتیجہ (مسلمانوں کے حق میں) نکلا۔

ان کو (یعنی قریش کے ان کاروانوں کو) اسلامی علاقے کی حدود سے صرف باز رکھنا کافی نہیں تھا۔ اس لئے جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے اطراف میں بسنے والے قبائل سے معاہدے کئے آپ نے چھوٹے چھوٹے دستے بھی اطراف مدینہ میں بھیجنا شروع کئے تا کہ وہ ایسے (قریشی) کاروانوں کو اسلامی حدود سے باہر رکھنے کی کوشش کریں جو

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ، Muhammad Rasulullah ص ۶۹ اور ۷۰

ان حدود میں سے گزر رہے ہوں۔ ایسے لق ودق ریگستانی علاقے میں جہاں آبادی مختصر اور ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ہو عرب کاروانوں کو اپنی حدود میں گزرنے سے روکنا ایک انتہائی دشوار کام تھا۔ بالخصوص وہ کارواں جو عموماً رات ہی کو سفر کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہ کام اور دشوار تھا اس وجہ سے دشت دستی گشتوں میں سے بمشکل تمام ایک ہی دشمن کے ایسے کارواں کو روکنے میں کامیاب ہو پاتا تھا۔ اس مقصد کے لئے کارواں کی صحیح نقل وحرکت کے بارے میں اطلاعات ملنا بھی بہت ضروری تھا۔ شروع میں ایسی اطلاعات کی کمی تھی۔ جب مزید علاقے اسلامی حدود میں شامل ہو گئے تو اسلامی خطہ کافی دور تک پھیل گیا جس سے دشمن کو اپنی نقل وحرکت کے زیادہ مواقع حاصل ہو گئے جن پر پابندی عائد کرنے کے لئے نہ صرف استقلال بلکہ مسلسل نگرانی کی بھی ضرورت تھی۔

قدرتی طور پر اہل مکہ ان حالات کے سامنے سپر ڈالنے کو تیار نہیں تھے۔ چنانچہ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ان کے عظیم کارواں کا بدر کے قریب پیچھا کیا گیا ہے تو انھوں نے اپنی پوری طاقت کو مجتمع کیا تاکہ وہ (مسلمانوں کو) سبق سکھا سکیں۔ لیکن اس میں وہ بری طرح ناکام ہوئے۔[۴۰]

غزوۂ بدر سے قبل پیش آنے والے غزوات وسرایا (نیز خود غزوۂ بدر) کی وجوہات کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم تحویل قبلہ پر ردعمل کا مطالعہ کریں گے۔

(۲) تحویل قبلہ اور اُس پر یہودیوں کا ردعمل:-

رجب (یا شعبان) ۲ھ میں مندرجہ ذیل آیت کی بنا پر مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کی طرف کر دیا گیا۔[۴۱]

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ

۴۰ھ ڈاکٹر حمید اللہ Muhammad Rasulullah ص ۹۹

۴۱ھ زیادہ تر مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم وسط رجب میں نازل ہوا تھا۔ ملاحظہ ہو: شرح مواہب اللدنیہ ج ۱، ص ۲۴۔ محمد زرقانی نے اس سلسلہ میں صحیح مسلم، سنن نسائی، مسند احمد، نووی (شرح مسلم) اور طبرانی وغیرہ کی روایات نقل کی ہیں۔ علامہ طبری اور بعض دوسرے مؤرخین کے مطابق تحویل قبلہ شعبان ۲ھ میں ہوا تھا، ملاحظہ ہو: تاریخ الرسل والملوک ج ۲، ص ۱۴۱۔

وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿البقرہ﴾

ترجمہ۔ آپؐ اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور تم سب لوگ جہاں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو۔ اور یہ اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (حکم) بالکل ٹھیک ہے اور ان کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی ان کاروائیوں سے کچھ بے خبر نہیں ہے

(سورۃ بقرہ آیت ۱۴۴)

تحویل قبلہ سے یہودیوں میں سخت برہمی پیدا ہوگئی کیونکہ مذہبی اعتبار سے جو فوقیت و برتری ان کو اہل مدینہ پر حاصل تھی وہ گرتی ہوئی نظر آئی چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کو اس طرح ہدف ملامت بنانا شروع کیا: "محمدؐ ہر معاملے میں ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہیں اسی بنا پر انھوں نے قبلہ کو بدل دیا ہے"[۲۲] اگر ہم تحویل قبلہ کے واقعہ کو خالص سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو یہ بات نہایت ہی اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ وقت اس کام کے لئے بالکل موزوں نہیں تھا کیونکہ یہ وہ وقت تھا جب کہ مدینہ کے مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں تھے۔ نخلہ کا واقعہ ان کے لئے ایک بڑے خطرے کا الارم بن چکا تھا۔ اور ان کو ہر وقت یہ خوف دامن گیر تھا کہ کہیں قریش جوش انتقام میں ان پر حملہ نہ کر دیں۔ اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو مصلحت کا تقاضہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نازک موقعہ پر قبلہ تبدیل نہ کرتے۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ تحویل قبلہ کے سلسلہ میں مغربی مصنفین کے الزامات بے بنیاد ہیں جو کہ یہ کہتے ہیں "محمدؐ نے (تحویل قبلہ) مدینہ منورہ کے ان قبیلوں کو خوش کرنے کے لئے کیا تھا جو یہودیوں کے مخالف تھے اور جن کی حمایت حاصل کرنے کے لئے آپؐ کو ان کی دلجوئی کرنی (ضروری) تھی"[۲۳]

۲۲ھ اس سلسلے میں علامہ محمد زرقانی تحریر کرتے ہیں: "دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تحویل قبلہ چاہتے تھے کیونکہ یہودی اکثر یہ طعنہ دیا کرتے تھے کہ محمدؐ ہر معاملے میں ہماری مخالفت کرتے لیکن مانتے ہیں ہمارے قبلہ کو" ملاحظہ ہو شرح مواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۴۰۱ اور ۴۰۲۔

۲۳ھ منٹگمری واٹ W. Montgomery Watt, Muhammad, The Prophet And Statesman ص ۱۱۴۔

بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف تحویل قبلہ کی وجہ سے کچھ ضعیف الاعتقاد مسلمان بھی یہودیوں اور منافقین کے اکسانے سے یہ کہنے لگے تھے:" ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کبھی یہ لوگ ایک طرف رخ کرکے (یعنی بیت المقدس کی طرف) نماز پڑھتے ہیں اور کبھی یہ دوسری طرف رخ کر کے (یعنی کعبہ کی طرف) نماز پڑھنے لگتے ہیں"۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (البقرہ ۲)

ترجمہ:" اب بیوقوف لوگ (ضرور) کہیں گے کہ کس چیز نے ان کو ان کے (اس) قبلے سے جس پر وہ اب تک تھے ہٹا دیا۔ آپ کہہ دیجیے کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ملک ہیں وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔

(سورہ بقرہ آیت ۱۴۲)

درحقیقت تحویل قبلہ کے ذریعہ مسلمانوں کو ان کا نصب العین بتایا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی امت ہیں جن کا قبلہ کعبہ ہے، جو تمام عالم کا حقیقی روحانی مرکز اور اس کا سرچشمہ ہے اس لئے ان کو سب سے عظیم چیز خیر و فلاح کی طرف تمام عالم کی امامت کرنا ہے، وہ ایک معمولی امت نہیں ہیں جس کی بنیاد (یہودیوں کی طرح) نسل پر ہو یا رنگ پر بلکہ ایک ایسی امت ہیں جس کا مقصد خیر کا حصول اور اس کی تبلیغ و اشاعت ہے لہٰذا وہ تمام دنیا کے امام ٹھہرائے گئے۔ چنانچہ قرآن نے مذکورہ بالا آیت (سورہ بقرہ آیت ۱۴۲) کے بعد ہی اس حقیقت کی طرف مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کیا ہے:۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ (البقرہ ۲)

سے محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۵۴۔

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت وسط (یعنی اعتدال اور عدل والی امت) بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسولؐ تم پر گواہ رہیں اور جس قبلہ پر آپ (اب تک) تھے اسے تو ہم نے اسی لئے رکھا تھا کہ ہم پہچان لیں کہ رسولؐ کا اتباع کرنے والے کون ہیں اور الٹے پاؤں واپس چلے جانے والے کون ہیں اور یہ (حکم) بہت گراں ہے مگر ان لوگوں پر نہیں جنہیں اللہ نے راہ دکھا دی ہے اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع ہو جانے دے تمہارے ایمان کو بیشک اللہ تو لوگوں پر بڑا شفیق ہے بڑا مہربان ہے۔

(سورہ بقرہ، آیت ۱۴۳)

اس طرح تحویل قبلہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے عالم کی امامت بنی اسرائیل سے چھین کر مسلمانوں کو عطا کر دی۔ یہی وہ سب سے بڑا انعام ہے جو اللہ کی طرف سے کسی امت کو عطا کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے اس کو اتمام نعمت سے تعبیر کیا ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ (البقرہ)

ترجمہ: اور آپ جس جگہ سے بھی (سفر میں باہر) نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیا کریں اور تم لوگ (بھی) جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف موڑ لیا کرو۔ تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں حجت نہ رہ جائے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں۔ سو تم ان سے نہ ڈرو بلکہ (صرف) مجھ ہی سے ڈرو تاکہ میں اپنا انعام تم پر پورا کر دوں اور تاکہ تم راہ پر (قائم) رہو۔

(سورہ بقرہ، آیت ۱۵۰)

اس آیت پر تبصرہ کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی تحریر کرتے ہیں۔

" اللہ تعالیٰ یہاں پر یہ فرما رہا ہے کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم دراصل اس منصب پر تمہاری سرفرازی کا نشان ہے، لہٰذا تمہیں اس لئے بھی ہمارے اس حکم کی

پیروی کرنی چاہیئے کہ ناشکری و نافرمانی کرنے سے کہیں یہ منصب تم سے چھین نہ لیا جائے۔ اس کی پیروی کرو گے، تو یہ نعمت تم پر مکمل کردی جائے گی۔"[۱۵۵]

درحقیقت یہ نعمت حجۃ الوداع کے موقعہ پر پوری ہوئی جب کہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل کی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا
(المائدہ ۵)

ترجمہ:۔

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا" (سورہ مائدہ ۵، آیت ۳)

چونکہ اللہ رب العزت نے بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تحویل قبلہ کر کے بنی اسرائیل سے منصب امامت کو واپس لیکر مسلمانوں کی طرف منتقل کر دیا تھا اس لئے یہودی اسلام اور پیغمبر اسلام نیز مسلمانوں سے اور زیادہ حسد کرنے لگے تھے اس حقیقت کا اظہار اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جس کی روایت حضرت عائشہ رض نے کی ہے" یہود ہم سے دو چیزوں کی وجہ سے (زیادہ) حسد کرتے ہیں ایک جمعہ کا دن جس کی تعظیم کا اللہ نے ہمیں حکم دیا اور دوسرا قبلہ جس کی طرف اللہ نے ہمیں ہدایت دی (احمد[۱۵۶])" اس حسد کی وجہ سے یہودیوں نے فتنہ و فساد برپا کرنا شروع کر دیا اور اپنی ساری طاقت اسلام کو اسکی ابتداء ہی میں جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں صرف کرنا شروع کر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ایک بڑا معترض منٹگمری واٹ یہودیوں کی اس حالت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے "یہودیوں سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) تعلقات کے انقطاع کی وجہ علمی مخاصمت تھی۔ یہودی ان خیالات پر حملے کر رہے تھے جن پر محمدؐ کے نظریات کی بنیاد قائم تھی۔ انھوں نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ قرآن نے بعض ایسی باتوں

---

[۱۵۵] تفہیم القرآن، بسلسلہ تفسیر سورہ بقرہ، آیت نمبر ۱۵۰، حاشیہ نمبر ۱۵۱۔
[۱۵۶] محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۰۳۔

کی تعلیا کی ہے جن کو ان کی پرانی آسمانی کتابیں بتاتی ہیں۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ) آپؐ کو ایسے آدمیوں کی پوری طرح مدد درکار تھی جو آپؐ کے مشن کے مذہبی پہلو پر پوری طرح یقین رکھتے ہوں جس کے لیے سیاسی اعتبار سے آپؐ کو ان کے (یہودیوں کے) اصولوں کی دن بدن ناپسندیدگی کا اظہار کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ یہودیوں کی پوری کوشش تھی کہ آپؐ کو ایسے لوگوں کی مدد سے محروم کر دیا جائے اور چونکہ ان کے پاس پرانی آسمانی کتابیں موجود تھیں اس لیے وہ ایک مؤثر رول ادا کر سکتے تھے۔[۴۹]

مزید براں یہودی اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کے مذہب کا صحیح نمائندہ سمجھتے تھے لیکن جب قرآن نے یہ اعلان کیا کہ اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے متبعین ہی دراصل حضرت ابراہیمؑ کے صحیح اور خالص مذہب پر ہیں اور ان سے سب سے زیادہ قریب ہیں تو یہودیوں نے اسے زیادتی اور جارحانہ کارروائی تصور کیا۔ قرآن میں ہے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمرانؑ)

ترجمہ: ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے البتہ طریق مستقیم والے (یعنی مسلمان (صاحب اسلام) تھے۔ اور مشرکین میں سے (بھی) نہیں تھے۔
بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے (حضرت) ابراہیمؑ کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہ ایمان والے اور اللہ تعالیٰ حامی ہے ایمان والوں کا۔

(سورہ آل عمرانؑ، آیت ۶۷، ۶۸)

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (آل عمرانؑ)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہا سو تم ملت ابراہیم کا اتباع کرو جس میں ذرا بھی نہیں اور وہ مشرک نہیں تھے۔ (سورہ آل عمرانؑ، آیت ۹۵)

---

[۴۹] منٹگمری واٹ Muhammad, The Prophet And Statesman ص ۱۱۴ اور ۱۱۵۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (البقرۃ)

ترجمہ: "اور یہ (یہودی و نصرانی) لوگ کہتے ہیں کہ تم یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تم بھی ہدایت پا جاؤ گے، آپ کہہ دیجئے کہ ہم تو ملتِ ابراہیم (یعنی اسلام) پر رہیں گے جن میں کجی کا نام نہیں۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) مشرک بھی نہیں تھے"۔ (سورہ بقرہ، آیت ۱۳۵)

اس بات کا بھی اعلان کیا گیا کہ درحقیقت اسلام ہی اس مذہب کی خالص اور صحیح شکل ہے جس کی تمام انبیاء نے تبلیغ کی۔ اگر یہودی یا عیسائیوں میں سے کوئی اس کے خلاف بات بتاتے ہیں تو یہ فرق دراصل انہیں لوگوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔

قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (البقرۃ)

ترجمہ: "(مسلمانوں) کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس (حکم) پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا۔ اور اس پر بھی جو حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب (علیہم السلام) اور اولاد یعقوبؑ کی طرف بھیجا گیا اور (اس حکم اور معجزے پر بھی) جو حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا۔ اور اس پر بھی جو دیگر انبیاء (علیہم السلام) کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے اور ہم ان (حضرات) میں سے کسی میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں"۔ (سورہ بقرہ، آیت ۱۳۶)

اسلام کے اس دعوے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ اس کی بنیاد مذہب ابراہیم پر ہے منٹگمری واٹ لکھتا ہے: "موجودہ دور میں مغربی ممالک کا رہنے والا بھی یہ اقرار کرنے پر مجبور ہے کہ "مذہب ابراہیمؑ" کا تصور بغیر کسی بنیاد کے قائم نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ معروضی طور پر اسلام اس پر پورا نہ اترتا جس کو ہم مذہب ابراہیم سمجھتے آئے ہیں لیکن ایک اعتبار سے اسلام کا تعلق یہود و نصاریٰ کی روایت سے ہے اور یہ روایت دراصل وہی روایت ہے جس کے متعلق

یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ابراہیمؑ سے شروع ہوئی اس طرح اسلام مذہب ابراہیمؑ ہی کی دوسری شکل ہے ایک ایسی شکل جو ان لوگوں کے نظریات سے زیادہ مطابقت رکھتی ہو جن کا رہن سہن ابراہیمؑ سے زیادہ قریب ہو، بنسبت یہود و نصاریٰ کے سواد اعظم کے[58]

ان تمام حقائق کے باوجود یہودیوں نے اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے متبعین کے سلسلہ میں اپنا معاندانہ رویہ نہیں بدلا۔ کیونکہ ان کو عربوں سے (یعنی بنو اسماعیل سے) حسد و بغض تھا[59] وہ مسلمانوں کے خلاف مستقل سازشوں میں مصروف رہے اور خفیہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مقابلے میں قریش اور منافقین[60] کی مدد کرتے رہے۔ انھوں نے یہاں تک کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ اس لئے کر رہے ہیں تاکہ آپؐ کو آپؐ کے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے (نعوذ باللہ) اہل مدینہ پر غلبہ حاصل رہے۔

اس سلسلے میں علامہ ابن اسحاق تحریر کرتے ہیں۔

"چونکہ اللہ نے عرب میں رسولؐ کو انتخاب فرما کر ان کو خصوصیت عطا فرمائی اس لئے یہودیوں کے علماء نے مخالفت، حسد اور کینے کے سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اپنا نصب العین بنا لیا۔ اوس و خزرج کے کچھ لوگ جو منافق تھے وہ اپنی جاہلیت، اپنے باپ دادا کے دین شرک پر اور موت کے بعد کی زندگی کو جھٹلانے پر سختی سے جمے ہوئے تھے لیکن اسلام نے اپنے غلبے اور خود ان کی قوم کے افراد کے اسلام کی جانب جمع ہو جانے کے سبب سے انھیں مجبور کر دیا تھا ایسے لوگوں نے بظاہر تو اسلام اختیار کر لیا اور اپنی جان بچانے کے لئے اس کو ایک سپر بنا لیا لیکن وہ باطن میں نفاق رکھتے تھے اور ان کے دل (خواہشیں اور آرزوئیں) یہود کے ساتھ تھے کیونکہ وہ اسلام کے منکر تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے۔ یہود کے علماء کی یہ حالت تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرتے، سوالات کرتے

---

[58] منٹگمری واٹ Muhammad, The Prophet And Statesman ص ۱۱۸۔
[59] محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۳۸۵۔
[60] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۸۶۔

اور طرح طرح کے شبہات سامنے لاتے کہ حق کو باطل سے مشتبہ کردیں، قرآنی آیتیں بھی ان کے حالات اور سوالات کے متعلق نازل ہوتی رہیں۔ البتہ حلال وحرام کے متعلق چند مسائل مسلمان بھی پوچھتے رہتے۔[۱]

ابن اسحاق نے ان یہودی لیڈروں کی ایک طویل فہرست دی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت و دشمنی پر آمادہ تھے اور جنہوں نے منافقین کے ساتھ (در پردہ) سازشیں کر رکھی تھی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:[۲] حیی بن اخطب، سلام بن مشکم، ابو رافع الاعور (جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے خیبر میں قتل کیا تھا اس کا نام سلام بن ابی الحقیق تھا)، زید بن اللصیت، سوید بن الحارث، کعب بن راشد، رافع بن حارثہ، نافع بن ابی نافع، عدی بن زید، وہب بن یہودا، اور عمر عمرو بن عوف وغیرہ۔

ابن اسحاق نے ان منافقین کے ناموں کی بھی ایک لمبی فہرست دی ہے۔ جنہوں نے یہودیوں کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی۔[۳] ان میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں۔

جلاس بن سوید بن صامت، عیبر بن سعد، الحارث بن سوید، بجاد بن عثمان بن عامر، نبتل بن الحارث، ابو حبیبہ بن الازعر، عباد بن حنیف، جاریہ بن عامر بن العطاف، ودیعہ بن ثابت، خذام بن خالد، عمر و ابن مالک بن الاوس، کعب بن الحارث بن الخزرج، حاطب بن امیہ بن رافع، ابو طعمہ بشیر بن ابیرق ضحاک بن ثابت، رافع بن ودیعہ، زید بن عمرو، عمر بن قیس، الجد بن قیس، عبداللہ بن اُبی بن سلول (یہ تمام منافقین کا سرغنہ تھا)۔

ابن اسحاق نے ان یہودی علماء کے نام بھی بتائے ہیں جنہوں نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کر لیا تھا ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔[۴]

سعد بن حنیف، زید بن اللصیت، نعمان بن اوفیٰ بن عوف بن عمرو، عثمان بن اوفی، رافع بن حرملہ، رفاعہ بن زید بن التابوت وغیرہ۔

---

[۱] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۵۱۳؛ ابن اسحٰق کی سیرت رسول اللہ کا انگریزی ترجمہ از الفرڈ گیوم A. Guillaume ص ۲۳۹

[۲] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۱۴ تا ۵۱۶

[۳] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۱۹ تا ۵۲۷

[۴] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۲۷ تا ۵۲۹

یہ منافقین مسجد میں آتے تھے، مسلمانوں کی باتیں سنتے، ان کا مذاق اڑاتے اور ان کے دین سے تمسخر کرتے تھے۔ ایک دن ان میں سے چند افراد مسجد میں جمع ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے آپس میں سرگوشی کر رہے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کو مسجد سے باہر نکال دیا جائے .... چنانچہ ان کو مسجد سے باہر نکال دیا گیا۔"[۲۲]

اس طرح مؤرخین نے ان منافقین کے بارے میں بالتفصیل لکھا ہے جنھوں نے یہودیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سازباز کی تھی۔

یہودیوں کے اس رویہ پر تبصرہ کرتے ہوئے (Tor Andrae) سیرت طیبہ کا ایک مغربی مصنف و تنقید نگار لکھتا ہے :۔ "حالانکہ نبیؐ خلافِ امید و توقع تمام مومنوں کو ایک متحد اور وفادار و مخلص تنظیم کی شکل میں یکجا کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، جو جلد ہی ایک بہادر، شجاع اور فدائی فوج ثابت ہوئی، لیکن یہودیوں کو ہموار کرنے کی آپؐ کی کوششیں کارآمد نہیں ہو سکیں۔"[۲۳]

ایک اور مغربی مؤرخ فرانسیسکو گیبریلی (Francesco Gabrieli) یہودیوں کی خام خیالی کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے :۔ "مذہبی طور پر الگ تھلگ رہنے کی ذہنیت میں گرفتار، آپؐ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان تصورات کا تمسخر اڑاتے ہوئے جو آپؐ ان کے اعتقادات کے سلسلہ میں پیش کیے تھے، اپنے رہنماؤں اور علماء کے ذریعے عذر خواہانہ منطقی اور کٹ حجتی سے بھری ہوئی بیکار بحثوں میں تربیت یافتہ یہودی محمدؐ کے لیے آپؐ کے نئے گرد و پیش (یعنی مدینہ منورہ) میں سب سے بڑا مخالف گروہ ثابت ہوا جس کے نئے مذہب (یعنی اسلام) کے فروغ کی راہ میں فیصلہ کن اثرات پڑے۔"[۲۴]

اس سلسلہ میں سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب تحریر کرتے ہیں :[۲۵]

---

[۲۲] ابن ہشام بحوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۵۲۸؛ ابن اسحٰق کی سیرت رسول اللہ کا انگریزی ترجمہ از A. Guillaume، ص ۲۴۵ تا ۲۴۹

[۲۳] Tor Andrae, Muhammad, The Man And His Faith, p. 137.

[۲۴] Francesco Gabrieli, Muhammad And The Conquest of Islam p. 67.

[۲۵] تفہیم القرآن، تفسیر سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۱۰۰، حاشیہ نمبر ۹۵

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے یہودی بے چینی کے ساتھ اس نبی کے منتظر تھے جس کی بعثت کی پیش گوئیاں ان کے انبیاء نے کی تھیں. دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی سے وہ آئے تو کفار کا غلبہ مٹے اور پھر ہمارے عروج کا دور شروع ہو. خود اہل مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثت محمدیؐ سے پہلے یہی ان کا ہمسایہ یہودی آنے والے نبی کی امید پر جیا کرتے تھے اور ان کا آئے دن کا تکیہ کلام یہی تھا کہ "اچھا اب تو جس جس کا جی چاہے ہم پر ظلم کرے، جب وہ نبی آئے گا تو ہم سب ظالموں کو دیکھ لیں گے" اہل مدینہ یہ باتیں سنے ہوئے تھے اسی لئے جب انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم ہوئے تو انھوں نے آپس میں کہا کہ دیکھنا کہیں یہ یہودی تم سے بازی نہ لے جائیں، چلو پہلے ہم ہی اس نبی پر ایمان لے آئیں. مگر ان کے لئے یہ عجیب ماجرا تھا کہ وہی یہودی جو آنے والے نبی کے انتظار میں گھڑیاں گن رہے تھے، اس کے آنے پر سب سے بڑھ کر اس کے مخالف بن گئے۔

اور یہ جو فرمایا کہ "وہ اس کو پہچان بھی گئے"، تو اس کے متعدد ثبوت اسی زمانہ میں مل گئے تھے. سب سے زیادہ معتبر شہادت ام المومنین حضرت صفیہؓ کی ہے، جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور ایک دوسرے عالم کی بھتیجی تھیں. وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے تو میرے باپ اور چچا دونوں آپؐ سے ملنے گئے. بڑی دیر تک آپؐ سے گفتگو کی. پھر جب گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کو یہ گفتگو کرتے سنا:

چچا: کیا واقعی یہ وہی نبی ہے جس کی خبریں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں؟

والد: خدا کی قسم، ہاں۔

چچا: کیا تم کو اس کا یقین ہے؟

والد : ہاں

چچا : پھر کیا ارادہ ہے؟

والد : جب تک جان میں جان ہے اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات چلنے نہ دوں گا۔ (ابن ہشام جلد دوم، صفحہ ۱۶۵، طبع جدید)" ۶۹

قرآن مجید ان حقائق کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے :۔

"اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرۃ)

ترجمہ : "جن لوگوں کو ہم نے کتاب (یعنی توراۃ و انجیل) دی ہے وہ لوگ آپؐ کو (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں بعض امر واقعی کو اچھی طرح جاننے کے باوجود چھپاتے ہیں۔" (سورہ بقرہ، آیت ۱۴۶)

حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تیار کردہ معاہدہ صرف مسلمانوں کو دھوکے میں مبتلا رکھنے کی وجہ سے قبول کیا تھا، ان کے دل اس کو قبول کرنے کیلئے بالکل آمادہ نہیں تھے اور ان کے اندر ہی اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف معاندانہ جذبات کی آگ سلگ رہی تھی۔ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اتحاد سے ان کو کافی تشویش تھی۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں پر فقرے چست کرنا شروع کئے اور نہ صرف یہ بلکہ مسلمانوں کا کھلم کھلا مذاق اڑانے لگے اور ان کو گالیاں تک دینے پر آمادہ ہوگئے۔ یہودیوں کی ان حرکات میں منافقین پوری طرح ان کے ساتھ تھے۔ اس سلسلے میں سید اطہر حسین تحریر کرتے ہیں :۔ "یہودیوں کے قریش مکہ کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے چنانچہ ان کے ساتھ مل کر وہ اس نئی مملکت (مدینہ) کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوگئے تاکہ اس سے قبل کہ یہ مملکت ایک ناقابل تسخیر صورت اختیار کرلے وہ اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ سربراہ مملکت اور ایک ایسے سپہ سالار کی حیثیت

---

۶۹ ہمارے استعمال میں سیرۃ ابن ہشام کا جو نسخہ ہے اس سلسلہ میں اس کا حوالہ یہ ہے : ج ۱، ص ۵۱۹

سے جس کا زیادہ تر وقت لگاتار جنگوں میں گھرا رہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے جان و مال کے محافظ و سرپرست تھے اس طرح اس نئی مملکت کا وجود ہی شدید خطرہ سے دوچار تھا...... یہودیوں اور منافقین کے گٹھ جوڑ سے اہل مکہ نے مسلمانوں کو دق کرنا شروع کر دیا تھا۔"[۴۰]

غزوۂ بدر

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا ابوسفیان کے قافلہ کی تلاش میں نکلنا:۔

قریش کا وہ بڑا قافلہ جو کہ جمادی الاولیٰ میں ابوسفیان کی قیادت میں شام گیا تھا رمضان ۲ھ میں واپس لوٹ رہا تھا۔[۴۱] یہ قریش کے عظیم ترین کاروانوں میں سے ایک تھا جس میں تقریباً پچاس ہزار دینار کی رقم لگائی گئی تھی۔ اس قافلہ کے متعلق خود ابوسفیان اپنے ساتھیوں سے یہ کہہ چکا تھا "بخدا، قریش کا کوئی مرد و عورت ایسا نہیں بچا ہے جس نے اس قافلہ میں اپنی پونجی نہ لگائی ہو"[۴۲] اس قافلہ کا نفع (مسلمانوں کے خلاف) جنگ پر خرچ کیا جانا تھا۔[۴۳] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی کہ اب ابوسفیان کا قافلہ شام سے مکہ کے لئے واپس لوٹ رہا ہے۔ آپؐ قریش کو ان کے مدینہ منورہ کی چراگاہ پر کیے گئے حملے کا جواب دینا چاہتے تھے تاکہ آئندہ قریش کی اس قسم کی دہشت پسندانہ حرکتوں کی ہمت نہ پڑے۔ اس لئے آپؐ نے طے کیا کہ قریش کے اس قافلہ کو روکا جائے

---

۴۰ Athar Husain, Prophet Muhammad And His Mission, p.25.

۴۱ محمد زرقانی، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۳۹۵؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۰۶؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۲

۴۲ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۳؛ محمد زرقانی، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۱۴

۴۳ علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۳۱۵؛ پروفیسر مولانا سعید احمد اکبرآبادی، عہد نبوی کے غزوات و سرایا، برہان، دہلی، ج ۴۷، شمارہ نمبر ۲ (فروری ۱۹۶۵ء)، ص ۷۶

تاکہ مستقبل میں کسی حماقت کا ارتکاب کرنے سے قبل قریش اس کے انجام کے متعلق خوب غور کر لیں۔ چنانچہ اس قافلہ کو روکنے کے ارادہ سے آپؐ ۸ رمضان المبارک ۲ھ[۴۴] کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ شام سے مکہ کے درمیان تجارتی شاہراہ پر واقع تھا۔ قریش کا مفاد اسی میں وابستہ تھا کہ وہ پرامن زندگی بسر کریں اور اللہ کے راستے پر چلنے والے لوگوں کو خواہ مخواہ تنگ نہ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ سے روانگی کے سلسلے میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ اس طرح روایت کرتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بُسبُس کو جاسوسی کے لئے بھیجا کہ دیکھ کر آئیں کہ ابوسفیان کا قافلہ کہاں ہے۔ بُسبُس دیکھ کر آپؐ کے پاس آئے اس وقت گھر میں میرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ (راوی کہتے ہیں کہ میں یہ نہیں جانتا کہ یہ بھی کہا تھا کہ گھر میں عورتیں تھیں یا نہیں۔) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بُسبُس نے آپؐ سے کچھ باتیں کہیں، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان سے باہر تشریف لائے اور صحابہؓ سے فرمایا ہم ایک قافلہ کی طلب میں چل رہے ہیں جس کے پاس سواری ہو وہ ہمارے ساتھ سوار ہو جائے۔ بعض لوگوں نے ان سواریوں کے لئے جو عوالیٔ مدینہ میں تھیں آپؐ سے اجازت طلب کی (لیکن) آپؐ نے فرمایا نہیں۔ وہی شخص ساتھ چلے گا جس کی سواری یہاں موجود ہو ...[۴۵]"

---

[۴۴] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۱۲؛ ابن حزم، السیرۃ النبویہ (مخطوطہ) ص ۵،
نوٹ، طبری کی ایک روایت کے مطابق یہ رمضان المبارک کی تین تاریخ تھی (تاریخ الرسل والملوک ج ۲، ص ۴۳۱) ابن الاثیر بھی اسی روایت کی تائید کرتا ہے اور تحریر کرتا ہے کہ یہ رمضان المبارک کی تین تاریخ تھی (ملاحظہ ہو: الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۱۸)؛ ابن سعد کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ رمضان المبارک کو مدینہ منورہ سے نکلے، ملاحظہ ہو: الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۔

[۴۵] اخرجہ الامام احمد عن انس رضی اللہ عنہ ورواہ مسلم ایضاً کذا فی البدایہ ج ۳، ص ۲۷۷، اخرجہ البیہقی (ج ۹، ص ۹۹) ایضاً بطولہ، والحاکم، ج ۳، ص ۴۲۶ مختصراً، کذا فی حیاۃ الصحابہ محمد یوسف الکاندھلوی، ج ۱، ص ۳۹۹-۴۰۰۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پورے واقعہ کی اس طرح روایت کرتے ہیں : "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان کے قافلہ کی اطلاع ملی تو ہم مدینہ منورہ میں تھے۔ آپؐ نے اس کے بارے میں ہمیں بتایا اور فرمایا: 'یہ تمہارے لئے اچھا موقع ہے کہ قافلہ کی تلاش میں نکلو شاید ہمیں کچھ غنیمت بھی حاصل ہوجائے'، ہم آپؐ کے ہمراہ چلنے کو راضی ہوگئے، اور سفر شروع کردیا جب ہم نے ایک یا دو دن کا سفر پورا کیا تو آپؐ نے (جبکہ آپؐ کو قریش کی حملہ آور فوج آنے کی اطلاع ملی جیساکہ دوسری حدیثوں سے واضح ہوتا ہے) فرمایا: 'تم لوگوں کا ان (یعنی قریش) سے جنگ کرنے کے متعلق کیا خیال ہے؟' ہم نے عرض کیا: 'اللہ کی قسم ہمارے اندر ان سے لڑنے کی طاقت نہیں (یعنی ہمارا مقصد تو صرف قافلہ کا تعاقب کرنا تھا)'، یہ سن کر مقداد ابن عمروؓ (انصاری) کھڑے ہوئے اور کہا: 'یارسول اللہ ہم موسیٰؑ کے ماننے والوں کی طرح نہیں ہیں جنھوں نے ان سے یہ کہا تھا: تم اور تمہارا رب جائیں اور لڑیں۔ ہم یہاں پر انتظار کررہے ہیں، ہم اللہ کی قسم کھاکر کہتے ہیں کہ اگر آپ ہم سے فرمائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ برک غماد (یمن کے ایک مقام کا نام ہے) تک جانے کو تیار ہیں. ہم کبھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔"[؎] مقداد بن عمروؓ کی تقریر سن کر تمام انصار کی خواہش یہ ہوئی کہ کاش ہم بھی وہی کہتے جو مقداد نے کہا۔ یہی وہ وقت تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات نازل کیں:

كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنۢ بَيْتِكَ بِٱلْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ
لَكَٰرِهُونَ ۝ يُجَٰدِلُونَكَ فِى ٱلْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ
إِلَى ٱلْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ ۝ وَإِذْ يَعِدُكُمُ ٱللَّهُ إِحْدَى ٱلطَّآئِفَتَيْنِ
أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ ٱلشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ ٱللَّهُ

؎ مقداد بن عمروؓ کی یہ تقریر صحیح مسلم، باب غزوہ بدر میں موجود ہے، ابن قیم نے یہ تقریر سعدؓ بن معاذؓ کے حوالے سے لکھی ہے جس میں برک غماد کی جگہ برک غمدان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔
ملاحظہ ہو زادالمعاد، ج ۱، ص ۳۴۲

اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ (سورۃ الانفال۔ آیات ۵-۷)

ترجمہ: "جیسا کہ آپ کے رب نے آپؐ کے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ آپؐ کو (بدر کی طرف) روانہ کیا حالانکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔ (اور) وہ اس مصلحت (کے کام) میں اس کے بعد کہ اس کا ظہور ہو گیا۔ (اپنے بچاؤ کے لئے) آپ سے (بطور مشورہ) اس طرح بحث و مباحثہ کر رہے تھے کہ گویا ان کو موت کی طرف ہنکا کر لیا جا رہا ہو اور وہ (موت کو) دیکھ رہے ہوں۔ اور تم لوگ اس وقت کو بھی یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (یعنی قافلہ) تمہارے ہاتھ آجائے۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا (عملاً) ثابت کر دے اور ان کافروں کی بنیاد (اور قوت) کو قطع کر دے" (سورۃ انفال۔ آیات نمبر ۵-۷)

یہ حدیث ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابو عمران کے الفاظ میں نقل کی ہے[۳۳]۔ بہت سے دیگر مورخین[۳۴] نیز محدثین مثلاً طبرانی وغیرہ نے بھی اسی جیسی حدیثیں نقل کی ہیں۔

کچھ احادیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے قافلہ کی تلاش میں تھے تو راستہ میں آپؐ کو قریش کی فوج کی اطلاع ملی۔ تب آپؐ نے اپنے صحابہؓ سے مشورہ کیا اس مشورے کے دوران سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ (جو کہ مہاجرین میں سے تھے) نے مشورہ دیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ یہ دیکھ کر انصار کو یہ احساس ہوا کہ آپؐ دراصل ان کے خیالات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اس موقع پر حضرت سعد ابن معاذؓ (جو کہ سرداران انصار میں تھے) کی تقریر بھی عام طور پر احادیث کی کتابوں میں ملتی ہے۔ انھوں نے کہا "یارسول اللہؐ ہم آپ کا حکم مانیں گے یہاں تک کہ

---

[۳۳] محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہؓ، ج ۱، ص ۳۹۶۔ بحوالہ البدایہ، ج ۳، ص ۲۶۳؛ مجمع الزوائد ج ۶، ص ۷۳۔ رواہ البزار بتمامہ، والطبرانی ببعضہ

[۳۴] ملاحظہ ہو۔ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۴۱۳۔

اگر آپؐ حکم دیں تو ہم سمندر میں بھی چھلانگ لگانے کو تیار ہیں[۷۹]۔ حضرت سعدؓ کی تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور صحابہؓ کو بدر کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا۔ روایتوں میں اس کی صراحت موجود ہے کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات حضرت سعدؓ کی اس تقریر کے بعد نازل ہوئی تھیں[۸۰]:

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۝ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ (سورہ الانفال آیات ۵-۷)

ترجمہ: "جیسا کہ آپؐ کے رب نے آپؐ کے گھر سے (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ آپؐ کو (بدر کی طرف) روانہ کیا حالانکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی (اور) وہ اس مصلحت (کے کام) میں اس کے بعد کہ اس کا ظہور ہو گیا (اپنے بچاؤ کے لیے) آپؐ سے (بطور مشورہ) اس طرح بحث و مباحثہ کر رہے تھے کہ گویا ان کو موت کی طرف ہنکا کر لیا جا رہا ہو اور وہ (موت کو) دیکھ رہے ہوں۔ اور تم لوگ اس وقت کو بھی یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (یعنی قافلہ) تمہارے ہاتھ آ جائے

۷۹؎ محمد زرقانی، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۱۳؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۴۲، البدایہ، ج ۳، ص ۲۶۲ کذا فی حیاۃ الصحابہؓ، ج ۱، ص ۳۹۹۔

۸۰؎ البدایہ، ج ۳، ص ۲۶۴، کذا فی حیاۃ الصحابۃ لمولانا محمد یوسف کاندھلوی، ج ۱، ص ۳۹۸؛ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۳۹۰ کذا فی حیاۃ الصحابۃ۔ مزید ملاحظہ ہو: طبرانی؛ بزار کذا فی حیاۃ الصحابۃ، ج ۱، ص ۳۹۰۔ مزید ملاحظہ ہو: تاریخ الرسل والملوک از ابن جریر طبری، ج ۲، ص ۴۳۵؛ الکامل فی التاریخ از ابن الاثیر، ج ۲، ص ۱۲۰

اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا (عملاً) ثابت کر دے اور ان کافروں کی بنیاد (اور قوت) کو قطع کر دے"۔

(سورہ انفالؔ، آیات ۵۔۷)

اس طرح متعدد روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مندرجہ بالا آیات مدینہ کے باہر اس وقت نازل ہوئی تھیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کی اس فوج کے سلسلے میں جو کہ بدر کی طرف آرہی تھی صحابہؓ سے مشورہ کیا تھا۔

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کو قریش کی فوج کے حملہ کے بارے میں اس وقت اطلاع ملی جبکہ آپؐ قریش کے قافلہ کی تلاش میں مدینہ منورہ سے باہر نکلے ہوئے تھے۔[۱۸۱] دراصل آپؐ مدینہ منورہ سے صرف قافلۂ قریش کی تلاش میں ہی نکلے تھے[۱۸۲] کہ قریش کی فوج سے مقابلہ کرنے کے لئے کیونکہ مدینہ منورہ میں آپؐ کو قریش کی فوج کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں تھی۔ یہ بات حمزہؓ ابن عبد المطلب کے مندرجہ ذیل شعر سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔

وَكُنَّا طَلَبْنَا الْعِيْرَ لَمْ نَبْغِ غَيْرَهَا　　　فَسَارُوا إِلَيْنَا فَالْتَقَيْنَا عَلٰى قَدَرٍ[۱۸۳ (الف)]

ترجمہ: ہمارا مقصد صرف (قریش کے) قافلہ کی تلاش تھا اور اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا لیکن وہ لوگ (یعنی قریش کی فوج) ہماری طرف چلے تو ہم دونوں (بغیر کسی ارادے کے) تقدیر کے ٹھہرائے ہوئے مقام پر ایک دوسرے سے مقابل ہو گئے۔ (یعنی ان سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے)۔

---

۱۸۱ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: شرح مواہب اللدنیہ از محمد زرقانی، ج ۱، ص ۴۹۵ تا ۴۹۹۔

۱۸۲ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قصۃ غزوۃ بدر، ج ۲، ص ۵۶۴؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۶۰۷؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۱، ص ۳۱۰؛ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۴۳۱؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۱۶؛ ابن حزم، السیرۃ النبویہ، مخطوط، ص ۷۵۔

۱۸۳ (الف) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، بیروت، ج ۳، ص ۹۔

یہ ہی وجہ تھی کیوں کہ ان حضرات کے پاس سامان حرب کی کمی تھی۔ جب آپؐ کو قریش کے لشکر کی اطلاع ملی تو روحا[583] کے مقام پر آپؐ نے جنگ کے سلسلہ میں مشورہ کیا اس وقت آپؐ نے ابولبابہ ابن عبدالمنذر کو مدینہ منورہ کا اپنی غیر موجودگی میں حاکم بنایا اور حکم دیا کہ وہ مدینہ منورہ واپس لوٹ جائیں[584]۔ اب آپؐ کے ذہن میں دو مقاصد تھے یا تو آپؐ کو قافلۂ ابوسفیان کو پکڑ لینا تھا یا پھر قریش کے لشکر سے مقابلہ کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں سے ایک کی فتحیابی کی خوشخبری دے دی تھی:۔

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ (سورہ الانفال آیت نمبر ۷)

ترجمہ: "(اور تم لوگ اس وقت کو بھی یاد کرو) جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (یعنی قافلہ) تمہارے ہاتھ آجائے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا (عملاً) ثابت کر دے اور ان کافروں کی بنیاد (اور قوت) کو قطع کر دے۔"

(نوٹ: یہ آیت مدینہ منورہ سے باہر غالباً روحار کے مقام پر نازل ہوئی تھی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے متعلق مشورہ کیا تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۵۸۳)

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جب ابوسفیان کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا لیا ہے تو اس نے فوراً ایک شخص کو جس کا نام ضمضم تھا کرایہ پر طے کیا اور اس سے کہا کہ فوراً مکہ مکرمہ جائے اور قریش کو مسلمانوں کی پیش قدمی

---

[583] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۶۰۹۔
(نوٹ: روحار مدینہ منورہ سے تقریباً ۴۰ میل دور ہے یعنی مدینہ منورہ اور بدر کے درمیان میں واقع ہے۔ ملاحظہ ہو شرح المواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۴۱۱)

[584] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۱۲؛ ابن خلدون، التاریخ، ج ۲، ص ۴۹۷۔

کی اطلاع دے[85]۔ روایتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ابوسفیان نے ضمضم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ سے کوچ کرنے سے قبل ہی مکہ مکرمہ کے لئے روانہ کر دیا تھا[86]۔

ضمضم سیدھا مسجد حرام گیا، اس نے اپنے اونٹ کی ناک کاٹ ڈالی اور اپنے

---

[85] محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۴۱۔

[86] ابن اسحاق کے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:

"جب ابوسفیان حجاز کے قریب پہنچا تو وہ ہر ایک سوار سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے متعلق) اطلاعات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا اس کو اس سلسلہ میں بہت زیادہ فکر تھی یہاں تک کہ اس کو کچھ سواروں نے (جو کہ اس راستہ سے اتفاقاً گزر رہے تھے) یہ اطلاع دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے اس بات کی مدد طلب کی ہے کہ وہ اس کے قافلہ کو روک دیں۔ اس خبر سے ابوسفیان ایک زبردست خطرہ سے آگاہ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ضمضم ابن عمرو الغفاری کو کرایہ پر لے کیا اور سیدھا مکہ مکرمہ روانہ کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ قریش کو اپنے مال و دولت کی حفاظت کی خاطر نکل آنے کو کہیں اور ان سے کو بتا دیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی (یعنی صحابہؓ) قافلہ کی گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ضمضم پوری رفتار کے ساتھ مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہو گیا" (ملاحظہ ہو: سیرۃ ابن اسحاق انگریزی ترجمہ از اے گلوم، ص ۲۸۹؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۶۰۷)

ابن اسحاق کے الفاظ ہیں: "استنفر اصحابہ لک" یعنی اس نے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے) اپنے ساتھیوں کی مدد تمہارے خلاف طلب کی ہے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک مدینہ منورہ سے روانہ نہیں ہوئے تھے بلکہ صحابہؓ سے قافلہ کے اوپر حملہ کے متعلق مشورہ فرما رہے تھے۔ ابوسفیان کو اس کی اطلاع بروقت مل گئی چنانچہ اس نے فوراً ضمضم کو مکہ مکرمہ کے لئے روانہ کر دیا۔ غزوۂ بدر سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی حملہ آور ٹکڑیوں کی تلاش میں جو مختلف سرایا بھیجے تھے اس کی وجہ سے

(باقی حاشیہ مسلسل صـ)

پالان کو الٹا کر دیا نیز اپنی عبا پھاڑ ڈالی (یہ تمام حرکات اس بات کو بتا رہی تھیں کہ

(حاشیہ مسلسل پچھلے صفحہ سے)

ابوسفیان کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ مسلمان ضرور اس کے قافلہ پر حملہ کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر ایک سوار سے مسلمانوں کی نقل و حرکت کے بارے میں دریافت کرتا تھا۔ طبری نے بھی تقریباً اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو: تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۴۲۷۔

اس سلسلہ میں پروفیسر مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا بھی یہی خیال ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں: "جب ابوسفیان کو یہ خبر پہنچی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کاروانِ تجارت کی جستجو میں مدینہ سے چل پڑے ہیں تو اس نے ضمضم کو اجرت پر لیا اور مکہ روانہ کیا لیکن درحقیقت یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ بیان ہے کیونکہ انہی اربابِ سیر کے بیان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۸ رمضان اور ابن سعد کے بیان کے مطابق ۱۲ رمضان کو مدینہ سے روانہ ہوئے اور غزوۂ بدر ۱۷، ۱۹ یا ۲۱ رمضان (مطابق ۱۳، ۱۵ یا ۱۷ مارچ ۶۲۴ء) کو برپا ہوا۔ اس حساب سے مدینہ سے باہر نکلنے اور غزوہ کے شروع ہو جانے میں اوسطاً چھ سات دن یعنی صرف ایک ہفتہ کا فصل ہوا۔ اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابوسفیان نے حضورؐ کے مدینہ سے نکلنے کے بعد ضمضم کو مکہ دوڑایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابوسفیان مقام بدر سے کافی پیچھے تھا اور ضمضم کی روانگی یقیناً جلد سے جلد ۱۰ رمضان یا ۱۴ یا ۱۵ رمضان کو ہی ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی پیش نظر رکھیے کہ ابو سفیان جس مقام پر ہے وہاں سے مکہ تک کی یہ سب مسافت کتنی ہے۔ اور پھر ضمضم کے مکہ پہنچتے ہی تو فوراً لشکر قریش روانہ نہ ہو گیا ہو گا بلکہ تیاری میں کم از کم دو تین دن ضرور لگے ہوں گے۔ ان سب چیزوں کو سامنے رکھا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ضمضم کی روانگی اور بدر میں لشکر قریش کی آمد کے درمیان کم از کم بارہ تیرہ دن کا فاصلہ ہونا چاہئے۔ حالانکہ ضمضم کی روانگی کے چار پانچ دن بعد ہی جنگ شروع ہو گئی ہے۔

کوئی غیر معمولی اور خطرناک واقعہ پیش آیا ہے کیونکہ دورِ جاہلیت میں کسی غیر معمولی واقعہ پر یہی کیا جاتا تھا۔) اس کے بعد اس نے وادی کے نچلے حصّہ سے گلا پھاڑ کر چلانا شروع کیا اور کہا: "قریش! امدد، مدد۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی (یعنی صحابہ) تمھارے اس مال کی گھات میں (جو کہ ابوسفیان کے ساتھ ہے) لگے ہوئے ہیں۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ تم لوگ ان کو اس سے روک سکوگے۔"[۵۵] اس نے یہ الفاظ اس انداز میں کہے کہ قریش نے فوراً ہی قدم اٹھایا۔ انھوں نے خبر سنتے ہی ایک ہزار مسلح آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف کوچ کر دیا۔

اسی اثنا میں ابوسفیان نے چالاکی سے اپنا راستہ تبدیل کر دیا۔ اور عام راستہ

(حاشیہ مسلسل پچھلے صفحہ سے)

اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوسفیان نے ضمضم کو اس وقت مکہ بھیجا تھا جبکہ حضورؐ ابھی مدینہ سے باہر نہیں ہوئے تھے۔ اور ضمضم کی چیخ و پکار پر مکہ میں جنگ کی تیاریاں اس وقت شروع ہوئی ہیں جب کہ مدینہ میں ابھی جنگ کا سان گمان بھی نہیں ہے۔ اور اس بنا پر ابوجہل ایک لشکر جرار لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ سے روانگی سے پہلے ہی مکہ سے چل پڑا ہے۔" (برہان، جلد ۴، شمارہ ۲، فروری ۱۹۶۰ء) اس کے علاوہ ابن جریر طبری (ج ۲، ص ۱۴۲) کے اس سلسلے میں یہ الفاظ ہیں: "فَلَمَّا سَمِعَ اَبُوسُفیان ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معترضون لہ بعث اِلیٰ قریش . . ." جس کا عام فہم ترجمہ یہ ہے۔ "جب ابوسفیان نے یہ سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس کی گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں تو اس نے قریش کو اس کی اطلاع بھیجی . . ." یہاں پر ضمضم کے الفاظ بھی قابل غور ہیں جب کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچا تو اس نے کہا: "اَموالکم مع اَبی سفیان قد عَرَضَ لہا محمد فی اصحابہ . ." (ابن ہشام، ج ۱، ص ۶۰۹ جیسا کہ ابن اسحاق نے روایت کی ہے۔) اس کا عام فہم ترجمہ یہ ہے: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی (یعنی صحابہ) تمھارے اس مال کی جو کہ ابوسفیان کے ساتھ ہے گھات میں لگے ہوئے ہیں . ." (اے گلوم نے بھی سیرت ابن اسحاق کے انگریزی ترجمہ میں تقریباً یہی الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو، لائف آف محمد، انگریزی ترجمہ، سیرت ابن اسحٰق، ص ۲۹۱)

[۵۵] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۰۹

کے بجائے مکہ مکرمہ کے لئے ساحل سمندر کا راستہ اختیار کیا لیکن قبل اس کے کہ ابوسفیان اپنے قافلہ کے ساتھ مدینہ پہنچا قریش کا لشکر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو چکا تھا جبکہ قریش مدینہ منورہ کے راستے میں تھے تو ان کو اطلاع ملی کہ ابوسفیان کا قافلہ مکہ مکرمہ واپس آچکا ہے[۸۸] اس اطلاع کے ملنے کے بعد قریش کے کچھ سرداروں نے سوچا کہ اب مکہ مکرمہ واپس چلا جائے لیکن ابوجہل اور دوسرے لوگ واپسی کے لئے ہرگز تیار نہیں تھے بلکہ وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے پر پوری طرح آمادہ تھے انھوں نے عامر ابن حضرمی کو بھی ابھارا جس کا بھائی عمرو ابن حضرمی، عبداللہؓ ابن جحش کے سریہ میں قتل ہو گیا تھا۔ جب عامر ابن حضرمی نے یہ دیکھا کہ قریش کے کچھ سردار جنگ کو ملتوی کر رہے ہیں کیونکہ ابوسفیان کا قافلہ بحفاظت مکہ مکرمہ پہنچ چکا ہے تو اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور گرد اڑانا شروع کر دی جو اسوقت دشمن کے خلاف غصہ ظاہر کرنے کی ایک علامت سمجھی جاتی تھی۔) اور چلا چلا کر کہنے لگا: "ہائے عمرو۔ ہائے عمرو۔" اس واقعہ نے قریش کے تمام لشکر کے جذبات کو برانگیختہ کر دیا وہ غصہ میں آپے سے باہر ہو گئے اور مدینہ منورہ کی طرف کوچ برابر جاری رکھا (تاکہ مسلمانوں سے عمرو ابن حضرمی کے بھائی عامر ابن حضرمی کے قتل کا بدلہ لیں) لیکن قبیلۂ زہرہ اور عدی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ مکہ مکرمہ واپس ہو گئے[۸۹]

مندرجہ بالا روایتوں اور بیانات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی کہ بدر پر قریش کے حملے کا مقصد عمرو ابن حضرمی کے قتل (جو مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا تھا) کا بدلہ لینا بھی تھا۔ یہ حقیقت یوں بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بدر پر چڑھائی سے پہلے ہی ابوسفیان کا

---

[۸۸] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۱۸؛ ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۴۸؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۲۱؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۵۰؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۔

[۸۹] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۱۹؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۴؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۵۱۔

قافلہ بحفاظت مکہ مکرمہ پہنچ چکا تھا جس کی قریش کے لشکر کو اطلاع بھی مل چکی تھی۔

(ب) قریش کا بدر پر حملہ :۔

اب کچھ اس قسم کی حالت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ، اور قریش اپنے لشکر کے ساتھ دونوں ہی بدر کی جانب بڑھ رہے تھے۔ بدر ایک گاؤں ہے جو کہ مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر مکہ کی جانب ہے۔ قریش کا سپہ سالار ابوجہل تھا جو کہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا بدترین دشمن تھا۔ قریش کے لشکر میں ایک ہزار پوری طرح مسلح آدمی تھے۔ اس فوج میں تقریباً تین سو گھوڑے اور سات سو اونٹ تھے۔[۹۰] مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔[۹۱] مسلمان قریش کی طرح مسلح بھی نہیں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بُسبس ابن عمرو الجہنی اور عدی ابن ابی دغنہ کو پیش قدمی کے طور پر اس سمت

---

[۹۰] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۲؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۱۰۔
(نوٹ:۔ محمد زرقانی نے المواھب میں ایک اور روایت بھی نقل کی ہے جس کے مطابق لشکر میں گھوڑوں کی تعداد سَو اور اونٹوں کی تعداد سات سو تھی۔)

[۹۱] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۲، ۱۶ اور ۱۹؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۵۲، ۷؛ ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۷۸۔ (نوٹ:۔ محمد زرقانی کی ایک روایت کے مطابق مسلمانوں کے لشکر میں تین گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ ملاحظہ ہو شرح المواہب، ج ۱، ص ۴۰۸ اور ۴۰۹) بخاری کے مطابق مسلمانوں کی تعداد ۳۱۰ سے کچھ زیادہ تھی اور ان کی یہ تعداد طالوتؑ کے ان ساتھیوں کے برابر تھی جنھوں نے نہر کو پار کیا تھا جبکہ جالوت سے وہ لڑنے جا رہے تھے۔ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، کتاب المغازی، قصۂ بدر، ج ۲، ص ۵۶۴؛ ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۳۱؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۰

روانہ کر دیا تھا۔ جدھر سے قریش کے لشکر کے آنے کی اطلاع ملی تھی تاکہ وہ ان کی نقل و حرکت کی اطلاع آپؐ کو پہونچائیں۔[۹۲]

قریش کا لشکر بدر پہلے پہونچ گیا اور جنگی نقطۂ نظر سے اچھی جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ جبکہ مسلمانوں کو ایسی جگہ ملی جہاں نہ کوئی کنواں ہی تھا اور نہ چشمہ۔ مزید براں زمین بہت زیادہ ریتیلی تھی جس کی وجہ سے اونٹوں کے پاؤں دھنس رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت حباب ابن منذرؓ نے یہ مشورہ دیا کہ قریب کے ایک بڑے چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے ان کا یہ مشورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ چشمہ پر قبضہ کر لیں[۹۳] اللہ کے فضل و کرم سے کافی تیز بارش ہوئی جس سے چھوٹے چھوٹے تالاب پانی سے بھر گئے جس کی وجہ سے پانی کے ذخیرے میں کافی اضافہ ہو گیا۔[۹۴] قرآن کریم نے اس کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔

"وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهِ (سورۃ الانفال آیت نمبر۱۱)

(ترجمہ) اور اس نے آسمان سے پانی برسایا تم کو پاک کرنے کے لئے۔" (سورہ انفال آیت نمبر۱۱)

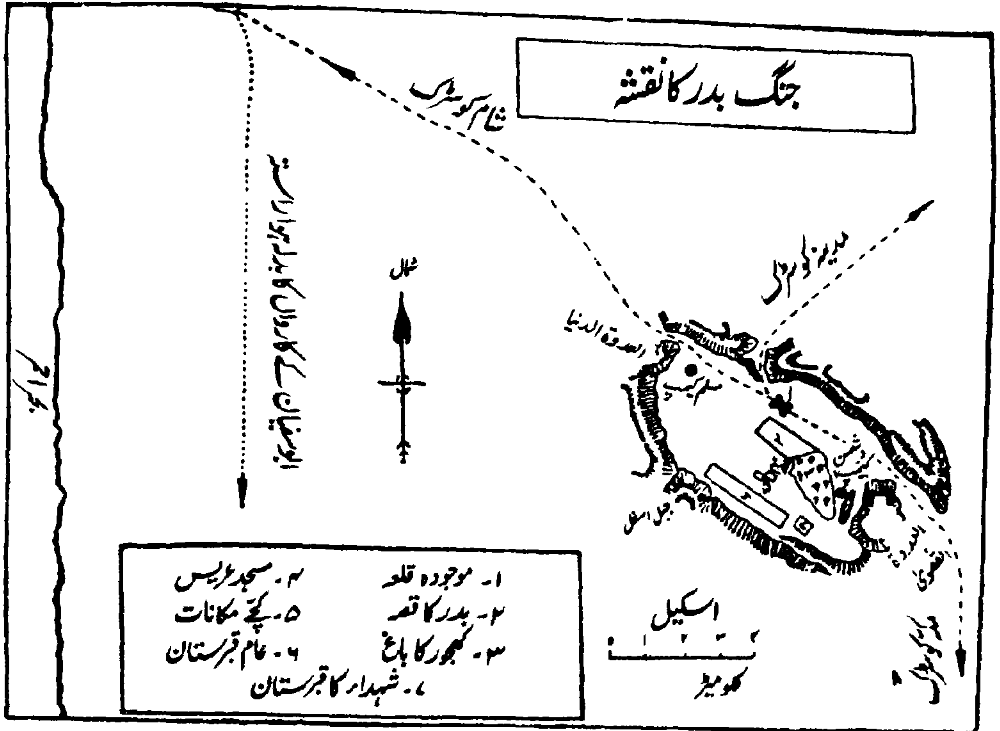
حالانکہ مسلمانوں کا پانی پر پورا کنٹرول تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا[۹۵] فیض عام تھا اور آپؐ نے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت مرحمت فرما دی تھی۔ رات کو دونوں لشکروں نے بدر میں قیام کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری رات

۹۲؎ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۴۹ ۷ ؛ ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۳۷۔

۹۳؎ ابن ہشام، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۲۰ ؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۵؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۵۱ ؛ ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۴۰ ؛ ابن حزم السیرۃ النبویہ، مخطوطہ، ص ۸ ۷ اور ۷۹۔

۹۴؎ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۴۱۵ ؛ ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۳۹؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۵۔

۹۵؎ ابن ہشام، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۲۲ ؛ ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۴۱۔



جنگ بدر کے میدان جنگ کا نقشہ

دعا و عبادت میں گزار دی آپؐ اللہ کے سامنے گڑگڑا رہے تھے اور بار بار یہ دعا فرما رہے تھے: "اَللّٰهُمَّ نَصْرَكَ الَّذِي وَعَدْتَنِي، اَللّٰهُمَّ اَحِنْهُمُ الْغَدَاةَ۔"[۹۵ (الف)]

"اے اللہ تو اس وعدہ کو پورا فرما جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔ اے اللہ تو ان کو کل ہلاک کر۔"

دوسری روایتوں میں یہ دعا بھی نقل کی گئی ہے:۔

"اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ الْيَوْمَ لَا تُعْبَدْ"

"اے اللہ اگر (تیرے اوپر ایمان رکھنے والوں کی) یہ مختصر سی جماعت آج ختم ہو گئی تو پھر (قیامت تک روئے زمین پر) تیری عبادت کرنیوالا کوئی نہیں رہ جائے گا۔"[۹۶]

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی یہ دعا قبول فرمائی اور فتح کی خوشخبری کے طور پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی[۹۷]

"سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔" (سورہ القمر۔ ۴۵)[۹۸]

"عنقریب (ان کی) یہ جماعت شکست کھائے گی اور پھر پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔" (سورہ قمر۔ ۴۵)[۹۹]

بالآخر بدر کی جنگ ۱۷ رمضان[۱۰۰] ۲ھ بروز جمعہ (مارچ ۶۲۴ء) کو ہوئی

---

۹۵ (الف) ابن ہشام، مطبوعہ بیروت جدید، ج ۲، ص ۲۷۳۔

۹۶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۶۲۷؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۱۹؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۵۲۷؛ ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۱، ص ۴۴۸؛ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر۔

۹۷ صحیح بخاری، کتاب المغازی، قصۃ بدر، ج ۲، ص ۵۶۴۔

۹۸ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۱۰؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۱؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۲۶؛ ابن حزم، السیرۃ النبویہ، مخطوطہ، ص ۷۹؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۴۳۔

قریش کے تین سردار شیبہ، عتبہ اور ولید ابن عتبہ سب سے پہلے نکلے اور مبارز طلبی کی ان کا یہ چیلنج مسلمانوں کے تین نامور شہسواروں نے قبول کیا۔ یہ حضرات تھے عبیدہؓ ابن حارث، حمزہ ابن عبد المطلب اور علیؓ ابن ابوطالب ۔ شیبہ حضرت حمزہؓ کی تلوار کا نشانہ بنا اور ولید کو حضرت علیؓ نے قتل کیا۔ عتبہ سے حضرت عبیدہؓ کو ایک زخم لگا لیکن بعد کو حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے اس کو تہ تیغ کر دیا۔[۹۹] اس کے بعد قریش کا ایک اور مشہور جنگجو عبیدہ ابن سعید ابن العاص باہر نکلا اور مسلمانوں کو مقابلہ کی دعوت دی۔ حضرت زبیرؓ نے اس کے اس چیلنج کو قبول کیا اور اس کو نیزہ سے مار ڈالا۔[۱۰۰] جب اس طرح دست بدست انفرادی حملے ختم ہو گئے تو اس کے بعد قریش نے مسلمانوں پر ایک عمومی حملہ کیا بالآخر اس جنگ میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا ۔ قریش کے بڑے بڑے سردار یا تو جنگ میں مارے گئے یا قیدی بنا لئے گئے۔ ابوجہل جو کہ قریش کی اس فوج کا سپہ سالار تھا انصار کے دو لڑکوں معاذؓ اور معوذؓ کے ذریعے مارا گیا۔[۱۰۱] قریش کی باقی ماندہ فوج بھاگ کھڑی ہوئی مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور بہت سے لوگوں کو قید کر لیا۔[۱۰۲] باقی لوگ بھاگ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چودہ صحابہؓ اس غزوہ میں شہید ہوئے۔[۱۰۳]

غزوۂ بدر کی فتح دراصل نصرتِ الٰہی کی ایک کھلی ہوئی دلیل تھی حقیقتاً یہ حق کی باطل پر فتح تھی جو اللہ کی مدد سے مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھی۔ قرآن کریم میں اس بارے میں کئی مقامات پر ارشادات خداوندی وارد ہوئے ہیں :۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ

---

۹۹ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۲۵؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۵۲؛ ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۴۵

۱۰۰ صحیح بخاری، کتاب المغازی ۔

۱۰۱ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۳۴ و ۶۳۵؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۵۳۔

۱۰۲ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۸؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۵۳۔

۱۰۳ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۷۔

بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ○

(سورہ آل عمرانؑ - آیت ۱۳)

ترجمہ: بے شک تمہارے لیے دو گروہوں کے (واقعہ بدر) میں بڑا نمونہ ہے جو کہ باہم ایک دوسرے سے مقابل ہوئے تھے ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں لڑتا تھا (یعنی مسلمان) اور دوسرا گروہ کافر لوگوں کا تھا یہ کافر اپنے کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصہ (زیادہ) ہیں۔ کھلی ہوئی آنکھوں سے (دیکھ رہے تھے) اور اللہ تعالیٰ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے۔ بلا شبہ اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے جو عقل کی آنکھ رکھتے ہیں

(سورہ آل عمرانؑ آیت نمبر ۱۳)

ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے:-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ○ (سورہ آل عمرانؑ، ۱۲۳ و ۱۲۴)

ترجمہ: "اور بے شک اللہ تعالیٰ بدر میں تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس وقت تم تھوڑے تھے (اور بے سر و سامان تھے) پس اللہ سے ڈرو تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو (اور وہ وقت یاد کرو) جبکہ تو (اے محمدؐ) مسلمانوں سے کہہ رہا تھا کیا تم کو یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ تین ہزار فرشتوں کو تمہاری مدد کے لیے بھیج دے (جو تمہارے لیے) اتارے جائیں؟" (سورہ آل عمرانؑ آیات ۱۲۳-۱۲۴)

مؤرخین کے مطابق وہ تین ہزار فرشتے جن کا تذکرہ آیت مذکورہ میں ہے تین جلیل القدر فرشتوں حضرت جبرئیلؑ، حضرت میکائیلؑ اور حضرت اسرافیلؑ کے ساتھ اترے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک ہزار فرشتے تھے[۱۰۴]

---

[۱۰۴] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۶۔

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں غزوۂ بدر کی طرف اشارات ملتے ہیں:
سورۂ انفال آیات نمبر ۷ تا ۱۹، سورۂ انفال آیات نمبر ۴۲ تا ۴۴؛ سورۂ انفال آیات نمبر ۶۷ تا ۶۹؛ سورۂ انفال آیات نمبر ۷۰ و ۷۱۔

درحقیقت غزوۂ بدر تاریخ اسلام کا ایک اہم اور فیصلہ کن غزوہ ہے اگر مسلمانوں کو اس غزوہ میں کامیابی نہیں ہوتی تو اسلام ہمیشہ کے لیے رُوئے زمین سے ختم ہو چکا ہوتا۔ دراصل یہ نورانی طاقتوں کا ظلماتی طاقتوں سے اور حق کا باطل سے معرکہ تھا، یہ غزوہ باطل پر حق اور ظلمات پر نور کی اللہ کی نصرت سے زبردست فتح ثابت ہوا۔ اس فتح سے مسلمانوں کے جذبات اور زیادہ ابھرے ان کی ہمتیں بڑھیں اور مستقبل میں مزید کامیابیوں کی امیدیں بندھیں۔

(ج) غزوۂ بدر کے درمیان رونما ہونے والے کچھ معجزانہ واقعات:۔

غزوۂ بدر میں کامیابی اللہ جل شانہ، کی خصوصی نصرت کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں چند معجزانہ واقعات جو اس غزوہ کے درمیان پیش آئے تھے نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل سطور میں تحریر کیے جاتے ہیں۔

نزول ملائکہ کے بارے میں خود قرآن کریم کی شہادت کافی ہے۔ جہاں تک انسانی شواہد کا تعلق ہے اس دور کے بہت سے لوگوں نے ملائکہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک چرواہا جس نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا اور جو غزوۂ بدر کے موقع پر قریب کی پہاڑیوں میں اپنے بھیڑیں چرا رہا تھا کہتا ہے: "میں اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی سے جنگ کو دیکھ رہا تھا اور اس کا منتظر تھا کہ جو گروہ بھی فتحیاب ہو میں اس کے ساتھ مل جاؤں تاکہ مجھے بھی مال غنیمت میں حصہ ملے۔ اچانک ہم نے بہت بڑا بادل اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا جس سے جنگی گھوڑوں کی آوازیں اور جنگ کے بگل بجنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جیسے ہی وہ بادل قریب آیا فرشتوں کی ٹکڑیں نکلنا شروع ہو گئیں اور ایک بڑے فرشتہ کی دہشت ناک آواز سنائی دی جو اپنی گھوڑی سے کہہ

کہہ رہا تھا۔ حیزوم تیز چلو۔ اے حیزوم" اس فرشتہ کی دہشت ناک آواز سے میرے ساتھی کا دل پھٹ گیا اور وہ اسی جگہ انتقال کر گیا اور میں بھی مرنے کے قریب ہو گیا[۱۰۵]۔ نزول ملائکہ کے معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی بہت سی جگہ بیان کیا گیا جیسا کہ اوپر نقل کی گئی آیات میں بھی ہے۔

جب جنگ شروع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا کی اور ایک مٹھی میں کنکریاں بھر کر دشمن کی طرف پھینکی جو اس بات کا اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی عقلوں کو اندھا کر دے گا[۱۰۶]۔ اس غزوہ میں پیش آنے والا ہر کام دراصل اللہ ہی کا کام تھا اور یہ اسی کے راستہ میں اور اسی کے حکم کے تحت ہو رہا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزانہ عمل کو بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

(سورۂ انفعال ایت نمبر ۱۷)

(ترجمہ) "اور (اے پیغمبرؐ) تو نے وہ مٹھی (کنکریوں) کی نہیں پھینکی جو کہ تو نے پھینکی تھی بلکہ (درحقیقت وہ) اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی (اس میں بہت سے فائدے تھے اور ایک فائدہ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں پر اپنی طرف سے ایک بڑا احسان کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ (ان کی دعا) سنتا ہے (ان کا حال) جانتا ہے۔"

عکاشہ ابن محصنؓ ایک صحابی تھے جو غزوہ بدر میں شریک تھے لڑائی کے دوران ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لکڑی کا ٹکڑا عنایت

---

۱۰۵ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۳۳۔

۱۰۶ ابن قیم، زادالمعاد، ج ۱، ص ۳۴۴۔

فرمایا جیسے ہی وہ انھوں نے رسول اللہ صلیّ اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ سے لیا وہ ایک تلوار کی شکل میں بدل گیا جس سے انھوں نے جنگ کی۔ اس تلوار کا نام انھوں نے "العون" رکھا یہ تلوار ان کے ساتھ آئندہ آنے والے غزوات میں بھی رہی۔"[۱۱۷]

بہت سی روایتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر شیطان سراقہ کی شکل میں موجود تھا[۱۱۸]۔ وہ میدان جنگ سے بھاگ رہا تھا لیکن قریش نے اس کو روک لیا اور مورد الزام ٹھہرایا۔ قرآن کریم میں اس کی طرف مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ ہے۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ
مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ
وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (سورۃ الانفال۔ آیت ۴۸)

(ترجمہ) "اور اس وقت کا ان سے ذکر کیجیے جب کہ شیطان نے ان (کفار) کو ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھلائے اور کہا کہ لوگوں میں سے آج کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور میں تمہارا حامی ہوں۔ پھر جب دونوں جماعتیں (کفار و مسلمین کی) ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو وہ اُلٹے پاؤں بھاگا اور کہا کہ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں (مراد فرشتے) ہیں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔" (سورۂ انفال ۸ آیت ۴۸)

بحیثیت مسلمان ہم کو اُن معجزات پر یقین لانا ضروری ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجود میں آتے ہیں اور پیغمبروں کے ذریعہ دکھائے جاتے ہیں یا اُن کے ہاتھوں پر

---

۱۱۷ المواہب اللدنیۃ، ج ۱، ص ۳۰۴؛ ابن حزم حوالۂ مذکورہ، مخطوطہ ص ۳۰؛ ابن ہشام، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۳۷؛ ابن قیم، زاد المعاد۔

۱۱۸ ابن ہشام حوالۂ مذکورہ ج ۱، ص ۶۱۲؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۴۴۔

رونما ہوتے ہیں۔ اسی طرح غزوۂ بدر کی کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت و مدد کے وجہ سے ہی ہوئی (نہ کہ مادی اسباب و وسائل کی بنیاد پر)۔

(د) کفار قریش میں سے قتل کیے گئے یا قیدی بنائے گئے لوگ:[401]

کفار مکہ میں سے تقریباً ستر آدمی غزوۂ بدر میں قتل ہوئے جن میں سے اہم مقتولین کے نام یہ ہیں: شیبہ اور عتبہ (یہ دونوں عبد شمس کے پوتے تھے)؛ ولید؛ العاص بن سعید؛ ابوجہل؛ ابوالبختری؛ حنظلہ (ابوسفیان کا لڑکا)؛ الحارث (عبد مناف کا پوتا)؛ تمیم بن عدی؛ زمعہ؛ نوفل بن خویلد؛ العاص بن ہاشم؛ منبہ بن الحجاج؛ معبد؛ نذیر؛ عقبہ؛ اُمیہ بن خلف؛ علی بن اُمیہ وغیرہ۔

اسی طرح تقریباً ستر کفار قریش قید کر لیے گئے تھے۔ قیدیوں میں سے کچھ خاص لوگوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

نوفل (مطلب کا پوتہ)؛ عاقل (بن ابوطالب)؛ ابوالعاص؛ عدی بن الخیار، عمرو (بن ابوسفیان)؛ ابوعزیر؛ ولید (مغیرہ کا پوتا)؛ ابوعزیز (مصعب بن عمیرؓ کا بھائی)؛ وہب بن عمیر؛ ابووداع؛ سہیل بن عمرو؛ عباس بن عبدالمطلب وغیرہ۔

(ر) دشمنوں (یعنی جنگی قیدیوں) کے ساتھ سلوک:۔

جنگی قیدیوں سے غیر معمولی رحمدلی کا برتاؤ کیا گیا جس سے اسلام کے اصول جنگ ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ اُن کو عمدہ قسم کا کھانا دیا جاتا جب کہ خود مسلمان معمولی کھجوروں پر گزارہ کرتے تھے۔[402] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دشمنوں پر بہت مہربان و رحیم تھے۔ آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ کچھ حضرات بہت زیادہ

---

[401] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:- ابن ہشام حوالہ مذکور؛ (طبع جدید بیروت) ج ۲، ص ۳۴۵ تا ۳۷۴ اور ج ۳ ص ۳ تا ۸؛ نیز: ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک؛ ابن خلدون، تاریخ؛ وغیرہ۔

[402] ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۴۶۱؛ ابن کثیر، سیرت، ج ۲، ص ۴۷۵

جوشیلے تھے اور انھوں نے مشورہ دیا کہ ان تمام جنگی قیدیوں کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی بھی یہی رائے تھی۔[۱۱۱] لیکن حضرت ابوبکرؓ نے مشورہ دیا کہ چونکہ ان میں سے (زیادہ تر) ہمارے اپنے ہی رشتہ دار اور قریبی لوگ ہیں اس لیے ان کو فدیہ لیکر رہا کر دیا جائے۔[۱۱۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔ اور قیدیوں کو فدیہ لیکر رہا کرنے کا حکم دیا۔ لیکن اللہ جلّ شانہٗ نے اس کو پسند نہیں فرمایا چنانچہ مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی[۱۱۳] جس میں اس کے بارے میں تنبیہہ کی گئی۔

مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (سورۃ الانفال۔ آیات ۶۷، ۶۸)

(ترجمہ) "نبی کی شان کے لائق (یہ) نہیں کہ اس کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کردیے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خونریزی نہ کر لیں۔ تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست، بڑا حکمت والا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہیں ہو چکا ہوتا تو جو کام تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی۔" (سورہ انفال ۸، آیات ۶۷، ۶۸)

بہت سی احادیث میں (جن میں سے ایک صحیح مسلم کی بھی روایت ہے) یہ بیان کیا گیا ہے کہ مندرجہ بالا آیات کے نزول پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت روئے جنگی قیدیوں سے چار ہزار درہم فی کس فدیہ کی رقم مقرر کی گئی۔ جو لوگ غربت کی وجہ سے اس کو ادا نہیں کر سکتے تھے لیکن لکھنا پڑھنا جانتے تھے اُن میں سے فی آدمی کے ذمہ دس آدمیوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا مقرر کیا گیا۔ جس کے بعد وہ بھی آزاد

---

۱۱۱ محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۴۴۱۔

۱۱۲ ابن جریر طبری، حوالۂ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۴، ۴۴؛ وغیرہ۔

۱۱۳ سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی فداء الاسیر بالمال، ج ۲، ص ۱۰؛ محمد زرقانی، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۴۱۔

کردئے گئے۔[۱۱۴] حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔[۱۱۵] ایسے لوگ جو نہ کہ فدیہ کی رقم ادا کرسکتے تھے۔ اور نہ ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے بغیر کسی معاوضہ ادا کئے رہا کردئے گئے۔

اس جگہ ایک اہم واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس سے نہ صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے مثال عدل و انصاف کا نمونہ پیش کیا ہے بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپؐ ایک کامل ترین انسان تھے۔ علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ میں یہ واقعہ اس[۱۱۶] طرح ہے:-

"آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے داماد ابوالعاص بھی اسیران جنگ میں آئے تھے۔ ان کے پاس فدیہ کی رقم نہیں تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو (جو کہ ان کی زوجہ تھیں اور مکہ میں تھیں) کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں۔ حضرت زینبؓ کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں ان کو ایک قیمتی ہار دیا تھا حضرت زینبؓ نے زر فدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اتار کر بھیج دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ۲۵ برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آگیا۔ آپؐ بے اختیار رو پڑے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ تمھاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کردو، سب نے تسلیم کی گردنیں جھکادیں۔ اور وہ ہار واپس کردیا۔ ابوالعاص رہا ہو کر مکہ واپس آئے اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔"

ولیم میور جیسا معاند دشمن اسلام و رسولؐ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے جنگی قیدیوں کے ساتھ اس سلوک و احسان پر ان الفاظ کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا: "محمدؐ کے حکم کی بجاآوری کے طور پر مدینہ کے رہنے والے مسلمانوں نے اور ان مہاجرین نے جن

---

۱۱۴ ابن سعد، حوالۂ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۶؛ مزید ملاحظہ ہو۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۲۴۷۔

۱۱۵ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ج ۱، ص ۳۲۲۔

۱۱۶ ملاحظہ ہو: ابن ہشام، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۶۵۳؛ محمد زرقانی، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۱۵۱؛ ابن جریر طبری، حوالۂ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۴۷؛ سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی فداء الاسیر بالمال، ج ۲، ص ۱۱؛ علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ج ۱، ص ۳۲۳۔

کے اپنے اپنے مکانات تھے جنگی قیدیوں کے ساتھ بے مثال اور کریمانہ سلوک کیا۔ ان قیدیوں میں سے ایک نے (اس برتاؤ سے متاثر ہوکر) کہا: مدینہ کے رہنے والوں پر رحم کی بارش ہو، انھوں نے ہمیں سواریوں پر سوار کرایا جب کہ وہ خود پیدل چلتے تھے۔ وہ ہمیں گیہوں کے آٹے کی روٹی کھلاتے تھے جب کہ خود کھجوروں پر گزارہ کرتے تھے۔[۱۱۷]"

جناب سید اطہر حسین اس سلسلے میں رقم طراز ہیں۔ "موجودہ دور کی ان تمام ترقیات اور روشنی کے باوجود، اور جنگی قیدیوں کے سلسلے میں بین الاقوامی قراردات اور معاہدات کے باوجود تاریخ اس جیسی کوئی بھی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے جیسا کہ مسلمانوں نے اپنے جنگی قیدیوں کے ساتھ بے مثال سلوک کر کے چودہ سو سال قبل (جنگ کے) اس پہلے مرحلہ پر ہی قائم کی ہے۔[۱۱۸]"

(ز) غزوۂ بدر کے اثرات:۔

غزوۂ بدر کی فتح تاریخ اسلام میں نہایت ولولہ انگیز فتح ہے۔ فلپ ہٹی (Philip Hitti) اس عظیم فتح پر مندرجہ ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے:۔

" فوجی نقطۂ نظر سے یہ جنگ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو یہ ایک حقیقت ہے کہ غزوۂ بدر نے محمدؐ کی دینوی اقتدار کی بنیاد رکھ دی۔ اسلام میں یہ پہلی فتح تھی۔ اسلامی تاریخ کے اس پہلے معرکہ میں نظم اور جان بازی کے بے مثال جوہر کا مظاہرہ کیا گیا جس نے اس کو امتیازی شکل میں بعد میں پیش آنے والی فتوحات میں بھی باقی رکھا۔ اس غزوہ سے قبل اسلام مدینہ کی اسٹیٹ میں ایک مذہب کی حیثیت رکھتا تھا لیکن غزوۂ بدر کے بعد اس مذہب کی حیثیت "سرکاری مذہب" State Religion کی ہوگئی۔[۱۱۹]"

---

۱۱۷ ولیم میور، لائف آف محمدؐ (انگریزی)، ج ۳، ص ۱۲۲۔

۱۱۸ سید اطہر حسین، پرافٹ محمد اینڈ ہز مشن (انگریزی)، ص ۲۰۔

۱۱۹ Philip K. Hitti, The Near East In History.

جوزف ہیل Joseph Hell لکھتا ہے:۔

"بدر کی فتح سے پیغمبر کی طاقت کو یثرب میں استحکام ملا۔ اس کا سب سے اہم نتیجہ خود محمدؐ اور آپؐ کے قریب ترین ساتھیوں کے اندر پیغمبرانہ کام میں یقین کی گہرائی اور پختگی کا پیدا ہوتا تھا۔ برسوں کی تکالیف اور مجاہدات کے بعد ایک متحیر کر دینے والی فتح نصیب ہوئی تھی۔ یہ فتح بول بالا کر دینے والی فتح تھی جو ایک قسم کی نا امیدی کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ درحقیقت گھٹا ٹوپ اندھیرے میں مسلمانوں کو روشنی کی ایک کرن دکھائی دی تھی ......"

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا Encyclopaedia Britanica کا مقالہ نگار تحریر کرتا ہے:۔

"بدر کی جنگ مسلمانوں کے اندر نہ صرف سب سے زیادہ مشہور اور معروف ہے بلکہ یہ ایک عظیم تاریخی یادگار بھی ہے۔ اس سے محمدؐ کی حیثیت میں بے پایاں اضافہ ہوا۔ اس کے بعد محمدؐ کی کھلم کھلا مخالفت ممکن نہیں رہی۔"[۱۲۰]

ڈبلو۔ مونٹگمری واٹ W. Montgomery Watt تبصرہ کرتا ہے:۔

"بدر میں اہل مکہ کی ہزیمت ایک سنگین سانحہ تھا۔ مکہ کے پندرہ[۱۵] یا بیس[۲۰] سب سے زیادہ بااثر تجربہ کار اور آزمودہ اشخاص میں سے تقریباً ایک درجن مارے گئے تھے .... (قومی) وقار کا نقصان اس سے بھی زیادہ سنگین تھا حالانکہ اس کے اثرات فی الفور نہیں ہوئے (کیونکہ) اس جنگ میں نسبتاً کم تعداد میں فوجی قوت استعمال ہوئی تھی اور مدینہ میں نہ تو طاقت ہی تھی اور نہ ہی فوجی مہارت جس کی وجہ سے وہ مکہ کا مقام حاصل کر سکتا اور اسی طرح تجارتی نقطۂ نظر سے بھی وہ مغربی عرب میں مکہ کی مرکزی حیثیت کا حامل نہیں تھا پھر بھی مکہ (یعنی قریش) کے وقار کو زبردست دھچکہ لگا تھا۔"[۱۲۱]

۱۲۰۔ "Encyclopaedia Britanica" , 9th Ed., Vol. IV.

۱۲۱۔ W. Montgomery Watt, Muhammad, The Prophet And Statesman, p.124.

ٹور اینڈری (Tor Andrae) رقمطراز ہے :۔

"(تاریخ میں) ایسا کم ہی ہوا ہے کہ ایک اتنا حقیر اور چھوٹا معرکہ اتنے دوررس اور اہم نتائج کا حامل ہوا ہو۔ اس کے اخلاقی اثرات، بالخصوص مدینہ میں، مشکل سے بیان کئے جاسکتے ہیں۔ پیغمبرؐ کو ایک ناقابلِ تردید ثبوت فراہم ہوگیا تھا کہ خدا آپ کے ساتھ ہے ......"[۱۴۲]

غزوۂ بدر کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے سید اطہر حسین تحریر کرتے ہیں :۔

"غزوۂ بدر کے بہت دوررس نتائج برآمد ہوئے۔ اس سے قبل مسلمان ایسی اذیت پہنچائی گئی جماعت کی شکل میں تھے جو کسی بڑے جنگی معرکہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ اس فتح نے اُن کے اندر اپنی مادی قوت میں اعتماد پیدا کیا۔ اب وہ طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرسکتے تھے۔ جلد ہی وہ ایک طاقت کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے اور چھوٹے چھوٹے قبیلے اُن کے خلاف فوجی قوت جمع کرنے سے خبردار ہوگئے۔ (مسلمانوں کی) اس فتح سے قریش کے وقار کو ایک زبردست دھچکا لگا .... مدینہ اور اس کے اطراف میں آباد یہودی بھی اس نئی طاقت کے ابھرنے سے خبردار ہوگئے، شکست کی بے آبروئی اور ذلت نے اہل مکہ کو اور زیادہ درشت اور غضب ناک بنادیا اور "بدلے" کا لفظ بہت سی زبانوں پر آنے لگا۔"[۱۴۳]

اس غزوۂ پر غلام سرور مندرجہ ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں :۔

"بدر کی جنگ کی فتح، جو کہ اسلام میں پہلی باقاعدہ جنگ تھی، تاریخِ اسلام میں ایک عظیم الشان فتح تھی۔ اس نے مسلمانوں کے اندر وہ جذبات پیدا کر دیئے تھے جس کی قیمت مال و دولت کی شکل میں نہیں لگائی جاسکتی۔

Tor Andrae, Muhammad, The Man And His Faith , p. 146. ۱۴۲

S. Athar Husain, Prophet Muhammad And His Mission, p.28,29. ۱۴۳

جس طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام مسلمانوں کے لئے ایک نمونہ ہیں اسی طرح غزوۂ بدر تمام (اسلامی) جنگوں کے لئے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے جب کبھی بھی مسلمان جنگ کریں وہ صرف اللہ کی محبت سے سرشار ہو کر اور حق کو قائم کرنے کے لئے جنگ کریں۔[۱۲۴]"

غزوۂ بدر کے نتیجہ میں عرب کے کفار اور یہودیوں کو پہلی بار ایک نئی طاقت کے ابھرنے کا احساس ہوا، ایک ایسی طاقت جس کا نام "اسلام" تھا۔ اب انھوں نے مسلمانوں کی قوت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

سنہ ۲ھ کے متفرق واقعات

غزوۂ بنو سُلیم (یا غزوۂ قُرقُرہ بمقام کُدر)

غزوۂ بدر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں صرف سات رات[۱۲۵] قیام کیا اور اس کے بعد آپؐ بنو سُلیم تشریف لے گئے تاکہ بنو سُلیم اور بنو غطفان قبیلوں کے جارحانہ حملوں کی مدافعت کریں جن کے متعلق آپؐ کو مدینہ منورہ میں اطلاع ملی تھی۔ وہاں پہنچنے پر آپؐ کو ایک گڈریئے نے بتایا کہ کچھ لڑاکا لوگوں کی ایک جماعت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع سنکر ساحل سمندر کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ آپؐ نے وہاں پر تین رات قیام فرمایا اور پانچ سَو اونٹوں کے ساتھ واپس تشریف لے آئے جو وہ لوگ وہاں (جلدی میں) چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ (نوٹ:۔ ابن سعد کے مطابق یہ غزوہ محرم سنہ ۳ھ

---

۱۲۴ A. Ghulam Sarwar, Muhammad, The Holy Prophet, p.216.

۱۲۵ ابن ہشام، حوالۂ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۳؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۴۷؛ ابن حزم، السیرۃ النبویۃ، مخطوطہ ص ۱۰۶؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۳، ص ۳۴۴۔ (نوٹ:۔ شرح المواہب میں اس غزوہ کا نام غزوۂ قُرقُرہ یا کُدر ہے جو کہ شوال کے مہینے میں پیش آیا۔ ملاحظہ ہو: ج ۱، ص ۴۵۴۔ ابن ہشام نے جیسا کہ اوپر حوالہ دیا گیا ہے ابن اسحاق کی روایت کے مطابق اس غزوہ کا نام غزوۂ بنی سلیم بالکُدر رکھا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو: سیرت ابن اسحاق، انگریزی ترجمہ از اے۔ گیوم، ص ۳۶۰۔

میں پیش آیا۔[126]

ابو عفک اور اسماء بنت مروان کا قتل :۔

ایک بوڑھا یہودی ابو عفک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا تاکہ لوگوں کو آپؐ کے اور اسلام کے خلاف اکسائے۔ اُس نے کچھ زہریلے اشعار اللہ کے قانون، اسلام کے خلاف کہے۔ یہ یقیناً اللہ کی حکومت اور نظام اسلام کے خلاف جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا، بغاوت تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ اس معاہدے کی بھی کھلی ہوئی خلاف ورزی تھی جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے درمیان ہوا تھا۔ اس بغاوت کی سزا قتل تھی۔ قتل کی اس مہم کو حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے شوال[127] کے مہینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بموجب سر کیا۔

ابو عفک جیسی ہی ایک عورت بھی تھی جس کا نام اسماء بنت مروان تھا اور جس کا تعلق مدینہ منورہ کے قبیلۂ اوس سے تھا۔ وہ ایک شاعرہ تھی اُس نے بھی اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہجو سے بھرے اشعار کہے۔ غزوۂ بدر کے بعد اُس نے کچھ اشعار کہے جن میں لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اکسایا۔ یہ بھی اللہ کے قانون کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہؓ سے فرمایا! "کون مجھے اس عورت سے نجات دلوائے گا؟"[128] حضرت عمیرؓ بن عوف نے آپؐ کی آواز پر لبیک کہا اور اس عورت کو قتل کیا۔ ابن سعد کے مطابق اسماء بنت مروان کا قتل رمضان ۲ھ کے آخری ہفتہ میں ہوا تھا۔[129] ایک روایت کے مطابق حضرت عمیرؓ بن عوف نے اسماء کے بھائیوں کو بھی متنبہ کیا "اگر تم نے بھی اسی طرح کی حرکت کی

---

[126] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۱۔

[127] محمد زرقانی، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۶۴؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۲۸۔

[128] محمد زرقانی، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۵۱ اور ۴۵۲۔

[129] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۷۔

جس طرح کہ تمھاری بہن نے کی تھی تو میں تمھارے پورے خاندان کے ساتھ وہی کروں گا جو کہ میں نے اس عورت کے ساتھ کیا ہے (یعنی تہ تیغ کروں گا)۔" بعد میں اس خاندان نے اسلام قبول کرلیا اور اللہ اور اس کے رسول ؐ کے فرمانبردار بن گئے۔

مذکورہ بالا اشخاص کا قتل (اور اسی طرح بعد میں ہونے والے دیگر کفار کے قتل) کبھی بھی ناانصافی اور ظلم نہیں کہے جاسکتے۔ موجودہ دور میں بھی جس کو تہذیب و تمدّن کا دور کہا جاتا ہے، باغیوں اور سرکشوں کی یہی سزا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں لوگوں نے اللہ کے قانون اور اللہ کی حکومت نیز ہیڈ آف اسٹیٹ (حکومت کے سربراہ) سے خلاف کھلی ہوئی بغاوت اور سرکشی کی تھی۔ قانون کی نظر میں یہ ایک ناقابلِ معافی جرم تھا جس کی سزا قتل تھی اور اس سزا کا نافذ ہونا ہی انصاف کا تقاضا تھا۔ اُس زمانہ میں پولیس کا وہ نظام نہیں تھا جو کہ موجودہ دور میں نافذ ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ ؓ کو اُن کے قتل کا حکم دیکر دراصل پولیس کا کام لیا تھا۔

غزوۂ بنو قینقاع (شوال ۲ھ/اپریل ۶۲۴ء)

زیادہ تر سیرت نگاروں اور مورخین کے مطابق بشمول ابن جریر طبری، ابن ہشام اور علامہ شبلی نعمانی غزوۂ بنو قینقاع غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے درمیان پیش آیا تھا[130]۔ اس کی تاریخ شوال ۲ھ بتائی جاتی ہے۔ ابن ہشام تحریر کرتے ہیں! "بنو قینقاع وہ پہلا قبیلہ تھا جس نے اس معاہدہ کو توڑا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہودیوں کے درمیان ہوا تھا"[131] بنو قینقاع نے نہ صرف معاہدہ کو توڑا بلکہ اعلان جنگ بھی کیا۔ ایک غیر متوقع واقعہ یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان آگ بھڑکانے کا سبب بنا۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان عورت ایک یہودی کی دکان پر کچھ خریدنے کے لئے گئی۔ یہودیوں نے اُس سے چھیڑ خانی کی اور اس کی

---

[130] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۴۷؛ ابن سعد، حوالۂ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۸-۲۹؛ ابن جریر طبری، حوالۂ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۷۲؛ محمد زرقانی، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۵۶؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۵۸۷؛ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ج ۱، ص ۳۰۴ اور ۴۴۴۔

[131] [illegible]

چیخیں سنکر ایک مسلمان نے جو کہ ادھر سے گزر رہا تھا اس کی حمایت کی. چنانچہ یہودیوں اور مسلمان میں لڑائی ہوئی جس کے نتیجہ میں ایک یہودی مارا گیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے یہودیوں نے اُس مسلمان پر حملہ کر دیا اور اس کو مار ڈالا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپؐ تحقیق کرنے وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا "اللہ سے ڈرو مبادا تم پر بھی ویسا ہی عذاب نازل نہ ہو جائے جیسا کہ بدر میں (قریش پر) نازل ہوا تھا" شرمندہ ہونے کے بجائے یہودیوں نے جواب دیا "ہم قریش نہیں ہیں۔ اگر جنگ ہوئی تو ہم مزہ چکھا دیں گے" جب انھوں نے صاف صاف اعلان جنگ کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دفاع کیا۔ یہودیوں نے اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیا۔ مسلمانوں نے اُن کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تقریباً پندرہ دن تک جاری رہا[۳۲]۔ جب یہودی محاصرہ کے طول سے سخت پریشان ہو گئے تو انھوں نے بغیر کسی شرط کے ہار قبول کر لی اور معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیا کہ جو آپؐ طے فرمائیں وہ اس کو قبول کریں گے۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی یہودیوں کی طرف سے حکم بنا[۳۳]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ دیا کہ وہ یہودی مدینہ چھوڑ دیں۔ چنانچہ سات سو یہودی جن کا تعلق بنو قینقاع سے تھا، مدینہ منورہ چھوڑ کر شوال ۲ھ میں شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

غزوۂ سویق (ذوالحجہ ۲ھ / مئی۔ جون ۶۲۴ء)

غزوۂ بدر میں اپنی شکست کی وجہ سے قریش غم اور شرمندگی میں ڈوب گئے تھے۔ وہ اس ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینے کے لیے بیتاب تھے۔ ان کے بہت سے سردار اس غزوہ میں مارے گئے تھے۔ ابوسفیان اب قریش کا سردار تھا۔ اُس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ اس ذلت آمیز شکست کا بدلہ نہ لے لے اُس وقت تک نہ تو اپنی بیوی سے ہمبستر ہوگا اور نہ ہی سر میں تیل لگائے گا۔ اپنی اس قسم کو پورا کرنے کے لئے وہ دو سو اونٹ سوار لے

۳۲؎ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۹؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۵۷۔

۳۳؎ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۹؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۵۸۔

کے لشکر کے ساتھ مدینہ پر اچانک حملہ کرنے کے لئے ذوالحجہ [۱۳۴] کے مہینے میں غزوۂ بدر کے تقریباً دو ماہ بعد آیا۔ رات کے اندھیرے میں عُریض کے مقام پر خفیہ طور پر اس نے کھجور کے ایک باغ میں آگ لگا دی، ایک مسلمان کو قتل کر دیا اور کچھ مکانات اور بھوسے کے ایک ڈھیر کو بھی نذرِ آتش کیا۔ اس واقعہ کی اطلاع ملنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ اس کا تعاقب کیا۔ ابوسفیان (جلدی میں) سویق (ستو) کے بورے جن کو وہ غذا کے طور پر استعمال کرنے کے لیے اپنے ساتھ لایا تھا، چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام "غزوۂ سویق" یا "جنگ سویق" مشہور ہو گیا۔

حضرت فاطمہؓ اور حضرت اُم کلثومؓ کی شادی (ذوالحجہ ۲ھ/جون ۶۲۴ء)

ذوالحجہ ۲ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔[۱۳۵] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہؓ سے رشتہ کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی معلوم کی، وہ خاموش رہیں۔ اسلامی قانون کے مطابق ان کی خاموشی رضامندی کی علامت تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک زرہ، ایک بھیڑ کی کھال اور ایک اوڑھنے کی چادر کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا۔ انھوں نے زرہ فروخت کر دی اور وہ رقم حضرت فاطمہؓ کو بطور مہر ادا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو ایک بستر، ایک تکیہ (جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی)، پانی بھرنے کے لئے ایک مشک، ایک پانی کا جگ، دو ہاتھ کی چکیاں (گیہوں اور جو پیسنے کے لیے) اور دو مٹی کے گھڑے دیئے اور حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پڑھا دیا۔ یہ اہلیان ہوسل کے سردار کی لاڈلی صاحبزادی کی شادی تھی۔ جس سادگی کے ساتھ یہ ہوئی اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اس میں نہ کوئی دکھاوا تھا اور نہ ہی سجاوٹ اور دھوم دھام۔ شادی سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قیام

---

۱۳۴ محمد زرقانی، حوالۂ مذکورہ، ج ۱، ص ۴۵۸؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۵۶؛ ابن حزم، السیرۃ النبویۃ، مخطوطہ، ص ۱۰۷۔

۱۳۵ ابن سعد، حوالۂ مذکورہ، ج ۸، ص ۱۹ اور ۲۰؛ محمد زرقانی، حوالۂ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تھا۔ لیکن شادی کے بعد حضرت حارث رضی اللہ عنہ (جو کہ ایک صاحب جائداد شخص تھے) نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا اور اس جوڑے کی خدمت میں پیش کیا۔ شادی کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: الطبقات الکبرای لابن سعد، اور الاصابہ لابن حجر وغیرہ۔

اسی سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی حضرت اُمّ کلثوم (رضی اللہ عنہا) سے ہوئی۔ اُمّ کلثومؓ سے قبل حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں لیکن وہ بیمار پڑ گئیں اور غزوۂ بدر کے بعد ان کی وفات ہو گئی۔ حضرت رقیہؓ کی بیماری کی وجہ سے ہی حضرت عثمانؓ غزوۂ بدر میں حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کی شادی ہوئی تھی اس لئے ان کو "ذو النورین" ("یعنی دو نوروں والا") کا خطاب عطا کیا گیا۔ کچھ مؤرخین کے مطابق حضرت عثمانؓ کی حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی سنہ ۳ھ میں ہوئی تھی۔

رمضان کے روزے اور عید الفطر

مؤرخین کے مطابق رمضان میں روزے رکھنا سنہ ۲ھ میں فرض کیا گیا۔ صدقۃ الفطر کا ادا کرنا بھی اسی سال (پہلی بار) واجب ہوا نیز پہلی بار عید الفطر کی نماز بھی ادا کی گئی۔ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی بھی اسی سال یعنی سنہ ۲ھ میں واجب کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بکرے ذبح کئے اور عیدگاہ (یعنی مدینہ کے باہر)[316] نماز عید الاضحیٰ ادا کی۔
حضرت عثمانؓ بن مظعون کا بھی اسی سال انتقال ہوا۔

---

[316] محمد زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۴۶۰۔

باب ۸

ہجرت کا تیسرا سال

غزوۂ بدر کے بعد یہودیوں کی غداری

غزوۂ بنو قینقاع کے سلسلے میں ہم نے یہودیوں کی غداری کے اوپر اچٹتی نظر ڈالی تھی یہاں اس کی مزید تفصیلات تحریر کی جاتی ہیں۔

دراصل غزوۂ بدر کے بعد یہودیوں نے بڑے پیمانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دی تھیں جن میں ان کے کئی بڑے بڑے سردار بھی ملوث تھے۔ ان کے کچھ سرداروں پر مشتمل ایک وفد جس میں حُیَیّ بن اخطب، سلام بن عبد الحقیق، ابو رافع، الربیع بن الربیع بن عبد الحقیق، کعب بن اشرف اور ابو عمار وغیرہ شامل تھے، قریش (مکہ مکرمہ)، بنو غطفان اور بنو قریظہ سے[1] (یہودیوں کا ایک قبیلہ جو کہ مدینہ کے قریب آباد تھا) ملنے گیا تا کہ ان قبیلوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکسائے۔ جب یہ مکہ مکرمہ کے مشرکین قریش کے پاس گئے تو قریش کے کچھ سرداروں نے ان سے کہا "آپ لوگ یہودیوں کے علماء میں شمار کیے جاتے ہیں اور اہلِ کتاب میں سے ہیں۔ آپ ہمارے اور محمدؐ کے درمیان اختلافات سے بھی پوری طرح واقف ہیں۔ آپ ہمیں بتائیے کہ کون سا مذہب (یعنی اسلام یا مشرکین کا طریقہ) زیادہ بہتر ہے"۔ یہودیوں نے مشرکین سے کہا: "تمہارا مذہب محمدؐ کے مذہب سے اچھا ہے اور تم لوگ ہدایت یافتہ

---

[1] ملاحظہ ہو، پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی، عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا، برہان (دہلی)، ج ۵۷، شمارہ ۳، دسمبر ۱۹۶۶ء ص ۱۳۵ (۷)۔

ہوا، وحی کے ذریعہ[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے اس عناد اور بدباطنی وکینہ پروری کی اطلاع دے دی گئی کہ انھوں نے شرک وکفر کو اللہ کے سچے دین کے مقابلہ میں بہتر بتایا ہے حالانکہ یہ لوگ خود اہلِ کتاب ہیں (اور اصل حقیقت سے واقف ہیں) قرآن کریم میں ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ (النساء، آیات ۵۱، ۵۲)

ترجمہ:۔ "کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے (پھر باوجود اس کے) وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ لوگ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہِ راست پر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ملعون بنا دیا ہے اور خدا تعالیٰ جس کو ملعون بنا دے اس کا کوئی حامی نہیں پاؤ گے۔" (سورہ نساء۔ آیات نمبر ۵۱ اور ۵۲)

مذکورہ بالا وفد کے کچھ لوگ بہت زیادہ شرارتی اور منحرف تھے۔ انھوں نے لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھنے کی کوشش شروع کردی۔ مندرجہ ذیل آیت اس بارے میں نازل ہوئی[۲]:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرہ، آیت ۱۰۹)

ترجمہ:۔ "ان اہلِ کتاب (یعنی یہود) میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد دوبارہ کفر میں ڈھکیل دیں محض حسد کی وجہ سے جو کہ خود ان کے دلوں میں سے (جوش مارتا) ہے (باوجودیکہ حق (ان پر) واضح

---

[۱] پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی عہد نبوی کے غزوات وسرایا برہان (دہلی)، ج ۵، شمارہ ۳، ستمبر ۱۹۸۰ء ص ۱۲۶۔ مزید ملاحظہ ہو ابن جریر طبری تاریخ الرسل والملوک، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن جوزی (جیسا کہ پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی صاحب نے حوالہ دیا)

[۲] پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی، عہد نبوی کے غزوات وسرایا، برہان (دہلی)، ج ۵، شمارہ ۳ (ستمبر ۱۹۸۰ء) ص ۱۲۶۔

ہو چکا ہے۔ (خیر اب تم معاف کرو اور درگذر کرو جب تک حق تعالیٰ اس معاملہ کے متعلق اپنا حکم بھیجے۔ (سورہ بقرہ۔ آیت ۱۰۹)

کعب ابن اشرف :۔

ان دنوں عرب میں کسی کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا بہترین ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعراء ایسے لوگ تھے جن کے کلام کی وجہ سے مختلف قبائل میں حسد، کینہ، بغض اور نفرت کی آگ بھڑکنے لگتی تھی۔ یہودیوں نے بھی یہ ہتھیار اسلام کے خلاف استعمال کیا۔ یہودیوں کا ایک مشہور شاعر کعب بن اشرف تھا وہ ایک خوبصورت آدمی تھا اور اپنی اس خوبصورتی اور چرب زبانی شاعری کی وجہ سے سادہ لوح عورتوں کو ورغلا کر اپنی ہوا و حوس کا شکار بنا تا تھا۔ اس کے قریشی قبائل سے بھی اچھے تعلقات تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نفرت و کینہ رکھنے کے لیے مشہور تھا۔ غزوۂ بدر نے اس کی اس نفرت و کینہ میں مزید اضافہ کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار فتح سے وہ غصے میں آپے سے باہر ہو گیا۔ غزوۂ بدر کے بعد یہودیوں کا جو وفد مکہ مکرمہ کفار (قریش) کے پاس گیا تھا کعب بن اشرف اس میں شامل تھا۔ اس نے ان کفار پر ماتم کرنے کی غرض سے جو غزوۂ بدر میں مارے گئے تھے مرثیے اور ماتمی اشعار لکھے جن کو اس نے قریش کے سامنے پڑھا تا کہ ان کو مسلمانوں کے خلاف مزید مشتعل کرے۔[4] اور وہ ان لوگوں کا بدلہ لینے کے لیے آمادہ ہو جائیں جو کہ بدر میں مارے گئے تھے۔

مکہ مکرمہ سے واپسی کے بعد اس نے کچھ مسلمان مستورات کے خلاف عاشقانہ اور بیہودہ قسم کی نظمیں لکھنی شروع کیں۔[5] طبری نے کعب بن اشرف کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کیے ہیں جو اس نے ایک شریف مسلم خاتون اُمِ فضلؓ کے خلاف لکھے تھے۔[6]

---

[4] ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۸۸؛ ابن ہشام، سیرت، ج ۲، ص ۵۱ و ۵۲؛ پروفیسر سعید احمد اکبرآبادی، حوالہ مذکورہ، برہان (دہلی) ۱۹۷۷ء، شمارہ ۳، ص ۱۳۰۔

[5] ابن ہشام، سیرت، ج ۲، ص ۵۴؛ ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۸۸۔

[6] ابن جریر طبری، تاریخ، ج ۲، ص ۴۸۸۔

اراحل انت لم تعدل بمنقبة   وتارك انت ام الفضل بالحرم

"ہائے (میرے دل) کیا تو چلتا رہے گا اور اس کی (یعنی اُمِّ فضل کی) تعریف کرنے کے لیے ٹھہرے گا نہیں؟ کیا تو اُمِّ فضل کو چھوڑ دے گا۔"

صفراء راعفة لو تعصر انعصرت   من ذی القواریر والحناء والکتم

"وہ زعفرانی رنگ کی ہے اور رعنائیوں سے اتنی بھرپور ہے کہ اگر تو اس کو نچوڑے گا تو اس میں سے شراب، حنا اور کتم نکلے گی۔"

یرتج ما بین کعبیها ومرفقها   اذا تاتت قیاماً ثم لم تستقم

"وہ اتنی نازک ہے کہ ٹخنے سے کندھے تک اس کا جسم اس کے چاہنے پر بھی (سیدھا) کھڑا نہیں رہ سکتا۔"

اشباه ام حکیم اذا تواصلنا   والحبل منها متین غیر منجذم

"جب ہم ایک دوسرے سے ملے تو میں اس کی وجہ سے (اپنی بیوی) اُمِّ حکیم کو بھول گیا گو کہ میرے (اور میری بیوی) کے درمیان بندھا ہوا بندھن ابھی نہیں ٹوٹا۔"

احدی بنی عامر جن الفؤاد بها   ولو تشاء سقت کعباً من السقم

"اے بنی عامر میرا دل اس کے عشق میں دیوانہ ہے اور اگر وہ چاہے تو کعب کو اس بیماری سے نجات دلا سکتی ہے۔"

فرع النساء وفرع القوم والدها   اهل المحلة والایفاء بالذمم

"وہ (جمال میں) عورتوں کی شہزادی ہے اور (شرافت میں) اپنی قوم کی سردار ہے اور اس کا والد اپنے قبیلہ کا سردار ہے۔ وہ اجنبیوں (اور مسافروں) کی تواضع کرتا ہے اور وعدوں پر قائم رہتا ہے۔"

لم أرَ شمساً بلیل قبلها طلعت   حتی تجلت لنا فی لیلة الظلم

"میں نے رات میں اس وقت تک سورج طلوع ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جب تک کہ وہ ایک تاریک رات میں (اپنی رعنائیوں کے ساتھ) میرے لئے نمودار نہیں ہوئی۔"

؎ ایضاً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے کعب کو اس کی اس بیہودہ اور گندی شاعری کے خلاف بارہا متنبہ کیا لیکن اس نے اپنی اس عادت کو نہیں بدلا اور مستقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں اور شریف عورتوں کے خلاف بیہودہ شاعری میں مشغول رہا۔

کعب بن اشرف کا قتل (ربیع الاول ۳ھ)

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں موجودہ دور کی طرح پولیس فورس نہیں تھی۔ باغیوں اور غداروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بموجب قتل کیا جاتا تھا۔ کعب بن اشرف یہودی نے قریش (اور دیگر قبائل) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو کہ سربراہِ مملکت کی حیثیت بھی رکھتے تھے) نیز اسلام، مسلمانوں اور حکومتِ وقت کے خلاف بھڑکایا تھا اور جنگ کی دعوت دی تھی۔ یہ حکومت اسلامیہ کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت اور سرکشی تھی۔ اپنی اس غداری، مکر و فریب اور بغاوت کے لیے اس کو سزا ملنی ضروری تھی اور اس کی سزا ہر تہذیب اقوام و حکومت میں قتل ہے۔ نیز اس کی یہ غداری اس معاہدہ کے خلاف بھی تھی جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہودیوں کے درمیان ہوا تھا۔ ابن حجر کے مطابق جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی نے بھی اپنی کتاب "سیرت النبیؐ" (ج ۱، ص ۷۰۴) پر نقل کیا ہے کعب بن اشرف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش بھی کی تھی۔[۸]

ابن ہشام کی روایت کے مطابق کعب بن اشرف نے مسلمان عورتوں کے متعلق عاشقانہ اشعار کہے اور انھیں ایذا پہنچائی[۸الف] اس پر (اور مندرجہ بالا وجوہات کے باعث) عبداللہ بن المغیث بن ابی بردہ کی روایت کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ سے) فرمایا۔ "من لی با بن اشرف" یعنی کعب بن اشرف کی خبر لینے کے لیے کون تیار ہے[۹] اس پر

---

۸ تفصیلات کیلیے ملاحظہ ہو "سیرت النبیؐ" (از علامہ شبلی نعمانی)، ج ۱، ص ۷۰۴ بحوالہ فتح الباری کا از ابن حجر عسقلانی، ذکر کعب بن اشرف، ج ۱۷، ص ۲۵۹۔

۸الف ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۵۸۔

۹ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۵۸؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۲؛ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۴۔

محمد بن مسلمہؓ جن کا تعلق بنی عبدالاشہل قبیلہ سے تھا، نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ میں آپ کی خاطر اس کے لیے تیار ہوں۔ میں اس کو قتل کر ڈالوں گا۔ آپ نے فرمایا: فافعل اِنْ قدرتَ علیٰ ذالِک۔ اگر تمہیں اس پر قدرت حاصل ہو جائے تو ایسا ہی کرو۔ یہ ایک سخت کام تھا اس لیے انھوں نے چار آدمی اپنی مدد کے لیے اپنے ساتھ لیے۔ یہ قبیلہ اوس کے تھے اور ان کے نام اس طرح تھے: ابونائلہ سلکان بن سلامہ (کعب بن اشرف کا رضاعی بھائی)، حارث بن اوس، عباد بن بشر، اور ابوعبس بن جبر[ث] محمد بن مسلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت لے لی تھی کہ ضرورت پڑنے پر وہ کچھ ایسی باتیں کہہ سکتے ہیں جو خلاف واقعہ ہوں[ث الف]۔ پلان کے مطابق ابونائلہ نے کعب بن اشرف سے ایسی چکنی چپڑی باتیں کریں کہ اس نے اپنا گارڈ (محافظ) ہٹا دیا ——
کعب بن اشرف کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے ابونائلہ نے اس سے مدینہ کے مسلمانوں کے فرضی فقر کی شکایتیں کیں اور جھوٹ موٹ بتایا کہ اسلام کی وجہ سے ان کو بڑی تنگ حالی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ انھوں نے کعب بن اشرف کو اس پر آمادہ کیا کہ اس کی دشمنوں سے حفاظت کے عوض وہ ان کو اور ان جیسے خیالات رکھنے والے مسلمانوں کو غلّہ اور کھجوریں دے گا۔ اس مقصد کے لیے رات کا وقت مقرر کیا گیا۔ رات کے مقررہ وقت پر ابونائلہ کے علاوہ باقی چاروں حضرات بھی وہاں (غلّہ لینے کے بہانے) پہونچ گئے۔ جب باقی لوگ بھی پہونچ گئے تو ابونائلہ نے کعب بن اشرف کو آواز دی کہ وہ اپنی خواب گاہ سے اتر کر نیچے آئے۔ کعب کی شادی کچھ دن پہلے ہی ہوئی تھی اس کی نئی بیوی[ث] نے اس کو جانے سے روکا لیکن کعب نہیں رکا۔ جب وہ نیچے آیا تو ان پانچوں حضرات نے اس سے گفتگو کرنی شروع کی اور اس کو مدینہ کے مسلمانوں کی تنگ دستی اور فقر کی فرضی داستانیں سنانی شروع کیں۔ یہ گفتگو کرتے کرتے وہ پانی کے ایک جھرنے تک پہونچ گئے۔ وہاں پر جیسے ہی ان کو موقع ملا انھوں نے کعب بن اشرف کو مار ڈالا۔ اس کا کام تمام

[ث] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۲؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، الجزء الثالث، ص ۵۸۔
[ث الف] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، الجزء الثالث، ص ۵۸۔
[ث] نوٹ: کعب بن اشرف نوجوان لڑکیوں سے عیاشی کرنے کے لیے بڑھاپے میں بھی جلد جلد خوبصورت اور نوعمر لڑکیوں سے شادیاں کیا کرتا تھا۔

ے وہ لوگ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو کعب کے قتل
ی اطلاع دی۔ آپ اس سے خوش ہوئے اور ان کی فتحیابی پر ان لوگوں کو مبارکباد دی۔[12] کچھ
وایات کے مطابق کعب بن اشرف کو ۱۴ ربیع الاول ۳ھ کو قتل کیا گیا۔[13]

غزوہ ذی امر :۔

ماہ ربیع الاول میں یہ اطلاع ملی کہ بنو غطفان نجد میں ذی امر کے مقام پر لڑنے کے لیے
پنی فوجیں جمع کر رہے ہیں۔ ۱۲ ربیع الاول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساڑھے چار سو افراد
کے ہمراہ جن میں کچھ گھوڑ سوار تھے[14] ان کو منتشر کرنے کے لیے پھر روانہ ہوئے۔ جب دشمنوں کو
سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ پہاڑوں کی طرف بھاگ
نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی جس کے نتیجہ میں کچھ لوگوں نے
سلام قبول کر لیا۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات نازل کیں[15]:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ
اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (المائدۃ: ۱۱)

ترجمہ :" اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جبکہ
ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو
تم پر نہ چلنے دیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور اہل ایمان کو حق تعالیٰ ہی پر اعتماد

---

۱۲ تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ؛ ج ۲، ص ۵۴ تا ۶۰؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۳۔۲۴؛ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۴۸۹۔۹۱؛ صحیح بخاری، کتاب المغازی؛ صحیح مسلم؛ سنن ابو داؤد؛ مسند امام احمد وغیرہ۔

۱۳ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۲؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۸۔

۱۴ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۴؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۱۵۔

۱۵ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۵؛ مزید ملاحظہ ہو۔ شرح المواہب اللدنیہ از محمد زرقانی، ج ۲، ص ۱۶؛ تاریخ الرسل والملوک از ابن جریر الطبری، ج ۲، ص ۴۸۷۔

رکھنا چاہیئے۔"   (سورہ المائدہ۔ آیت نمبر ۱۱)

غزوۂ بحران :۔

ماہ جمادی الاولیٰ[16] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین سو صحابہ رضؓ کے ساتھ ایک اور غزوہ پر بحران تشریف لے گئے جہاں کے بارے میں یہ معلوم ہوا تھا کہ قبیلہ بنو سلیم نے مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے ایک بڑی فوج جمع کر لی ہے۔ لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ان کی فوج منتشر ہو چکی ہے۔ آپؐ نے چند روز بحران میں قیام فرمایا اور پھر واپس مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ بحران حجاز میں فرع کے اطراف میں ایک مقام کا نام ہے۔

سریۂ زیدؓ بن حارثہ :۔

ماہ جمادی الآخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کی امارت میں سَو آدمیوں پر مشتمل ایک رسالہ کو نجد میں مقام قردہ کی طرف روانہ کیا۔ یہ وہ پہلا سریہ ہے جس میں حضرت زیدؓ بن حارثہ بحیثیت امیر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سریہ قریش کے اس قافلہ کے تعاقب میں بھیجا گیا تھا جو صفوان[17] بن اُمیہ کی سرکردگی میں تھا اور جس کی مالیت تقریباً تین لاکھ درہم تھی۔ حضرت زیدؓ کو اپنی مہم میں کامیابی عطا ہوئی۔ معمولی مزاحمت کے بعد دشمن فرار ہو گیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں تجارتی سامان کا بڑا حصہ اور چاندی (جس کی مالیت ایک لاکھ درہم کے قریب بتائی جاتی ہے۔) آئی نیز دو قیدی بھی۔ فرات بن حیان نے جو کہ رہبر تھا اور جو اس قافلہ کی اطلاع لایا تھا، مسلمانوں کے بہترین برتاؤ اور سلوک نیز ان کے نیک اعمال کو دیکھ کر مدینہ منورہ میں اسلام قبول کر لیا۔

غزوۂ بدر میں شکست کے بعد قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ

۱۶؎ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۵؛ محمد زرقانی، المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۱۷۔

۱۷؎ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۴۹۲؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۶؛ محمد زرقانی، المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۱۷؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۴-۵۔

لڑنے کے لیے کھلے عام تیاری شروع کر دی تھی ۔ ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کا پورا کا پورا نفع ہتھیار کی خریداری اور جنگ کی تیاری میں خرچ کیا گیا ۔ قریش نے بنوبکر اور دیگر پڑوسی قبیلوں سے معاہدے بھی کیے ۔ غزوۂ بدر کے نتیجہ میں شام کی شاہراہ کے بند ہو جانے پر انھوں نے عراق سے تجارت شروع کر دی جس کا مقصد نہ صرف ہتھیار کی خریداری تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کو اپنا ایک نیا ہمنوا اور دوست بھی بنانا تھا ۔ صفوان کا قافلہ جس کا تعاقب حضرت زیدؓ بن حارثہ نے کیا تھا اس سلسلے کی سب سے پہلی اور اہم کڑی تھی ۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان قریش مکہ سے حالتِ جنگ میں تھے اس لیے آپؐ نے قریش کے تجارتی قافلوں کا یہ نیا راستہ بلاک (مسدود) کرنے کے لیے اقدامات کیے جو جنگی نقطۂ نظر سے بہت ضروری تھے ۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ کا سریہ انہی اقدامات کے تحت بھیجا گیا تھا ۔

غزوۂ اُحد

(شوال ۳ھ / مارچ ۶۲۵ء)

قریش مکہ کو ایسی شکستِ فاش کا معمولی سا بھی گمان نہیں تھا جس کا ان کو بدر میں سامنا کرنا پڑا ۔ اس جنگ کا یہودیوں اور اعرابیوں پر بھی زبردست اثر پڑا ۔ پہلی بار ان کو مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہوا ۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے انتقام کی آگ اہلِ مکہ کے سینوں میں بھڑک رہی تھی ۔ انھوں نے اس داغ کو دھو ڈالنے کا تہیہ کر لیا تھا اور مسلمانوں پر دوسرا حملہ کرنے کے لیے زبردست تیاریاں شروع کر دی تھیں ۔ مکہ کے شاعروں نے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے چندہ دینے کی ترغیب میں اشعار لکھنا شروع کیے جن کو وہ بڑے بڑے مجمعوں میں پڑھ کر اہلِ مکہ کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے تھے ۔ عورتوں نے بھی مردوں میں جنگ کا جوش پیدا کرنے میں اور ان کے حوصلے بلند کرنے میں اہم رول ادا کیا ۔ ابوسفیان کی بیوی ہند نے اپنے غلام وحشی کو حضرت حمزہؓ کو مارنے کے لیے خاص طور پر تیار کیا اور تربیت دی اور وعدہ کیا کہ اگر وہ اپنی مہم میں کامیاب ہو جاتا ہے تو وہ آزاد کر دیا جائے گا ۔ وحشی نیزہ چلانے

میں ماہر تھا۔ حضرت حمزہؓ نے جنگ بدر میں ہند کے باپ عتبہ کو ہلاک کیا تھا۔

مسلمانوں کو قریش مکہ کی جنگی تیاریوں کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا اور وہ اس سلسلے میں بے خبر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکی فوج کے مدینہ پر حملہ آور ہونے سے صرف دو تین روز قبل ہی اپنے چچا حضرت عباسؓ کے ذریعہ اطلاع ملی[۱۸]۔ حضرت عباسؓ نے گو کہ اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اس وقت تک وہ مکہ میں ہی مقیم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاسوسوں انسؓ، مونسؓ اور حبابؓ کو مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے مکی فوج کی طرف روانہ کیا۔ انھوں نے فوج کی آمد کی تصدیق کی اور بتایا کہ فوج مدینہ سے صرف تین میل کے فاصلہ پر اُحد (پہاڑ) کے پاس ہے۔ اگلے دن یعنی ۱۴ شوال[۱۹] بروز جمعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے اس صورت حال کے بارے میں مشورہ کیا۔ صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں ٹھہر کر قلعہ بندی کر لی جائے اور اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے[۲۰]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اسی طریقہ کو پسند فرماتے تھے لیکن کچھ نوجوان اور جوشیلے صحابہؓ بالخصوص وہ حضرات جنھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کی تھی، مدینہ منورہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کھلے میدان میں کرنا چاہتے تھے[۲۱]۔ ان لوگوں کی یہ رائے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ مدینہ منورہ سے باہر چل کر ہی مقابلہ کیا جائے گا اور آپؐ زرہ بکتر زیب تن فرمانے گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اب لوگوں کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافِ مرضی مدینہ منورہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے پر مجبور کیا۔ جب آپؐ زرہ پہن کر گھر سے باہر تشریف لائے تو سب نے عرض کیا کہ ہم اپنی رائے سے رجوع کرتے ہیں اور یہ کہ آپؐ مدینہ منورہ کے اندر رہ کر ہی جنگ کریں۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا[۲۲]

۱۸۔ ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۷؛ محمد زرقانی، المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۲۱۔

۱۹۔ اس سلسلہ میں حاشیہ (فٹ نوٹ) نمبر ۲۳ ملاحظہ ہو۔

۲۰۔ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۰۲؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۸؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۶۲، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۲۲۔

۲۱۔ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۰۲؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۲۲۔

۲۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۶۸۔

ما ینبغی لنبی اذا لبس لامتہ ان یضعھا حتی یقاتل"

ترجمہ:۔ "پیغمبر کو یہ زیبا نہیں دیتا کہ وہ اپنی امت کی (بقا کی) وجہ سے ہتھیار پہن لے اور پھر قتال (جنگ) سے قبل ہی ان کو اتار دے۔"

جمعہ کی نماز کے بعد آپؐ ایک ہزار جانبازوں کے ساتھ اپنے سے تین گنا بڑی فوج سے جس کی تعداد تین ہزار تھی، مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جانے کے لیے نکلے۔ قریش کی تین ہزار اسلحہ سے لیس فوج مدینہ منورہ کے قریب اُحد پہاڑ کے پاس خیمہ زن تھی۔ اس نے اس علاقہ میں مسلمانوں کے کھیت پامال کر دیئے تھے اور باغات کاٹ ڈالے تھے۔ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ ہی میں تھے شوط[۲۱] کے مقام پر جو کہ مدینہ منورہ اور اُحد کے درمیان تھا کہ منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی نے کہا کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے متعلق اس کی رائے نہیں مانی اور مدینہ منورہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا ارادہ کیا ہے اس لیے وہ آپؐ کا ساتھ نہیں دے گا۔ چنانچہ وہ اپنے تین سَو آدمیوں کو لے کر آپؐ سے الگ ہو گیا اور اس طرح آپؐ کے ساتھ صرف سات سَو جانثار صحابہؓ ہی رہ گئے[۲۲] حالانکہ کچھ افراد کو چھوڑ کر عام طور پر مسلمان فنون جنگ سے پوری طرح واقف نہیں تھے لیکن وہ ایمانی قوت سے بھرپور تھے اور حق کی دفاع کے لیئے ہر صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کو تیار تھے۔

---

[۲۱] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۶۸ (نوٹ :۔ مدینہ منورہ اور اُحد کے درمیان تقریباً تین میل کا فاصلہ ہے۔ اس زمانے میں اس میں کئی آبادیاں تھیں۔ اب ان میں سے اکثر کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ ان میں سے ایک مقام شوط بھی تھا جو شہر سے شمال مشرق میں شیخین کے قریب تھا۔ دائیں جانب بنی عبدالاشہل کی آبادی تھی اور آگے حرۃ بن حارثہ کی آبادی تھی۔)

[۲۲] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۹؛ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۰۴؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۶۲؛ محمد زرقانی۔ شرح المواھب اللدنیہ، ج ۲، ص ۲۶۔

میدانِ جنگ :۔۔۔۔۔۔ جنگِ اُحد

ہفتہ (سنیچر)[23] کے روز ۱۵ شوال[24] سنہ ۳ھ (مطابق ۳۰ مارچ سنہ ۶۲۵ء) کو ہوئی

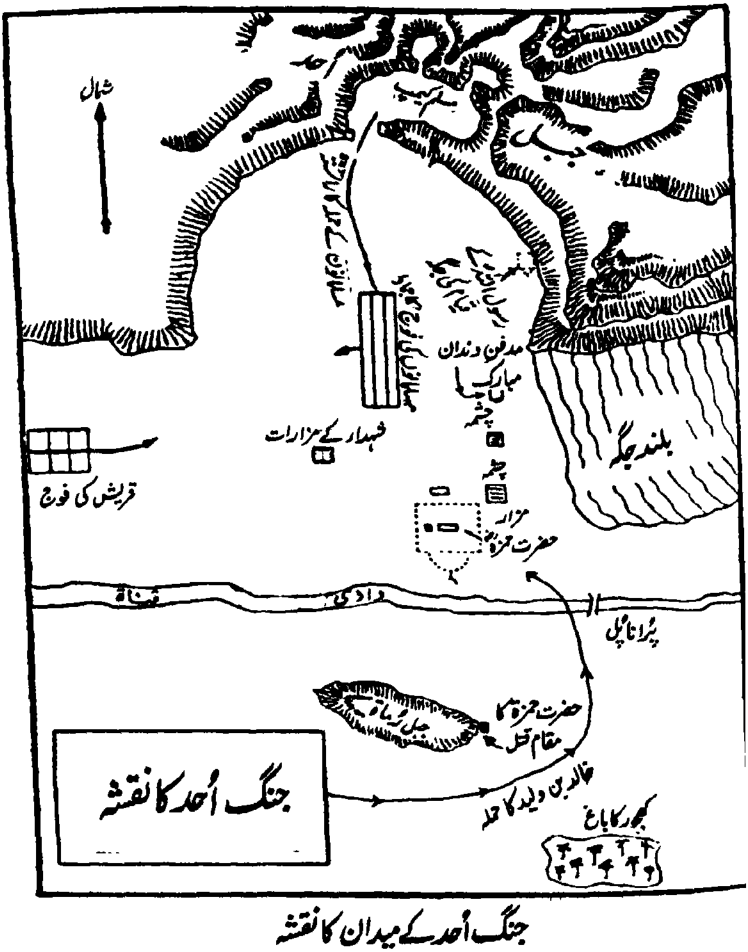
اُحد پہاڑ کے دامن میں سات سو اصحاب کے ساتھ آپ نے اس طرح صف آرائی کی کہ پہاڑ آپ کی اور مسلمانوں کی پشت کی جانب رہا۔[25] پہاڑ کی پشت کی جانب ایک چھوٹا سا درہ تھا جس سے اندیشہ تھا کہ دشمن اگر پشت کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہوجائے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کو اس پر متعین کر دیا اور ہدایت کر دی کہ کسی بھی صورت میں اس جگہ سے نہ ہٹیں۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ[26] اس دستہ کے افسر مقرر ہوئے۔ آپ نے ان

۲۳۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۳ (نوٹ: ابن ہشام کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن جنگ ہفتہ کے روز ہوئی تھی)۔ ملاحظہ ہو: ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۱۰۶؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۲۰ (محمد زرقانی نے اس سلسلے میں دیگر اقوال بھی نقل کیے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُحد پہنچنے یا جنگ اُحد کی مختلف تاریخیں بتائی ہیں۔)

۲۴۔ ہجری اور عیسوی تاریخوں کی مختلف تقویموں (اس کے لیے ملاحظہ ہو باب ۲ کا فٹ نوٹ ۲۳) کے مطابق شوال سنہ ۳ھ کے پہلے پندرہ دن میں ہفتہ (یعنی سنیچر) کا روز ۷، اور ۱۴ شوال کو پڑتا ہے جبکہ اس سے گذشتہ مہینہ یعنی ماہ رمضان سنہ ۳ھ ۳۰ دن کا ہو۔ لیکن اگر ماہ رمضان سنہ ۳ھ ۲۹ دن کا ہوا ہو (ہم نے یہاں پر حساب اسی بنیاد پر لگایا ہے) تو پھر ہفتہ (یعنی سنیچر) کا دن ۸، اور ۱۵ شوال سنہ ۳ھ کو پڑے گا۔ ابن اسحاق کے مطابق غزوہ اُحد بروز سنیچر شوال سنہ ۳ھ کی درمیانی تاریخ کو ہوا (ملاحظہ ہو: ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۹ و ۴۹؛ اور ابن ہشام، الجزء الثالث ص ۱۰۶)۔ درمیانی تاریخ اسی وقت لگائی جائے گی جبکہ ماہ شوال ۳۰ دن کا ہو۔ ۲۹ دن کے مہینے میں درمیانی تاریخ کس طرح لی جا سکتی ہے کیونکہ ساڑھے ۱۴ کوئی تاریخ نہیں ہوئی۔ اس طرح ابن اسحاق نے ہفتہ (یعنی سنیچر) کے دن کے ساتھ ساتھ تاریخ ۱۵ شوال سنہ ۳ھ ہی لی ہے۔ نیز ابن اسحاق نے یہی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ اُحد کے اگلے روز یعنی بروز اتوار ۱۶ شوال (سنہ ۳ھ) کو ان صحابہؓ کے ہمراہ جنہوں نے جنگ اُحد میں شرکت کی تھی حمراء الاسد تک قریش کے تعاقب میں تشریف لے گئے (ملاحظہ ہو ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ج ۴، ص ۴۹؛ اور ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۱۰۷)۔ اس طرح یہاں پر ہم نے ابن اسحاق کے قول کو ترجیح دی ہے اور یہ مانا ہے کہ معرکۂ اُحد ۱۵ شوال سنہ ۳ھ بروز ہفتہ (یعنی سنیچر) ہوئی۔ کچھ مؤرخین و راویوں (جیسے حضرت قتادہؓ وغیرہ) کا خیال ہے کہ غزوۂ اُحد ۱۱ شوال کو ہوا تھا لیکن سنیچر کا دن اس تاریخ میں نہیں پڑتا اس وجہ سے اس تاریخ کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۶۲؛ مزید ملاحظہ ہو: ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۹۹۔

ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۷؛ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۰۰؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۶۳؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۵، ۶۶؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۲۷۔



جنگ اُحد کے میدان کا نقشہ

کو تاکید کردی تھی کہ جنگ کا نقشہ موافق رہے یا مخالف تم اپنی جگہ جمے رہنا۔[۱۳۹ الف]
قریش کی فوج میں اسلحے سے لیس تین ہزار فوجی تھے[۱۴۰] جن میں سے سات سو افراد زرہ پوش و بکتر بند تھے اور دو سو گھوڑ سوار تھے۔ پندرہ عورتیں دُف پر بلند آواز سے اشعار پڑھ رہی تھیں جن میں بدر کے مقتولین کا ماتم اور انتقام خون کے رجز تھے۔[۱۴۱] قریش کی ان عورتوں نے جو اشعار اپنی دفوں کو زور زور سے پیٹتے ہوئے پڑھے تھے ان میں سے مندرجہ ذیل اشعار بہت سی تاریخ و سیرت کی کتابوں میں معمولی ردّ و بدل کے ساتھ درج ہیں۔[۱۴۲]

نحن بنات طارق ❊ نمشی علی النمارق

ترجمہ: "ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں"

ان تقبلوا نعانق او تدبروا نفارق

ترجمہ: "اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے"

ان اشعار کو سُن سُن کر کفارِ مکہ جوش میں آ رہے تھے اور غضبناک ہو رہے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں۔ ابو سفیان کفار کی فوج کا کمانڈر ان چیف تھا۔ اس نے اپنی فوج کو کئی بٹالینوں میں تقسیم کر کے ہر بٹالین پر ایک الگ افسر مقرر کیا تھا اور خود سب کا سپہ سالار تھا۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ابو سفیان بنو عبدالدار کے ان لوگوں کو جو جھنڈے اُٹھائے ہوئے تھے، جنگ و قتال پر ابھارنے کے لیے کہہ رہا تھا: "بنو عبدالدار! سنو، جنگ بدر میں بھی جھنڈا تمہارے ہاتھ میں تھا۔ اس وقت جن شدائد کا سامنا کرنا پڑا وہ تمہیں معلوم ہیں۔ دیکھو! جھنڈوں کو دیکھ کر ہی لوگ ثابت قدم رہتے ہیں اور اگر جھنڈے اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں تو لوگوں کے پیر اکھڑ جاتے ہیں اور وہ تتر بتر ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اب وقت ہے کہ تم یا تو

---

۱۳۹ الف۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۷۰۔

۱۴۰ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۷؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۹۲۔

۱۴۱ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۸؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۹۲؛ مزید ملاحظہ ہو: ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۰۴ و ۵۰۵۔

۱۴۲ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۱۰؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۰؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۸ (نوٹ: ابن ہشام نے ان اشعار کو کچھ تبدیلی کے ساتھ بیان کیا ہے۔)

ہیں اطمینان دلاؤ کہ اس جھنڈے کو اونچا رکھو گے یا پھر جھنڈے کو چھوڑ دو، ہم خود سنبھال لیں گے۔" یہ سن کر انھوں نے اپنی ثابت قدمی اور اُولوالعزمی کا وعدہ کرتے ہوئے کہا: "بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم جھنڈا تمہارے حوالے کر دیں! کل جب میدانِ جنگ برپا ہوگا تم دیکھ لوگے کہ ہم کیا کیا جوہر دکھاتے ہیں۔"[۳۰] یہ گفتگو جنگ سے ایک روز قبل کی ہے۔

جنگ جب شروع ہوئی تو پہلے دُو بدُو مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں میں سے شجاع ترین حضرات حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ رضی اللہ عنہما نے قریش کے کئی چنیدہ لوگوں کو جن میں ان کا علم بردار (جھنڈے والا) طلحہ شامل تھا موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہوئی مسلمان بڑی بہادری سے لڑے اور بہت سے کفار کو تہ تیغ کیا۔ حضرت حمزہؓ سے جو کہ عرب کے مشہور پہلوان تھے کوئی مقابلہ کی ہمت نہیں کر سکتا تھا وہ جدھر رخ کرتے کفار کی صفوں کو زیر و بالا کر دیتے تھے۔ ابو سفیان کی بیوی ھند نے ایک افریقی نسل کے غلام وحشی کو حضرت حمزہؓ کو قتل کرنے کی ٹریننگ دے رکھی تھی۔ وحشی افریقی طرز کا چھوٹا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں چلانے میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کا آقا جبیر بن مطعم تھا[۳۰الف]۔ جبیر بن مطعم کا چچا طعیمہؓ بن عدی جنگ بدر میں مارا گیا تھا[۳۰ب]۔ جب قریش جنگِ اُحد کے لیے تیار ہوئے تو جبیر نے اس سے کہا کہ اگر وہ اس کے چچا کے انتقام میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا حمزہؓ کو قتل کر دے تو وہ اس کو آزاد کر دے گا[۳۰ج] وہ حبشیوں کے انداز میں حربہ پھینک کر مارنے کا ایسا ماہر تھا کہ اس کا پھینکا ہوا حربہ کم ہی خطا کرتا تھا۔ جب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی تو وہ حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا۔ ایک موقع پر سباع بن عبدالعزیٰ وحشی کے سامنے سے نکل کر حضرت حمزہؓ کی طرف بڑھا۔ حمزہؓ نے اس کو دیکھ کر کہا هَلُمَّ إِلَيَّ يَابن مقطعة البظور اے مقطعۃ البظور کے بیٹے ادھر آ ادھر" پھر حضرت حمزہؓ نے سباع پر تلوار کا ایک وار کیا لیکن وہ خالی گیا۔ ادھر وحشی نے اپنے حربہ کو حرکت دے کر

۳۰۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۲۔

۳۰الف۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۴، ۵، اور ۶۔

۳۰ب۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۶۔

۳۰ج۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۶۔

حضرت حمزہؓ کی طرف پھینکا۔ حربہ حضرت حمزہؓ کی ناف کے اوپر والے حصے پر پیٹ میں جاگھسا اور ان کی دونوں ٹانگوں کے بیچ سے نکل گیا۔ حضرت حمزہؓ نے اسی حالت میں وحشی کی طرف بڑھنے کی کوشش کی لیکن وہ بے اختیار ہوچکے تھے وہیں لڑکھڑا کر گر پڑے اور شہید ہوگئے[۲۱]۔ مسلمان اس کے باوجود جمے رہے اور میدانِ جنگ میں زبردست بہادری دکھائی۔ اس کے نتیجہ میں جلد ہی کفار نے میدانِ جنگ سے بھاگنا شروع کردیا۔

فتح شکست میں بدل گئی :۔

کفار کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر بہت سے مسلمانوں نے غنیمت لوٹنا شروع کردی۔ کفار کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر ان پچاس تیر اندازوں سے بھی نہ رہا گیا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تاکید سے درہ پر مقرر کیا تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں اپنی جگہ سے نہ ہٹیں انھوں نے "الغنیمہ الغنیمہ" کی آواز بلند کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ غنیمت لوٹنے میں لگ گئے۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو یاد دلایا لیکن ان میں سے چند کے علاوہ کسی نے ان کے کہنے کی پرواہ نہیں کی[۲۲]۔ خالد بن ولید نے (جو اس وقت تک غیر مسلم تھے اور ایک رسالہ کے کمانڈر تھے) مسلمانوں کے لشکر کے اس کمزور نقطہ کو بھانپ لیا جو کہ تیر اندازوں کے ہٹنے سے ہوا تھا۔ وہ اُحد کی دوسری طرف سے اُس درہ کے راستے مسلمانوں کے عقب سے حملہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان چند تیر اندازوں نے جو کہ حضرت عبداللہؓ بن جبیر کے کہنے سے رک گئے تھے ان سے مزاحمت کی تھی لیکن خالد بن ولید نے ان کو مار ڈالا۔ اس وقت جبکہ مسلمان مالِ غنیمت لوٹنے میں مشغول تھے خالد بن ولید کے عقب سے حملے کی تاب نہ لاسکے اور اپنے آپ کو پیچھے سے تلواروں میں گھرا ہوا پایا۔ اس

۲۱ء صحیح بخاری، باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ، ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۱۰۱؛ محمد زرقانی، المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۴۲۔

۲۲ء ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۱۰؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۷؛ صحیح بخاری، باب غزوۂ اُحد۔

حالت میں وہ اپنے حواس کھو بیٹھے اور مسلمانوں کی صفوں میں زبردست انتشار برپا ہوگیا۔ یہ مشکل دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ اس کو دیکھ کر بھاگتے ہوئے کفار دوبارہ پلٹ پڑے اور مسلمان دونوں طرف سے تلواروں میں گھر گئے۔

کفار نے مسلمانوں کے علم بردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کر دیا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ ان کے قاتل عمرو بن قمۂ نے یہ مشہور کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے[۲۳]۔ اس سے کفار مکہ نے فائدہ اٹھایا اور پورے میدانِ جنگ میں اس افواہ کو پھیلا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اس افواہ کے پھیلتے ہی مسلمانوں نے ہمت ہار دی اور ان کی صفوں میں مزید انتشار اور بدنظمی پھیلنا شروع ہو گئی۔ اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ بہادر صحابہؓ کے ساتھ تھے جو آپ کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے تھے۔ ان جاں نثار حضرات میں حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت حارثؓ بن صامت اور ابودجانہؓ وغیرہ[۲۴] کے اسمائے گرامی مختلف روایتوں میں ملتے ہیں۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ باقی رہ گئے تھے۔ مختلف روایتوں کو جمع کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف گیارہ افراد رہ گئے تھے۔

جنگ لڑتے ہوئے مسلمانوں میں سے ایک روایت کے مطابق سب سے پہلے حضرت کعب بن مالکؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور اس خوشخبری کا مسلمانوں میں اعلان کیا[۲۵]۔ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوشخبری سن کر کفار پر ٹوٹ پڑے لیکن کفار ہر طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سمت بڑھنے لگے تھے تاکہ آپ کو شہید کر دیں۔ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں ڈھال کی طرح آپ کے سامنے ہو گئے۔

۲۳۔ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۶۵؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۴۳۔
۲۴۔ محمد زرقانی، المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۳۵؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۶۶۔
۲۵۔ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۱۸؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۶۵۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں بہت سے مہاجر اور انصار صحابہؓ زخمی ہو گئے اور کافی شہید بھی ہو گئے۔ مسلمانوں کے لیے یہ سخت ابتلا اور آزمائش کا وقت تھا۔ اسی درمیان کچھ کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہونچ گئے، ان میں عبداللہ بن قمرؔ اور عتبہ بن ابی وقاص آگے آگے تھے۔ اس وقت آپ کے ایک پتھر آکر لگا جس کی وجہ سے آپ دائیں پہلو پر ایک گڑھے میں گر گئے، اور آپ کا سامنے کا ایک دانت شہید ہو گیا[٢٥١]۔ جس کی وجہ سے آپ کا چہرۂ انور خون آلود ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے آپ کو سہارا دیا اور حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ نے آپ کو گڑھے سے نکالا[٢٥٢]۔ آپ اپنے چہرۂ انور سے خون پونچھتے جاتے تھے اور صرف یہ فرماتے جاتے تھے[٢٥٣] كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ وَهُوَ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ

"وہ قوم کیوں کر فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون آلود کر دیا ہو حالاں کہ وہ انھیں ان کے رب کی طرف بلا رہا ہے"[٢٥٤]۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں نازل فرمایا[٢٥٥]۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ (آل عمران، آیت ۱۲۸)

"(اے نبی) تجھے کسی بات کا اختیار نہیں، اللہ جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے عذاب دے، بیشک یہ لوگ ظالم ہیں"

اُحد ہی میں ایک اور موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ظالموں کے لیے دعا کی اور فرمایا[٢٥٦]

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

"اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما کیوں کہ وہ واقف نہیں ہیں"

یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں قوموں کی تاریخ کوئی بھی مثال پیش کرنے سے

٢٥١۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۸۴۔
٢٥٢۔ ایضاً
٢٥٣۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۸۵۔
٢٥٤۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۸۴۔
٢٥٥۔ ایضاً
٢٥٦۔ محمد زرقانی، المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۴۱، صحیح مسلم، باب غزوۂ احد۔

قائم رہے۔ اس موقع پر بڑے بڑے رحمدل انسانوں کے قدم بھی لڑکھڑانے لگتے ہیں لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بھی بے مثال رحمدلی کا ثبوت دیا۔ اور اپنے بدترین دشمنوں کے لیے بھی دعا کی۔

اسی درمیان کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زبردست تیر برسائے اور سنگباری کی ایک کافر ابن ہشام کے مطابق ابن قمئہ نے چہرۂ انور پر تلوار ماری جس کے صدمہ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ انور میں چبھ گئیں[۳۶] یہ دیکھ کر جانثار صحابہؓ نے آپؐ کو دائرہ میں لے لیا۔ ابو دجانہؓ سپر بن گئے، اور تمام تیروں کو اپنی پیٹھ پر روکنے لگے حضرت طلحہؓ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا جس سے ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ آپؐ کا خون رک نہیں رہا تھا اور برابر بہ رہا تھا حضرت مالکؓ بن سنان اور ابو سعید الخدریؓ نے اس مبارک لہو کو جس سے آپؐ کا چہرۂ انور تر ہو گیا تھا جوشِ محبت میں نوش کر لیا[۳۶الف]۔ آپؐ نے فرمایا

"جس نے میرے خون کو (اپنے خون سے) ملایا اس کے خون کو دوزخ کی آگ نہیں لگے گی"[۳۶ب] حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے رخسارِ مبارک میں خود کی جو دو کڑیاں گھس گئی تھیں انھیں اپنے دانت سے کھینچ کر نکالا۔ جب پہلی کڑی کھینچی تو ان کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور جب دوسری کڑی نکالی تو دوسرا دانت بھی نکل گیا۔ اس طرح ان کے دونوں اگلے دانت گر گئے[۳۶ج]۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سپر میں بھر بھر کر پانی لاتے تھے اور حضرت فاطمہؓ زخم دھوتی جاتی تھیں۔ خون تھمتا نہیں تھا۔ بالآخر چٹائی (اور بعض روایات کے مطابق ٹاٹ) کا ایک ٹکڑا جلایا گیا اور زخم پر رکھ دیا جس سے خون فوراً رک گیا[۳۶د]۔

۳۶۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۸۰؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۴۸؛ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۱۹؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۴۶۷؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۳۸۔

۳۶الف۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۸۵۔

۳۶ب۔ ایضاً۔

۳۶ج۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ۔ الجزء الثالث، ص ۸۵۔

۳۶د۔ صحیح بخاری، غزوۂ احد، ج ۲، ص ۵۸۳ (نوٹ:۔ اس زمانے میں خون کو روکنے کا یہ ایک مؤثر علاج تھا۔)

زخم خوردہ اور تھکے ہوئے مسلمان دشمن کو ہٹانے میں کامیاب ہوگئے۔ اور منتشر مسلمان ایک بار پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی ایک اونچی چٹان پر چڑھ گئے اور وہاں سے مسلمان لشکر کو کمانڈ کرتے رہے۔

قریش کی عورتوں نے بدر کے انتقام کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا ان کے ناک کان کاٹ لیے۔ ہند (ابوسفیان کی بیوی) نے مسلمانوں کے کٹے ہوئے ان اعضاء کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا۔ اس نے حضرت حمزہؓ کے جگر کو نکال کر کچا کھایا لیکن نگل نہ سکی تو اس کو اگلنا پڑا۔

جنگ کے خاتمہ پر ابوسفیان نے واپسی کا ارادہ کیا تو وہ پہاڑ پر چڑھا اور بلند آواز سے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا[۳۲۴]، انعمتَ فعال، اِنّ الحرب سجال، یوم بیوم، اُعلِ ہبل۔ (اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا اے ابوسفیان!) تو نے بڑا اچھا کام کیا۔ جنگ کا معاملہ ڈانواں ڈول ہے (یعنی جنگ میں الٹ پلٹ ہوتا ہی ہے) ایک جنگ دوسری جنگ کا بدل ہو جاتی ہے۔ ہُبل سربلند رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، عمرؓ کھڑے ہو کر اس کا جواب دو اور کہو۔ اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلّ، لَا سِوَاءَ، قتلانا فی الجنۃ وقتلاکم فی النار" اللہ (تعالیٰ) بلند و برتر ہے۔ ہمارے تمہارے درمیان کوئی برابری نہیں۔ ہمارے مقتولین جنت میں اور تمہارے مقتولین جہنم میں جائیں گے"۔ صحیح بخاری کے مطابق ابوسفیان نے یہ بھی کہا[۳۲۵]۔ لنا العزّیٰ ولا عزّیٰ لکم ۔ ہمارے پاس عزیٰ (بت) ہے جبکہ تمہارے پاس کوئی عزّیٰ (بت جیسا) نہیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کا جواب دو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم کیا جواب دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو، اللہ مولانا ولا مولاکم " اللہ ہمارا مولیٰ (یعنی سرپرست) ہے جبکہ تمہارا کوئی مولیٰ[۳۲۶] (یعنی سرپرست) نہیں"۔

ابن اسحاق کے مطابق پھر ابوسفیان نے پکار کر کہا! "مسلمانو! تمہارے مقتولین میں

---

۳۲۴ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۹۹۔

۳۲۵ صحیح بخاری، باب غزوۂ احد، ج ۲، ص ۵۷۹۔

۳۲۶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۹۹ اور ۱۰۰۔

سے کچھ لوگوں کا مُثلہ کیا گیا۔ مگر اللہ کی قسم! جہاں تک میرا تعلق ہے میں اس فعل سے راضی نہیں ہوں، نہ ہی ناراض ہوں، نہ میں نے اس کا حکم دیا، نہ منع کیا۔" جب وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ واپس ہونے لگا تو اس نے یہ بھی کہا: "آئندہ سال میدان بدر میں ہماری تمہاری جنگ پھر ہوگی۔" اس کے جواب کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ ابو سفیان سے کہہ دے "ہاں ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ میدانِ بدر آئندہ سال کی جنگ کے لیے مقرر ہے۔"[۲۸]

جنگ ختم ہونے کے بعد مشرکین واپس ہوئے تو مسلمانوں کو خیال ہوا کہ وہ لوگ شاید مدینہ منورہ پہونچ کر بچوں، عورتوں اور اموال پر غارت گری کریں گے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ان کا تعاقب کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اگر وہ بلا سواز ہوئے جا رہے ہیں تو مدینہ کا ارادہ رکھتے ہیں اور اگر سوار ہو چکے ہیں تو مکہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر وہ مدینہ کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہمیں فوراً چلنا چاہیئے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے پیچھے چلا۔ میں نے دیکھا کہ ابو سفیان نے مکہ کا رُخ کر لیا ہے۔[۲۸الف] صحیح بخاری میں جو روایت نقل کی گئی ہے، جس کو علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبیؐ میں بھی نقل کیا ہے کہ "دونوں فوجیں جب میدان سے الگ ہوئیں تو مسلمان زخم سے چور تھے تاہم یہ خیال کر کے کہ ابو سفیان مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہو آپؐ نے مسلمانوں کی طرف روئے خطاب کر کے فرمایا کہ کون ان کا تعاقب کریگا۔ فوراً ستّر آدمیوں کی ایک جماعت اس مہم کے لیے تیار ہوگئی جن میں حضرت ابو بکرؓ و زبیرؓ بھی داخل تھے[۲۸ب]" یہ واقعہ دراصل حمراء الاسد والا واقعہ ہے جس کو آگے بیان کیا جائے گا۔ علامہ شبلی نعمانی نے اس واقعہ کو حمراء الاسد سے الگ ایک واقعہ بخاری کی سند پر بیان کیا ہے۔ حالانکہ امام بخاری نے یہ واقعہ اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ الخ. آل عمران آیات ۱۷۲ تا ۱۷۵) آیات کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ آیات حمراء الاسد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے قریش کے تعاقب میں جانے کے بارے

---

[۲۸] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۱۰۰؛ زاد المعاد ابن قیم۔

[۲۸الف] صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۸۳ بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، حصہ اول، ص ۳۸۵ اور ۳۸۶۔

میں نازل ہوئی تھیں[۲۸ب]۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کو دفنایا۔"

غزوۂ اُحد کی بعض تفصیلات طول کی وجہ سے یہاں درج نہیں کی جا رہی ہیں۔ ان تفصیلات کے ملاحظہ ہو: ابن ہشام ، السیرۃ النبویہ؛ ابن جریر طبری ، تاریخ الرسل والملوک؛ ابن سعد ، الطبقات الکبریٰ؛ صحیح بخاری؛ صحیح مسلم؛ زاد المعاد اور دیگر کتب سیرت و احادیث۔

حمراء الاسد (یا غزوۂ حمراء الاسد) :-

اُحد سے روانہ ہو کر کفار مکہ نے ابوسفیان کی سرکردگی میں مدینہ منورہ سے کچھ دور فاصلہ پر روحاء کے مقام پر قیام کیا۔ وہاں پر ان کو خیال آیا کہ وہ لوگ جو کچھ انھوں نے سوچا تھا وہ حاصل نہیں کر پائے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے بارے میں پہلے ہی سے مشکوک تھے کہ کہیں ان کی نیت خراب نہ ہو جائے (اور مدینہ منورہ پر حملہ نہ کر دیں) لہٰذا آپؐ نے اگلے دن (یعنی ۱۶ شوال بروز اتوار) صبح کو یہ اعلان کیا کہ آپؐ ان کا تعاقب کریں گے[۲۹]۔ آپؐ نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہی اس تعاقب میں شریک ہو سکتا ہے جو کل اس جنگ میں شریک تھا۔ مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو کسی نہ کسی زخم اور تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔ لیکن ان سب نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ندا پر لبیک کہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص نے بھی نہ تو سستی ہی کی اور نہ وہ پیچھے رہا۔ مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر حمراء الاسد تک آپؐ صحابہؓ کے ساتھ گئے اور وہاں   قیام فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا حال سن کر قبیلۂ خزاعہ، جو کہ اس وقت تک اسلام نہیں لایا تھا لیکن مسلمانوں کا حامی تھا، کا سردار معبد خزاعی اُحد میں مسلمانوں کی شکست کی خبر سے بے چین ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

[۲۸ب] مولانا احمد علی سہارنپوریؒ، حاشیہ علی البخاری، صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۸۴ (نوٹ:۔ علامہ شبلی نعمانی کی تحقیق پر راقم السطور نے انگریزی والی سیرت کی کتاب میں سیرت النبیؐ اردو، حصہ اول، ص ۳۸۵ و ۳۸۶ سے یہ واقعہ نقل کر دیا ہے۔ لیکن موجودہ تحقیق جو بعد میں کی گئی، زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔)

[۲۹] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۴۸ تا ۵۱؛ واقدی (مغازی)، ص ۲۱۷ (جیسا کہ "برہان" میں نقل کیا گیا ہے۔ نومبر ۱۹۶۲ء، ص ۲۶۵؛ مضمون از مولوی اسحاق النبی صاحب: "واقعات سیرت النبوی میں توقیتی تضاد اور اس کا حل")

اس نے مسلمانوں کو کفار مکہ سے مقابلہ کے لیے تیار پایا۔ واپس جا کر وہ ابوسفیان سے روحا میں ملا جو مدینہ منورہ پر چڑھائی کے بارے میں سوچ رہا تھا بعد نے اس کو بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اس سروسامان اور تیاری سے آرہے ہیں کہ ان کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ یہ سنکر ابوسفیان نے دوسرے حملہ کا ارادہ ترک کر دیا اور مکہ واپس چلا گیا[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان تین روز وہاں مقیم رہے اور اس کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ کچھ مؤرخین وسیرت نگاروں نے (ملاحظہ ہو، زاد المعاد از ابن قیم حمراء الاسد تک اس تعاقب کو ایک مستقل غزوہ شمار کیا ہے۔

مدینہ منورہ واپسی :-

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بہت ہی رنج و افسوس تھا۔ شہیدوں کی بیوائیں اور ان کے دوسرے اعزا ان کی شہادت پر نوحہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " آج حمزہ رضی اللہ عنہ کا سوگ منانے والا کوئی نہیں "۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے فرمایا " لیکن حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے والی عورتیں نہیں "! انصار پر ان الفاظ کا بہت اثر ہوا اور انھوں نے اپنی مستورات سے کہا کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی موت پر نوحہ کریں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد نوحہ کی اس رسم کو ختم کرنا تھا اس لیے جب انصار کی مستورات آئیں تو آپ نے ان سے یہ کہا کہ آپ کا مقصد دراصل اس رسم کو ختم کرانا تھا۔ آپ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا " کسی کی موت پر نوحہ و ماتم کرنا چیخنا چلانا اور کپڑے پھاڑنا یہ سب دور جاہلیت کی رسوم میں ایک رسم ہے اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے "۔ اس وقت سے اس رسم بد کا اسلام میں خاتمہ ہوا[۲]

---

[۱] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۰۰؛ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۷۴؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ۲، ص ۴۹، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۵۹؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۲۷۔

[۲] ... السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۹۹۔

غزوۂ اُحد اور قرآنِ مجید :۔

قرآنِ مجید میں اُحد کا تفصیلی بیان سورۂ آلِ عمران میں ہے۔ ابن اسحاق کے مطابق اُحد کے سلسلہ میں آلِ عمران میں ساٹھ[۶۰] آیتیں نازل ہوئی ہیں[۱۴۱]۔ ان میں سے چند آیات مندرجہ ذیل سطور میں لکھی جا رہی ہیں۔

منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبیّ اور اس کے تین[۳۰۰] ساتھیوں کی غداری پر جبکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ اُحد کے موقعہ پر چھوڑ دیا تھا۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں[۱۴۲]

وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝ (آلِ عمران[۳]، آیات[۱۶۶-۱۶۷])

ترجمہ: "اور جو مصیبت تم پر پڑی جس روز کہ وہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے سو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوئی اور تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو بھی دیکھ لے (یعنی آزمالے) اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لے جنہوں نے نفاق کا کام کیا۔ اور ان سے (یعنی منافقوں سے) یوں کہا گیا کہ اللہ کے راستے میں لڑنے کے لیے آؤ یا (دشمنوں کو) دفع کرو۔ تو وہ (منافق) بولے کہ اگر ہم کوئی ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ منافقین اس روز کفر سے نزدیک ترین ہو گئے تھے بہ نسبت ایمان کے۔ یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ (اپنے دل میں) چھپاتے ہیں۔"

قرآن مجید میں پہلی بار عبداللہ بن اُبیّ اور اس کے منافق دوست منافقین کی حیثیت

---

[۱۴۱] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، الجزء الثالث، ص ۱۱۲۔

[۱۴۲] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۱۸۔

سے بیان کیے گئے ہیں۔

ان تیر اندازوں کی نافرمانی کے بارے میں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درہ ِ حفاظت کی غرض سے متعین فرمایا تھا تاکہ دشمن پشت سے حملہ نہ کر سکے قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمرانؑ، آیت ۱۵۲)

ترجمہ: "اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے وعدہ کو سچا کر دکھایا تھا جس وقت کہ تم ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم خود ہی کمزور ہو گئے اور باہم حکم (ماننے) میں اختلاف کرنے لگے۔ اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تم کو وہ بات دکھلادی گئی جس کو تم چاہتے تھے۔ تم میں سے بعض وہ لوگ تھے جو دنیا کو چاہتے تھے اور بعض وہ لوگ تھے جو آخرت کے طلب گار تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے اپنی نصرت کو بند کر لیا اور پھر تم کو ان کفار سے ہٹا دیا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمالے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا۔ اور (بے شک) اللہ تعالیٰ مومنین کے لیے بڑا فضل والا ہے۔"

کچھ مسلمانوں نے لڑائی میں شدت آنے پر میدان چھوڑ کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ہٹنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بارے میں قرآن کہتا ہے:۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (آل عمرانؑ: آیت ۱۵۳)

ترجمہ: "وہ وقت یاد کرو جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ اور رسولؐ تمہارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہا تھا۔ نتیجہ یہ

ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پاداش میں تمہیں رنج پر رنج دیا تاکہ اس حادثہ سے عبرت حاصل کرو (اور) اس چیز پر غم نہ کرو جو ہاتھ سے نکل جائے۔ نہ اس مصیبت پر (غم کرو) جو تم پر نازل ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی (پوری) خبر رکھتا ہے۔"

اللہ کی کتاب ہمیں اللہ کے ان انعامات کی بھی اطلاع دیتی ہے جو اس موقعہ پر اللہ نے کیے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ (آل عمران ۳ : آیت ۱۵۴)

ترجمہ: "پھر ایسا ہوا کہ اللہ نے غم و افسوس کے بعد تم پر بے خوفی کی خود فراموشی طاری کر دی (تمہارے دل مطمئن ہو گئے) یہ حالت ایک گروہ پر چھا گئی تھی لیکن تم میں ایک دوسرا گروہ تھا جسے اس وقت بھی اپنی جانوں کی ہی پڑی تھی اور اللہ کی جناب میں عہدِ جاہلیت کے سے ظنون و اوہام رکھتا تھا۔ اس گروہ کے لوگ کہتے تھے جو کچھ ہوا اس میں ہمارے بس کی کیا بات تھی۔ اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہدو، ساری باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے، ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں ہمارے لیے (فتح و کامرانی میں سے) کچھ ہوتا تو میدانِ جنگ میں نہ مارے جاتے، اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ اگر تم اپنے گھروں کے اندر بھی بیٹھے ہوتے، جب بھی جن کے لیے مارا جانا تھا، وہ گھر سے باہر نکلتے اور

مارے جانے کی جگہ پہونچ کر رہتے، اللہ کو منظور تھا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں چھپا ہوا ہے اس کے لیے تمہیں آزمائش میں ڈالے اور جو کدورتیں تمہارے دل میں پیدا ہو گئی تھیں انھیں پاک و صاف کر دے۔ اور اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو ان کے دل میں پوشیدہ ہے۔"

حمراء الاسد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے قریش کے تعاقب کا قرآن مجید نے مندرجہ ذیل آیات میں حوالہ دیا ہے۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ فَانقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران : آیات ۱۷۲ تا ۱۷۵)

ترجمہ: "جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر اس کے بعد لبیک کہا کہ انھیں زخم لگ چکے تھے۔ ان میں سے جن لوگوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری اختیار کی، ان کے لیے ثواب عظیم ہے، لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہارے خلاف (لشکر کثیر) جمع کیا ہے، پس تمہیں ان سے اندیشہ رکھنا چاہیے، اس بات نے ان کا ایمان اور زیادہ کر دیا اور انھوں نے جواب دیا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (ہمیں ہمارا خدا کافی ہے اور وہی ہمارا نگہبان ہے) چنانچہ یہ لوگ اللہ کے فضل و نعمت کے ساتھ اس طور پر واپس ہوئے کہ انھیں کوئی گزند نہ پہونچا اور انھوں نے اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ یہ شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے تمہیں ڈراتا ہے۔ اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو اس سے نہ ڈرو صرف اللہ سے ڈرو۔"

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مندرجہ ذیل الفاظ میں تسلی دیتا ہے :-

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ
مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا
كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا
مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي
وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَلَئِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ
مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝ وَلَئِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ۝

(آل عمران۳: آیات ۱۵۵ تا ۱۵۸)

ترجمہ :- یقیناً تم لوگوں میں سے جن لوگوں نے پشت پھیر دی تھی جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دیدی۔ ان کے بعض اعمال کے سبب سے۔ اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والا ہے، بڑا حلم والا ہے۔ اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور جن کا شیوہ یہ ہے کہ اگر ان کے بھائی بندسفر میں گئے ہوں یا لڑائی میں مشغول ہو گئے ہوں اور انھیں موت پیش آجائے تو کہنے لگتے ہیں، اگر یہ لوگ گھر سے نہ نکلتے اور ہمارے پاس ٹھہرے رہتے تو کاہے کو مرتے یا مارے جاتے (حالانکہ ایک خدا پرست کے دل میں ایسا خیال نہیں گذر سکتا۔ اور تمہیں یہ بات اس لیے کہی گئی) تاکہ اللہ اس بات کو منکرین حق کے دامن کے لیے داغ حسرت بنا دے۔ (یاد رکھو!) اللہ ہی کے ہاتھ میں موت اور زندگی ہے اور اللہ اس سب کو دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور اگر تم اللہ کے راستے میں مارے جاؤ یا مر جاؤ، تو اللہ کی طرف سے ہونے والی مغفرت و رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ (منافقین) کر رہے ہیں۔ خواہ تم خود مر جاؤ یا مارے جاؤ، بہر صورت تمہیں اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

جنگِ اُحد ـــــ مسلمانوں کے لیے ایک بڑا سبق :

جنگِ اُحد قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو ایک بڑا سبق دیتی ہے۔ اس میں ہزیمت سے اللہ تعالیٰ دراصل مسلمانوں کے اندر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل یقین پیدا کرانا چاہتا تھا جیسا کہ اور تحریر کردہ اور دیگر قرآنی آیات سے ظاہر ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کی تکلیف و خطرات برداشت کیے لیکن پھر بھی آپؐ اپنے منصب نبوت کی ادائیگی میں پوری طرح مستعد رہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے لیے یہ بھی سبق ہے کہ ان کو ہر حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پابندی کرنا ہے اور آپؐ کے حکم کی کسی بھی حالت میں روگردانی نہیں کرنا ہے۔ یہاں پر یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ آپؐ کی نافرمانی کا اثر نا صرف نافرمانوں پر پڑتا بلکہ دوسرے مسلمان بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں جیسا کہ اس جنگ میں ہوا۔ قرآنِ مجید اس سلسلے میں صاف صاف بیان کرتا ہے :۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (سورۃ الانفال : آیت ۲۵)

ترجمہ :۔ " اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انھیں لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں گناہوں کے (یعنی نافرمانیوں کے) مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جان رکھو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔"

جنگِ اُحد کے اثرات :۔

حالانکہ قریش کو کھلی ہوئی فتح نہ مل سکی جب بھی وہ اس پر مطمئن تھے جو کچھ انھوں نے اس جنگ میں حاصل کیا تھا بالخصوص کچھ ممتاز صحابہؓ جیسے حضرت حمزہؓ کی شہادت سے وہ بہت خوش تھے۔ یہودی اور دوسرے غیر مسلم بھی مسلمانوں کے بارے میں بہت خوش ہوئے کیونکہ ان کو اسلام کی ترقی میں خود اپنی نامرادی اور تنزلی نظر آرہی تھی۔

ڈبلو مونٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt:) تحریر کرتا ہے :۔

"دوسری طرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے جنگ کا خالص دفاعی نتیجہ کسی بھی اعتبار سے پوری طرح غیر مطمئن بخش نہیں تھا۔ مسلمانوں نے اپنے آپ کو تقریباً اہل مکہ کے ہم پلہ کر دکھایا تھا۔ ان کی پیادہ فوج دشمن کی پیادہ فوج کے مقابلہ میں زیادہ طاقتور تھی۔ مسلمانوں کو زیادہ نقصان اہل مکہ کے گھوڑ سوار فوج سے پہونچا تھا۔ مسلمان اتنے غریب تھے کہ گھوڑ سواروں کا ایک پورا دستہ نہیں رکھ سکتے تھے ..... اس کے باوجود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اہل مکہ کا مقابلہ کرنے میں کامیاب رہے تھے اور اس وقت اسی کی ضرورت تھی"۔[۴۳]

سید اطہر حسین جنگ کے نتیجہ کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"اہل مکہ کو اس کا احساس ہو گیا تھا کہ وہ تنہا اسلام کو ختم نہیں کر سکتے اس لیے انہوں نے (اس جنگ کے بعد) دوسرے قبیلوں کو (مسلمانوں کے خلاف) ایک متحد مقصد کے تحت اکسانا شروع کیا۔ زیادہ تر قبیلے پہلے ہی سے اسلام کے خلاف تھے۔ وہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے جبکہ اسلام اس کے خلاف تھا اور اس نے صرف خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا تھا۔ ان قبیلوں کے لوگوں کا زیادہ تر پیشہ دوسروں پر چڑھائی کرنا اور لوٹ مار کرنا تھا جبکہ اسلام نے ایک منظم سوسائٹی کی تعلیم دی ہے اور ظلم و تشدد، دوسروں سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور دوسرے ناجائز کاموں سے منع کیا ہے اور اپنے ماننے والوں کو ایک ایماندارانہ زندگی گذارنے کی تعلیم دی ہے۔ قریش مکہ کا اثر کافی دور تک پھیلا ہوا تھا، (عرب کے تقریباً) سب قبیلے ہی سالانہ حج کے موقعہ پر قریش سے ملتے تھے۔ یہودی بھی (عرب کے) مختلف قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ مسلمانوں کی بدر کے موقعہ پر قریش پر فتح سے تقریباً سب ہی اعرابی قبیلے متاثر ہوئے تھے لیکن اُحد میں ان کی ہزیمت سے ان سب

۴۳۔ W. Montgomery Watt, Muhammad, Prophet And Statesman, p.141.

نے ہی ہاتھ پاؤں نکالنا شروع کیے جس کے نتیجہ میں اس جنگ کے بعد کی چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوئیں۔[۴۴]

جنگ اُحد کے اثرات پر بحث کرتے ہوئے سید امیر علی تحریر کرتے ہیں :

"مصائب سے بھری اس جنگ کا اخلاقی اثر صاف اور فوراً نمایاں ہوگیا تھا اس کے نتیجہ میں (مدینہ کے) قریب رہنے والے قبیلوں نے مدینہ پر یورشیں کرنا شروع کر دی تھیں حالانکہ ان میں سے زیادہ تر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مستعد اور پر قوت اقدام کی وجہ سے ناکام رہے۔ جب کہ کچھ دشمن قبیلے مسلمان مبلغوں کو پھسلا کر کہ وہ اسلام قبول کریں گے، تہ تیغ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔"[۴۵]

۳ھ کے متفرق واقعات

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا خنیس بن حذافہ کی ایک بیوہ تھیں۔ اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف شادیوں کے اسباب پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔ اس دور میں بیواؤں کے مسائل حل کرنے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بیواؤں سے شادی کی۔

(۲) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سید نا حسن رضی اللہ عنہ اسی سال پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت ۱۵ رمضان کو ہوئی۔

---

[۴۴] S. Athar Husain, Prophet Muhammad And His Mission, p.33.

[۴۵] Syed Ameer Ali, The Spirit of Islam , p.71

(۳) مشرک کا نکاح مسلمان سے اب تک مباح تھا۔ اس سال سے اس کو حرام کردیا گیا اور اس سلسلے میں آیتِ قرآنی نازل ہوئی۔

(۴) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔

(۵) وراثت کا قانون کا بھی اسی سال نازل ہوا۔ اب تک وراثت میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ اب ان کے حقوق کی بھی تفصیل بیان کردی گئی۔

باب ۹

ہجرت کا چوتھا سال

جنگِ اُحد کے بعد متفرق سرایا و غزوات

بدر میں مسلمانوں کی فتح سے متفرق عرب قبائل کو زبردست دھچکا لگا تھا جس کی وجہ سے وہ ایک سال تک خاموش رہے۔ حالانکہ ان کے دل اسلام اور اس کے ماننے والوں کے خلاف غم و غصّہ اور نفرت سے بھرے ہوئے تھے۔ کیونکہ اسلام بتوں کی پوجا کا سخت مخالف تھا۔ قریش کعبہ کے متولی کی حیثیت سے عرب کے قبائل پر اپنا اثر و رسوخ رکھتے تھے وہ اپنے اس اثر کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے تھے جس کی وجہ سے مدینہ منورہ کا دفاع کئی بار متاثر ہوا۔ مدینہ منورہ کو کسی باہری حملے سے محفوظ رکھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے چھوٹے دستے اپنے دفاع کے لیے ادھر ادھر بھیجے تاکہ آس پاس کے دشمن قبائل کو مدینہ منوّرہ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوسکے۔

سریۂ ابو سلمہؓ ! (محرّم ۴ھ / جون ۶۲۵ء):۔

محرم ۴ھ میں قطان۔ طلیہ، اور خویلد کے قبائل نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے کوچ کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں علم ہوا تو آپ نے حضرت ابو سلمہؓ کی سرکردگی میں ایک دستہ روانہ کیا۔ مسلمانوں کی آمد کی اطلاع سن کر دشمن بغیر کسی جنگ کے اپنے اپنے مقامات کو واپس بھاگ کھڑے ہوئے۔[1]

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۵۰ ؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۶۲۔

سریۂ ابن اُنیس (۵ محرم ۴ھ / ۱۷ جون ۶۲۶ء)[۲]

قبیلۂ لحیان کے سردار سفیان ابن خالد نے محرم ۴ھ میں مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن اُنیس کو اس حملہ کی مدافعت کے لیے بھیجا۔ ایک معرکہ پیش آیا جس میں حضرت عبداللہ ابن اُنیس نے سفیان کو قتل کر دیا[۳]۔ اس سریہ کی کامیابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور آپؐ نے اپنا عصا رمبارک بطور اظہارِ مسرت حضرت عبداللہ ابن اُنیس کو عطا کیا[۴]۔

بئرِ معونہ پر مسلمان مبلغین کا بے رحمانہ قتل[۵]

صفر ۴ھ / جولائی ۶۲۵ء)

عرب کے ناخواندہ بُت پرستوں نے مسلمانوں کی پُرسکون زندگی کو درہم برہم کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ مخالفت اور نفرت کی یہ آگ صرف نجد ہی میں نہیں بلکہ پورے جزیرۂ عرب میں پھیل گئی، لیکن اسلام کی اعلیٰ تعلیمات اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر دشمنی اور عداوت کے اس دبیز پردے کو پھاڑتی چیرتی پھیلتی رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے معلّمین مختلف مقامات میں جاکر اسلام کی اشاعت کرتے رہے۔ جس کے نتیجہ میں یمن، بحرین اور پورے جزیرۂ عرب کے لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ کبھی کبھی مسلمان مبلغین اور معلّمین کو بھی نہیں بخشا گیا اور وہ عرب کے عیار و مکار مشرکین کے ہاتھوں ظلم وستم کا شکار بنتے رہے۔

صفر ۴ھ میں قبیلۂ کلاب کے سردار ابو براء عامر ابن مالک الکلابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

۲ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، جلد ۲، ص ۶۳

۳ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۵۰ ؛ محمد زرقانی شرح المواہب اللدنیۃ — ج ۲، ص ۶۴

۴ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۵۱ ؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۶۴

۵ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۱۸۳ - ۱۸۹

سے کچھ مبلغین بھیجنے کی درخواست کی تاکہ وہ اس قبیلہ میں تبلیغِ اسلام کا کام کریں. رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کو شروع میں کچھ ہچکچاہٹ ہوئی کیونکہ آپؐ نجد کے ناخواندہ لوگوں کی غداری سے واقف تھے لیکن بعد میں جب آپؐ کو مسلمان مبلغین کی حفاظت کی طرف پورا اطمینان دلایا گیا تو آپؐ اس مشن کو بھیجنے کے لیے راضی ہو گئے۔ آپؐ نے ۷۰ انصار صحابہؓ کو اس اہم فریضہ کے لیے روانہ کیا۔ راستے میں مبلغین ایک مقام بئرِ معونہ پر ٹھہرے اور حضرت حرام ابن ملحان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک دیکر عامر ابن طفیل جو کہ ابو براء کے چچا زاد بھائی تھے اور قبیلہ کے ایک سردار بھی تھے کے پاس بھیجا۔ عامر ابن طفیل نے نہ صرف حرام ابن ملحان کو قتل کر دیا بلکہ آس پاس کے قبائل کے لوگوں کو جمع کر کے مبلغین کو قتل کرنے کے ارادہ سے بڑھے. اس نے مبلغین کے جائے قیام پر پہونچ کر ایک کے علاوہ سب کو قتل کر ڈالا. جو ایک بچے تھے ان کا نام عمروؓ ابن امیہ تھا۔ ان کو اس نے یہ کہہ کر جانے دیا کہ میں تجھے اپنی والدہ کی قسم کے عوض آزاد کرتا ہوں۔[شہ]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس دردناک واقعہ کا علم ہوا تو آپؐ انتہائی رنجیدہ ہوئے حضرت عمروؓ ابن امیہ جب واپس مدینہ منورہ آرہے تھے تو انھوں نے قبیلہ بنو عامر کے دو آدمیوں کو دشمن سمجھ کر قتل کر دیا حالانکہ قبیلہ بنو عامر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امان عطا کر دی گئی تھی۔ اس معاملہ کا ہم غزوہ بنو نضیر کے موقع پر جائزہ لیں گے۔

ﮯ نوٹ ۱۔ ابن حزم کے مطابق تعداد چالیس تھی۔ انھوں نے ایسی روایات بھی نقل کی ہیں جن کے مطابق مبلغین کی کی تعداد ۳۰ تھی — ابن حزم، السیرۃ النبویۃ، مخطوطہ، علیگڈھ مسلم یونیورسٹی، آزاد لائبریری، ص ۱۲۵۔ تفصیلات کے لیے مزید ملاحظہ ہو۔ الشرح المواہب اللدنیہ از محمد زرقانی۔ ج ۲، ص ۷۵،

شہ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ۔ ج ۲، ص ۱۸۵؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ جلد ۲، ص ۷۷؛ ابن قیم۔ زاد المعاد۔ مسلمان مبلغین کے اس بہیمانہ قتل کے واقعات کی تفصیلات صحیح بخاری اور مسلم میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

(ابن قیم نے زاد المعاد میں نقل کیا ہے کہ کعب ابن زید بخاری بھی اس قتل سے بچ گئے تھے۔ قاتلین آپ کو مقتول سمجھ کر واپس چلے گئے تھے۔ بعد میں حضرت کعب ابن زید جنگ خندق تک حیات رہے اس جنگ میں آپ شہید ہوئے۔)

واقعہ رجیع ! (صفر ۴ھ / جولائی ۶۲۵ء)

اسی طرح ایک اور حادثہ مقام رجیع میں پیش آیا۔ قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انھوں نے آپ سے کچھ معلمین کے بھیجنے کی درخواست کی تاکہ وہ لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیں۔ آپ نے حضرت عاصم ابن ثابتؓ کی امارت میں دس صحابہؓ کو اس مقصد سے بھیجا جب یہ حضرات رجیع کے مقام پر پہونچے تو وہاں پر قبیلہ بنو لحیان کے تیراندازوں نے ان پر حملہ کر دیا اور سات کو قتل کر دیا۔ ان میں سے تین حضرات عبداللہ ابن طارق، خبیبؓ اور زیدؓ ابن دثنہ نے مشرکین کے وعدہ پر یقین کیا اور اس پہاڑی پر سے جس پر یہ حضرات ٹھہرے ہوئے تھے نیچے تشریف لے آئے۔ مشرکین نے ان کے ساتھ غداری کی اور ان تینوں کو قیدی بنا لیا۔ جب یہ لوگ مکہ لے جائے جا رہے تھے تو حضرت عبداللہؓ ابن طارق نے شہادت کو غلامی پر ترجیح دی۔ تھوڑی سی ہاتھا پائی کے بعد ظہران کے مقام پر انھوں نے حضرت عبداللہؓ کو قتل کر دیا۔ باقی دو یعنی حضرت خبیبؓ اور زیدؓ مکہ لے جائے گئے جہاں ان لوگوں نے ان کو قریش کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ خبیبؓ کو حارث ابن عامر کے لڑکے نے خرید لیا تاکہ وہ اپنے باپ جو کہ غزوۂ احد میں مارا گیا تھا کی موت کے بدلے میں ان کو قتل کر دے۔ حضرت خبیبؓ نے قتل سے پہلے ابن حارث سے کہا کہ وہ ان کو دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دے۔ اس نے اجازت دے دی۔ نماز کے بعد وہ ایک مثالی سکون اور مومنانہ شان کے ساتھ شہید ہو گئے۔ حضرت زیدؓ کو قریش کے ایک اور سردار صفوان ابن امیہ نے خرید لیا۔ ان کو قتل کرنے سے پہلے صفوان نے ان سے پوچھا "کیا تم اس کو ترجیح دو گے کہ تمہاری جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے" حالانکہ حضرت زیدؓ موت کے دروازہ پر کھڑے تھے لیکن آپ نے جواب دیا "اللہ کی قسم اگر میری پوری جان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے نچھاور ہو جائے جو آپ کو کسی کانٹے کے لگنے سے

---

۵۸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۵۵

۵۹ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ج ۳، ص ۱۶۹ ؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ جلد ۲ ص ۵۵

پہونچی ہوتو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا[۱] مشرکین یہ جواب سُن کر حیران ہوگئے اور انھوں نے اقرار کیا کہ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین آپؐ سے محبت کرتے ہیں وہ بے مثال ہے، اس کے بعد انھوں نے حضرت زیدؓ کو قتل کردیا۔ محبت وایثار کا یہ جذبہ تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے جو ان شہداء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر پیش کیا۔

قاصدین اور مبلغین کو قتل کرنا ایک بین الاقوامی جرم ہے جس کی تاریخ نے ہمیشہ مذمت کی ہے لیکن کفارِ عرب نے اپنی غدارانہ طبیعت کی وجہ سے اس بین الاقوامی قانون کی بھی پرواہ نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان واقعات پر بہت رنجیدہ ہوئے اور آپؐ نے ایک ماہ تک فجر کی نماز میں دعاءِ قنوت پڑھی جس میں آپؐ نے ان جابر وظالم کفار کے لیے بد دعا کی۔

یہود کی ریشہ دوانیاں

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جاچکا ہے یہود نواحِ مدینہ میں تین مقامات پر رہتے تھے ان میں مشہور قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے۔ یہ لوگ اپنی اپنی قلعہ بند بستیوں میں رہتے تھے۔ شروع میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا استقبال کیا کیونکہ ان کی مذہبی کتابوں میں نبی آخرالزماںؐ کے آنے کے بارے میں پیشین گوئی کی گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جانب سے ان سے ایک معاہدہ بھی کیا تھا جس کی تفصیلات دی جاچکی ہیں۔ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان کے ساتھ امن وآشتی کے ساتھ رہنا تھا اس کے برخلاف انھوں نے خفیہ طور پر ہمیشہ آپؐ کو اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کی کوشش کی۔ ان کی سب سے پہلی ناراضگی کا سبب تحویلِ قبلہ تھا جو قرآنِ کریم کے حکم کے مطابق بیت المقدس سے مسجدِ حرام کی طرف منتقل کردیا گیا تھا۔

اس دور میں یہودیوں کے اندر بہت سی بداخلاقیاں تھیں۔ اس علاقے کے وہ سرمایہ دار تھے۔ اور انھوں نے قرض دینے کی ایک بڑی تجارت پورے علاقے میں پھیلا رکھی تھی نہ صرف مدینہ منورہ

---

[۱] ابن سعد حوالۂ مذکورہ، ج ۲، ص ۵۶؛ ابن حزم، السیرۃ النبویۃ (مخطوطۃ)، آزاد لائبریری علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، ص ۱۲۴؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ ج ۲، ص ۷۲

کی تقریباً پوری آبادی بلکہ آس پاس کے علاقوں کے لوگ بھی ان کے قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے۔ قرآن کریم کے مطابق سُود لینا ان پر حرام تھا لیکن پھر بھی وہ بے انتہا مقدار میں سُود لیا کرتے تھے۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ (سورۃ النساء آیت ۱۶۱)

ترجمہ:۔ "اور وہ (یہود) سود لیا کرتے تھے حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا اور وہ (یہود) لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کے لیے جو ان میں کافر ہیں دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

ان کے سُود کی مقدار کبھی کبھی اتنی زیادہ ہوتی تھی جس کو قرض دار اکثر ادا کرنے سے قاصر رہتے تھے اور پھر اپنے بچوں یہاں تک کہ بیویوں تک کو ضمانت کے طور پر ان کے پاس رکھنا پڑتا تھا۔ ان میں کے بااثر لوگ اکثر زنا میں ملوث ہوتے تھے۔ لیکن ان کو خود یہودیوں کے قانون کے مطابق سزا نہیں دی جاتی تھی۔ ان کے مقابلہ میں جب ان میں کا کوئی عام آدمی زنا میں مبتلا ہوتا تھا تو وہ یہودی قانون کے مطابق سزا پاتا تھا۔ اسلام کے اندر ان کو یہ ظالمانہ اور بے رحمانہ طرزِ عمل ختم ہوتا ہوا نظر آیا۔ اور انھوں نے اس کا اندازہ لگا لیا کہ اب ان کی ذاتی منفعتیں اور اغراض زیادہ عرصہ تک لوگوں کا خون چوسنے کے لیے نہیں پنپ سکتیں۔ مزید برآں اسلام کی اشاعت میں ان کو اپنی مذہبی قیادت گرتی ہوئی نظر آئی۔ مختلف غزوات و سرایہ میں انصار کو جو فتوحات ملی تھیں ان کے ذریعہ انھوں نے اپنے آپ کو یہودیوں کے بھاری قرضہ سے آزاد کرانا شروع کر دیا تھا۔ یہ بات بھی سرمایہ دار یہودیوں کو پسند نہیں تھی، کیونکہ اس سے ان کا سُودی کاروبار کافی متاثر ہوا تھا۔

نہ صرف یہ بلکہ یہودیوں نے کئی بار اس معاہدے سے بھی کھلم کھلا غداری کی جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے درمیان ہوا تھا۔ قرآن کریم نے ان کی اس غداری کی پول بار بار کھولی۔ اس وجہ سے وہ بہت زیادہ برہم ہو گئے تھے اور انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہونچانے اور آپ کی دلآزاری کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو استقامت و صبر کی تلقین کی: لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ

ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (سورہ آلِ عمران، آیت ۱۸۶)

ترجمہ: "البتہ تم آئندہ اپنے مالوں اور جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور ضرور ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے بہت سی باتیں دل آزاری کی سنو گے اور مشرکین سے بھی اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یہ بڑے مرتبہ کے کاموں میں سے ہے۔"

یہود کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی اس حد تک پہونچ گئی تھی، کہ جب کبھی وہ آپؐ کو سلام کرتے تو بجائے "السلام علیکم"، کے "السام علیک" (یعنی تجھ کو موت آئے) کہتے تھے[۱۱]۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ اس کو سن کر ناراض ہوئیں اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو آپؐ نے ان سے فرمایا "نرمی سے کام لو" آپؐ نے ہمیشہ اُن کے ساتھ نرمی و رحمدلی کا برتاؤ کیا اور ان کی غلطیوں کو نظر انداز کیا نہ صرف یہ بلکہ آپؐ نے ان معاملات میں جن میں صاف صاف ہدایت خداوندی نہیں آئی تھی اہل کتاب کی اتباع کی[۱۲]۔ اسی رعایت کے پیشِ نظر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۝ (سورہ مائدہ، آیت ۵)

ترجمہ: "آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور وہ کھانا بھی تم کو حلال ہے جو اہلِ کتاب کے لیے حلال ہے۔"

ان تمام مہربانیوں اور خوش خلقیوں کا جواب ان کی طرف سے نفی و انکار میں دیا گیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے مشرکین کو مسلمانوں سے بہتر بتایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ (سورہ نساء، آیت ۵۱)

ترجمہ: "کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے (پھر اس کے باوجود) وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ

---

[۱۱] شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۲۹۸؛ مزید ملاحظہ ہو صحیح بخاری

[۱۲] صحیح بخاری، کتاب اللباس

مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ راہِ راست پر ہیں"۔

یہودیوں نے اسلام کو نقصان پہونچانے اور مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ انھوں نے مدینہ کے دو بڑے قبیلوں اوس اور خزرج کو جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے اور آپؐ کی آمد سے متحد ہو گئے تھے دوبارہ ایک دوسرے کے خلاف اکسایا۔ ایک مرتبہ ایک مجلس میں جس میں اوس و خزرج دونوں قبائل کے لوگ جمع تھے کچھ یہودی آئے اور انھوں نے جنگِ بعوث کا تذکرہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ وہ مشہور جنگ ہے جو قبل از اسلام اوس اور خزرج کے درمیان ہوئی تھی۔ یہودیوں نے ان دونوں قبیلے کے لوگوں کو پرانی دشمنی یاد دلائی جس کے نتیجہ میں اس مجلس کے اندر دشمنی کی آگ پھر بھڑک اٹھی اور تلواریں میان سے باہر نکل آئیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ فوراً وہاں تشریف لائے اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کرائی۔ اس موقع پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی[۱۱]

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ۔ (آلِ عمران، آیت ۱۰۰)

ترجمہ: "اے ایمان والو اگر تم ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے کسی فریق کا کہنا مانو گے تو وہ لوگ تم کو ایمان لانے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف پھیر دیں گے"۔

عبداللہ ابن اُبی کی قیادت میں مدینہ کے منافقین بھی یہود کے ساتھ ان ریشہ دوانیوں میں شریک ہو گئے۔ عبداللہ ابن اُبی نے یہود کے قبیلہ بنو نضیر نیز دوسرے یہودی قبائل کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کیں[۱۲]۔ وہ بنو قینقاع کے ساتھ مل کر پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست سازش کر چکا تھا جس کے نتیجہ میں بنو قینقاع کو شوال ۲ھ میں مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تھا۔ اس کی تفصیلات بھی پہلے درج کی جا چکی ہیں۔

خاص طور پر سردارانِ یہود کا رویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت ہی معاندانہ تھا۔ ان سرداروں میں سے ایک مشہور شاعر کعب بن اشرف بھی تھا جو ایک بڑا تاجر تھا۔ اور

---

۱۱ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۰۲

۱۲ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۰۲

بنو نضیر کا حلیف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کے نتیجہ میں اس نے آپ کے قتل کی کئی سازشیں کی تھی۔ ان سازشوں کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کرنے کے احکامات جاری کیے تھے اور وہ قتل کر دیا گیا تھا۔[۱۵] کعب بن اشرف کا خسر ابو رافع بھی اپنی غداری کی وجہ سے قتل کرا دیا گیا تھا۔

حالانکہ یہود کا ایک قبیلہ بنو قینقاع اپنی غداریوں کی وجہ سے مدینہ منورہ سے جلا وطن کر دیا گیا تھا اور ان کے دو بڑے سرداروں کو سزائے موت دی جا چکی تھی۔ لیکن پھر بھی یہود نے ان واقعات سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا اور اپنی غداریوں میں نیز مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے۔ اسی قسم کی ایک اور سازش و غداری یہودیوں کے ایک اور قبیلہ بنو نضیر نے کی جس کو یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔

غزوۂ بنو نضیر (ربیع الاوّل ۴ھ/اگست ۶۲۵ء)

بئر معونہ پر پیش آنے والے حادثہ کے سلسلہ میں تحریر کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمروؓ ابن امیہ نے دھوکہ سے قبیلہ بنو عامر کے دو لوگوں کو دشمن سمجھ کر قتل کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان یہود کے قبیلہ بنو نضیر کو شامل کر کے قبیلہ بنو عامر کے حلیف تھے۔ معاہدہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دو مقتولین کا خون بہا ادا کرنا تھا۔ اس رقم کا ایک حصہ بنو نضیر کو بھی دینا تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کے ہمراہ جن میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ شامل تھے۔ بنو نضیر کے پاس گئے تاکہ خون بہا کی رقم کے سلسلہ میں ان سے گفت و شنید کریں۔[۱۶] انھوں نے ظاہری دوستی اور خوش خلقی سے آپ کا استقبال کیا اور آپ کو ایک اونچی دیوار کے نیچے بٹھایا۔ وہ بظاہر اپنا حصہ ادا کرنے پر راضی ہو گئے مگر خفیہ طور پر ایک یہودی عمرو ابن جحش کو دیوار پر چڑھایا اور پتھر کی ایک بڑی سِل آپ پر گرانے کا ناپاک ارادہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہو گیا۔ اور آپ ان سے مزید گفتگو کیے بغیر فوراً مدینہ منورہ واپس چلے آئے۔[۱۷] صحابہؓ بھی آپ کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ دراصل

---

۱۵ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۰۷۔

۱۶ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۸۰۔

۱۷ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ۔ ج ۲، ص ۸۱۔

بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا یہ منصوبہ قریش کے ساتھ مل کر بنایا تھا۔[۱۸] اس کے علاوہ بنو نضیر کعب ابن اشرف کے قتل کا بدلہ بھی لینا چاہتے تھے جو کہ ان کا حلیف تھا۔

صحابہؓ کو یہود کے اس غدارانہ برتاؤ سے زبردست دھچکہ لگا۔ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہلوایا کہ آپؐ ۳۰ آدمیوں کے ساتھ دوبارہ تشریف لائیں اور ان کے مذہبی رہنماؤں سے گفت وشنید کریں۔ اگر انھوں نے آپؐ کے دعوئ نبوت کو قبول کر لیا تو وہ لوگ آپؐ کو نبی مان لیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس سلسلہ میں معاہدہ کرنے کو کہا لیکن وہ معاہدہ کرنے پر راضی نہیں ہوئے۔ اس کے بعد آپؐ بنو قریظہ کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ یہودیوں کا تیسرا بڑا قبیلہ تھا جو اطراف مدینہ میں رہتا تھا، آپؐ نے ان سے پرانے معاہدہ کے تجدید کی پیش کش کی۔ انھوں نے اس بات کو قبول کر لیا اور ایک نیا معاہدہ وجود میں آیا، اس کے بعد آپؐ نے بنو نضیر سے دوبارہ تجدید معاہدہ کے لیے کہلوایا اور بنو قریظہ کے نقش قدم پر چلنے کی دعوت دی۔ لیکن انھوں نے تجدید معاہدہ سے پھر انکار کر دیا اور کہلوایا کہ آپؐ تین آدمیوں کے ساتھ آئیں اور ہمارے تین مذہبی رہنماؤں سے گفتگو کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر راضی ہو گئے لیکن جب آپؐ قبیلہ بنو نضیر تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں آپؐ کو اطلاع ملی کہ یہودیوں نے یہ منصوبہ بنایا ہے، کہ جیسے ہی آپؐ اُن کے قلعہ میں پہونچیں آپؐ کو قتل کر دیا جائے۔[۱۹] اس خبر کی تصدیق کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے اور محمد ابن مسلمہ سے مندرجہ ذیل پیغام کہلوا بھیجا۔

"اے بنو نضیر! میرے شہر کو چھوڑ دو۔ میرے خلاف قتل کی سازش کر کے تم نے اس معاہدہ کو توڑ دیا ہے جو میرے اور تمہارے درمیان تھا۔ میں تمہیں صرف دس دن کی مہلت دیتا ہوں۔"[۲۰]

بنو نضیر انتہائی مغرور اور شر پسند تھے وہ ایک بہت ہی مضبوط قلعہ میں رہتے تھے جو ناقابل تسخیر سمجھا

---

۱۸ ایضاً

۱۹ فتح الباری (غزوہ بنو نضیر)، ج ۷، ص ۲۵۵؛ ابن حزم، السیرۃ النبویۃ، مخطوطہ، آزاد لائبریری علیگڈھ مسلم یونیورسٹی، ص ۱۲۶۔

۲۰ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۵۷۔

جاتا تھا۔ ان کو قریش کی پشت پناہی حاصل تھی اور وہ برابر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف اکسا رہے تھے، اس کے علاوہ منافقین مکہ بھی عبداللہ ابن اُبی کی قیادت میں ان کی مدد کر رہے تھے۔ عبداللہ ابن اُبی نے دو قاصدوں کے ذریعہ ان کو یہ پیغام بھجوایا کہ وہ اپنے علاقے کو ہرگز خالی نہ کریں اور بنو قریظہ و منافقین ان کے ساتھ ہیں۔ قرآن مجید نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ۔ (الحشر، آیت ۱۱)

ترجمہ: "کیا آپ نے ان منافقین (یعنی عبداللہ ابن اُبی وغیرہ) کی حالت نہیں دیکھی کہ اپنے (اہم مذہب) بھائیوں سے جو کفار اہل کتاب ہیں (یعنی بنو نضیر سے) کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائینگے اور تمہارے معاملہ میں ہم کسی کا کبھی کہنا نہیں مانیں گے۔ اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔"

کچھ یہودیوں نے خیبر جانے کا منصوبہ بنایا۔ مگر ان کے سرداروں نے بالخصوص حُیَیّ ابن اخطب نے ان کو اس سے روک دیا۔ اور یہ طے کیا کہ وہ اپنے آپ کو قلعہ بند کر لیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً ۱۵ دن تک ان کا محاصرہ کیا اس دوران فوج کا راستہ صاف کرنے کے لیے آپؐ نے کھجور کے باغات کے کچھ پیڑ بھی کاٹے علامہ شبلی نعمانی نے سُہیلی کی روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب پیڑ نہیں کاٹے گئے تھے بلکہ صرف لیناب نام کی کھجور کے پیڑ کاٹے جاتے تھے جو عربوں میں عام طور سے کھانے کے لیے استعمال ہوتی تھی[۱۲]۔

قرآن مجید نے اس واقعہ کی طرف مندرجہ ذیل الفاظ میں اشارہ کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے یہ پیڑ کٹوائے تھے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ

---

۱۲ عبدالرحمان سہیلی، الروض الانف، ج ۲، ص ۱۷۷؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۸۱۔

وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (الحشر۵۹، آیت ۵)

ترجمہ: "جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جگہ پر کھڑا رہنے دیا سو (دونوں باتیں) اللہ ہی کے حکم (اور رضا) کے موافق ہیں اور تاکہ نافرمانوں کو ذلیل کرے۔"

علامہ شبلی نعمانی اور دوسرے سیرت نگار نیز دیگر علماء اس پر متفق ہیں کہ محاصرہ کو پورا کرنے کے لیے جنگی نقطۂ نظر سے ان پیڑوں کا کٹوانا نہایت ضروری تھا۔ امام احمد ابن حنبلؒ اور ابن اسحاقؒ وغیرہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق دورانِ جنگ اگر اس کا خطرہ ہو کہ دشمن پیڑوں کے پیچھے چھپ سکتا ہے یا پناہ لے سکتا ہے تو کٹوا دینا (یا جلا دینا) درست ہے[۲۲]۔ موجودہ دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ بمباری کے نتیجے میں نہ صرف ہزاروں بے گناہوں کا قتل ہوتا ہے سیکڑوں عمارتیں منہدم ہو جاتی ہیں بلکہ ہزاروں ایکڑوں پر مشتمل کھڑی فصلیں اور باغات آن واحد میں جل کر راکھ ہو جاتے ہیں اور پھر زمین برسوں تک زراعت کے قابل نہیں رہتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کے حکم سے کھجور کے باغات کے کچھ پیڑوں کا کٹوا دینا یقیناً جنگی نقطۂ نظر سے ضروری تھا جس کو موجودہ جنگی اصول تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتے۔

نہ تو منافقین مکہ اور نہ ہی بنو قریظہ بنو نضیر کی کچھ مدد کر سکے۔ بالآخر آپؐ سے انھوں نے اس شرط پر مدینہ چھوڑنے کی اجازت چاہی کہ وہ اپنے ساتھ جو کچھ سامان لے جا سکیں لے جا سکتے ہیں۔ اور یہ کہ ان کی جان بخش دی جائے گی، آپؐ نے ان کی ان شرائط کو قبول کر لیا اور وہ اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لے جا سکتے تھے لے گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ اور ان کے کچھ سردار خیبر چلے گئے جو کہ اس زمانہ میں عرب میں یہودیوں کا سب سے مضبوط گڑھ تھا۔ باقی لوگ شام اور اس کے اطراف میں جا بسے حالانکہ وہ جلا وطن ہو رہے تھے لیکن تب بھی انھوں نے ایک شاندار جلوس نکالا اور گاتے ہوئے ڈھول بجاتے ہوئے گئے۔ مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں ۵۰ زرہ بکتر، ۵۰ خود، ۳۴۰ تلواریں اور ان کے باغات و زمینیں ملیں۔

اس پورے واقعہ کو قرآن کریم نے ایک الگ سورۃ "سورۂ حشر" میں بیان کیا ہے۔

۲۲۔ عمدۃ القاری ــــ ج ۲ ــــ ص ۱۹۱ ــــ جیسا کہ علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ میں نقل کیا ہے۔

غزوۂ بدر ثانی (رجب ۴ھ / دسمبر ۶۲۵ء)

بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد ان کی زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کردی گئیں۔ انھوں نے اس میں کاشتکاری کی، رجب ۴ھ (ابن ہشام کے مطابق ماہ شعبان) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قریشی نعیم کے ذریعہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان اس سال بدر پر دوبارہ حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے[۴۳] ابوسفیان جب اُحد سے واپس لوٹ رہا تھا تو اس نے اعلان کیا تھا کہ وہ اگلے سال بدر پر دوبارہ چڑھائی کرے گا۔ مدینہ منورہ کے منافقین نے اس کو اس کا اعلان یاد دلایا۔ لیکن اس نے مدینہ پر حملہ نہیں کیا بلکہ نعیم نامی ایک شخص کو دس اونٹوں کے انعام کے وعدہ پر مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں میں ابوسفیان کی تیاریوں اور متوقع حملہ کی افواہ پھیلائے[۴۴]۔ حالانکہ مسلمان اس سال مختلف جنگوں کے نتیجہ میں کافی تھک گئے تھے لیکن احتیاطی اقدام کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار پھر بدر کے مقام پر ابوسفیان سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی۔ آپؐ نے حضرت عبداللہؓ ابن رواحہ[۴۵] کو اپنی غیر موجودگی میں مدینہ کا امیر مقرر کیا۔ اور پندرہ سو مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر کو لے کر بدر کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت علیؓ علم بردار تھے۔ مسلمانوں کی پیش قدمی کی خبر سن کر ابوسفیان کے سامنے مقابلہ کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا۔ چنانچہ وہ دو ہزار کفار کے ہمراہ مکہ سے روانہ ہوا۔ اصفان (مکہ مکرمہ اور بدر کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) کے مقام پر اس کو مسلمانوں کے لشکر کی صحیح تعداد کا علم ہوا۔ وہ بدر اور احد کے غزوات میں مسلمانوں کے چھوٹے لشکروں کی دلیری اور جانبازی دیکھ چکا تھا۔ اس لیئے وہ پندرہ سو مجاہدین حق سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں

---

۴۳ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۰۹ تا ۲۱۱، مزید ملاحظہ ہو: محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ ج ۲، ص ۹۳۔ (نوٹ:۔ ابن حزم نے شعبان ۳ھ لکھا ہے ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہ از ابن حزم، مخطوطہ۔ آزاد لائبریری علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، ص ۱۲۸۔)

۴۴ اکبر شاہ خان، تاریخ اسلام، ج ۱، ص ۱۸۳؛ غلام سرور Muhammad, The Holy Prophet، ص ۲۲۵ تا ۲۲۶۔

۴۵ یہ واقدی کے مطابق ہے کچھ مؤرخین مثلاً ابن اسحاق وغیرہ کا کہنا ہے کہ عبداللہ ابن عبداللہ ابن ابی ابن سلول کو اپنی غیر موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا امیر بنایا تھا۔ ملاحظہ ہو: البدایۃ والنھایۃ،

کر سکا۔ اور اس بہانہ سے مکہ واپس لوٹ گیا کہ چوں کہ اس سال مکہ میں قحط سالی تھی اس لیے وہ ضرورت کے مطابق سامان رسد اپنے ساتھ نہیں لا سکا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقام پر اُس کا آٹھ دن انتظار کیا اور پھر شعبان ۴ھ (نومبر ۶۲۵ء) میں ہی مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ کچھ مفسرین کے مطابق سورۂ آل عمران کی آیات ۱۷۱ تا ۱۷۴، اس موقعہ پر نازل ہوئیں جبکہ ایک دوسرے بڑے طبقہ کا یہ خیال ہے کہ یہ آیات غزوۂ حمراء الاسد سے واپسی میں نازل ہوئی تھیں۔ یہ غزوہ جنگِ احد کے فوراً بعد پیش آیا تھا جس میں آپ نے بھاگتے ہوئے قریش کا پیچھا کیا تھا۔

اس غزوہ کو بدر الصغریٰ یا بدر الآخر بھی کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں بدر کے مقام پر ایک میلہ بھی لگتا تھا۔ اس میں مسلمانوں نے خرید و فروخت کی اور کافی نفع کمایا۔

۴ھ کے متفرق واقعات

حضرت حسینؓ اسی سال ماہِ شعبان میں پیدا ہوئے۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کی وفات بھی اسی سال ہوئی۔ اس سال شوال کے مہینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کیا۔ حضرت ام سلمہؓ عبد السلام المخزومی کی بیوہ تھیں۔ کچھ مورخین کے مطابق شراب کی حرمت بھی اسی سال نازل ہوئی۔ حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بنت اسید اور عبد اللہؓ ابن عثمان (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے) نے بھی اسی سال وفات پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر ملکی خط و کتابت کے لیے ایک کاتب کی ضرورت تھی۔ آپؐ نے حضرت زیدؓ ابن ثابت کو عبرانی اور سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔ تاکہ وہ آپؐ کے لیے ان زبانوں میں باہر سے آنے والے خطوط کا ترجمہ کر سکیں اور ضرورت پڑنے پر ان زبانوں کے اندر آپؐ کے پیغامات بھی دوسرے ممالک کو پہونچا سکیں۔

---

۳۱ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۰۔

باب ۱۰

ہجرت کا پانچواں سال

غزوہ ذات الرقاع

(محرم ۵ھ[1] / جون ۶۲۶ء)

قریش اور یہود نے مدینہ منورہ اور مکہ کے درمیان تمام قبائل کو مسلمانوں کے خلاف دل کھول کر بھڑکایا جس کے نتیجے میں بہت سے قبائل مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاموشی کے ساتھ اللہ کے حکم کے مطابق تیاریاں شروع کر دیں۔

۵ھ کے شروع میں غطفان، انمار اور ثعلبہ قبیلوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ایک مشترکہ لشکر تیار کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ چار سو[2] جانباز صحابہؓ کے ساتھ مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اور ۱۰ محرم ۵ھ کو آپؐ نے ذات الرقاع کے مقام پر ان کو اچانک جا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو دیکھ کر وہ پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ مسلما[ن] معمولی مالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

---

[1] ابن سعد، الطبقات، ج ۲، ص ۶۱؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۵۶

(نوٹ:۔ ابن اسحاق کے مطابق یہ غزوہ ربیع الآخر اور جمادی الاول کے مہینوں میں ۴ھ میں پیش آیا۔ ملاحظہ ہو شرح المواہب اللدنیۃ از محمد زرقانی، ج ۲، ص ۸۶ تا ۹۲؛ تاریخ الرسل والملوک از ابن جریر طبری، ج ۲، ص[۵] زرقانی نے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے جس کے مطابق یہ غزوہ محرم ۵ھ میں پیش آیا تھا۔ اس سلسلہ کی مز[ید] روایتیں زرقانی کی مذکورہ بالا کتاب میں دیکھی جا سکتی ہیں)

[2] محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۸۹ (نوٹ:۔ شرح المواہب کی ایک روایت کے مطابق اس غز[وہ] میں شریک ہونے والے صحابہؓ کی تعداد ۷۰۰ تھی؛ ج ۲، ص ۸۹)

صحیح بخاری کے مطابق یہ غزوہ جنگ خیبر کے بعد پیش آیا تھا[22]۔ مگر زیادہ تر مؤرخین اس سے متفق نہیں ہیں۔

غزوہ دُومتہ الجُندل (ربیع الاول[23] ۵ھ/اگست ۶۲۶ء)

ربیع الاول ۵ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ شمالی جزیرۂ عرب کے دُومتہ الجُندل کے کفار قبائل مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی فوج جمع کر رہے ہیں یہ گرمی کا مہینہ تھا اور گرمی میں ریگستانی سفر ایک کٹھن کام تھا۔ اس سے قبل زیادہ تر بڑے بڑے غزوات جاڑے کے موسم میں پیش آئے تھے۔ ناسازگار اور تکلیف دہ موسم کے باوجود مسلمانوں نے آپؐ کے حکم کی تعمیل میں کچھ لیت و پیش نہیں کیا۔ اور آپؐ ایک ہزار صحابہؓ[24] کے ساتھ دُومتہ الجُندل کے لیئے روانہ ہو گئے، مسلمان رات میں سفر کرتے تھے اور شاید گرمی کی وجہ سے دن میں آرام کرتے تھے، دس منزلیں طے کرنے کے بعد آپؐ نے دُومتہ الجُندل پر قیام کیا۔ یہ جگہ بحر احمر اور خلیج فارس کے بیچ میں واقع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا حال سن کر دشمن دُومتہ الجُندل کے گورنر کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور آپؐ صحابہؓ کے ہمراہ مدینہ منوّرہ واپس تشریف لے آئے۔ جب آپؐ مدینہ منوّرہ واپس لوٹ رہے تھے تو ایک عرب سردار عیینہ ابن حصن نے اپنے جانور مدینہ منورہ کے قریب چرانے کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاہی۔ نبی رحمتؐ[25] نے خوش دلی سے اس کو اجازت مرحمت فرما دی[26]۔

غزوہ بنو مُصطلق یا مُریسیع

(شعبان ۵ھ؛ دسمبر ۶۲۶ء / جنوری ۶۲۷ء)

قبیلہ بنو مصطلق قبیلہ بنو خزاعہ کی ایک شاخ تھا۔ بنو خزاعہ قریش کے حلیف تھے یہ غالباً قریش کا

---

[22] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ ذات الرقاع۔

[23] ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۶۴؛ ابن حزم، السیرۃ النبویۃ، مخطوطہ، آزاد لائبریری علیگڈھ مسلم یونیورسٹی، ص ۱۲۹؛ محمد زرقانی شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۹۵۔

[24] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۶۲؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۹۵۔

[25] ابن جریر طبری، تاریخ الرسل الملوک، ج ۲، ص ۵۴۴۔

[26] ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۳، محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۹۶۔

اشارہ تھا کہ بنو مصطلق کے سردار حارث ابن ضرار نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کی انکی تیاری کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچی آپ نے معاملہ کی مزید تحقیقات کے لیے حضرت یزیدؓ بن خصیب کو بھیجا۔ وہ مدینہ واپس آئے اور اس خبر کو درست بتایا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ان کے اقدامات کو روکنے کے لیے آگے بڑھے۔ اور مریسیع کے مقام پر پہونچے۔ جو بنو مصطلق کے پاس ہے قبیلہ حارث کے لوگ تو بھاگ نکلے البتہ مریسیع کے باشندوں نے لڑائی کا قصد کیا۔ تھوڑی دیر کی معمولی جنگ کے بعد دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس جنگ میں بنو مصطلق کے دس آدمی مارے گئے اور ایک مسلمان نے بھی شہادت پائی۔ مسلمانوں نے کفار کے چھ سو آدمیوں کو قید کر لیا۔ مال غنیمت[۸] کے طور پر مسلمانوں کو دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ملیں۔ قیدیوں اور مال غنیمت کو مدینہ لایا گیا۔ گو کہ یہ لڑائی ایک معمولی قسم کی جھڑپ تھی لیکن پھر بھی اس دوران کچھ خاص قسم کے واقعات رونما ہوئے۔ جن کا یہاں پر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ ابن ہشام ابن عبد البر، ابن خلدون اور طبری وغیرہ کے مطابق یہ غزوہ شعبان ۶ ھ میں پیش آیا۔[۹] ہم نے یہاں پر ابن سعد اور ابن قیم الجوزی کا قول لیا ہے جس کو علامہ شبلی نعمانی نے بھی اختیار کیا ہے۔ ابن قیم الجوزی نے اپنے قول کی تائید میں کئی دلائل پیش کیے ہیں۔[۱۰]

اس غزوہ کے ذیل میں مندرجہ ذیل واقعات اہم ہیں:۔

(الف) عبداللہ ابن اُبی کی شرارت

عبداللہ ابن ابی جو منافقوں کا سردار تھا ہمیشہ اس تاک میں لگا رہتا تھا کہ اس کو کوئی ایسی بات ہاتھ لگ جائے جس سے وہ مسلمانوں میں اختلافات پیدا کرا سکے۔ وہ اور اس کے متبعین

---

۸ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۴؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۹۶۔

۹ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۸۹؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۶۰۴، ابن عبد البر الدرر، ص ۲۰۰؛ ابن خلدون، ج ۲، ص ۷۸۱۔

۱۰ زاد المعاد، ج ۲، (غزوہ مریسیع)۔ نوٹ:۔ امام بخاری نے ایک روایت موسیٰ ابن عقبہ کی نقل کی ہے جس کے مطابق یہ غزوہ ۴ ھ میں پیش آیا۔ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ بنی مصطلق۔

مختلف غزوات و سرایا میں محض اس لیے شریک ہوئے تھے کہ فتحیاب ہونے پر ان کو مالِ غنیمت ملے گا، اور ان مہموں کے دوران ان کو فتنہ اور شر و فساد پھیلانے کے مواقع بھی آئیں گے۔ اسی غزوہ کے دوران ایک مرتبہ ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان چشمہ سے پانی لینے پر کچھ معمولی سی تکرار ہوگئی۔ مہاجر نے اپنے مہاجرین بھائیوں کو اور انصاری نے انصار دوستوں کو مدد کے لیے پکارا۔ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ ہو کر لڑائی پر آمادہ ہوگئے۔ لیکن پھر کچھ مسلمانوں نے بیچ میں پڑ کر لڑائی کو روک دیا۔ عبداللہ بن ابی نے موقع کو غنیمت سمجھا اور انصار سے کہنے لگا: تم نے خود ہی یہ مصیبت مول لی ہے۔ ہم مہاجرین کو اپنی سرزمین سے باہر نکال دیں گے۔ اللہ کی قسم ہمارا اور ان کا معاملہ اس مثل کی طرح ہے: سمن کلبک یاکلک۔ یعنی "اپنے کتے کو موٹا کرتا کہ وہ تجھی کو کھا جائے"[۱۱]

یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ تک پہونچیں۔ حضرت عمرؓ بھی اس وقت موجود تھے انھوں نے آپؐ سے اجازت چاہی کہ وہ عبداللہ ابن ابی کا سر قلم کر دیں۔ مگر آپؐ نے ان کو ایسا کرنے سے روکا۔ اور فرمایا، "کیا تم یہ پسند کرو گے کہ لوگ کہیں، محمدؐ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں"[۱۲] عبداللہ ابن اُبی کا لڑکا ایک اچھا مسلمان تھا اور وہ اپنے والد کے نفاق سے واقف تھا وہ بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے والد کا سر قلم کرنے کی اجازت مانگی لیکن رحمت للعالمینؐ نے ان کو اس کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ یہ حکم دیا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ جب عبداللہ ابن اُبی کو مسلمانوں کے غصہ و ناراضگی کا علم ہوا تو وہ قسم کھا کر اپنے قول سے پھر گیا۔ جس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورہ منافقون آیت ۸)

---

[۱۱] ابن ہشام السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۸۹؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۰۵۔

[۱۲] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۹۱؛ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک — ج ۲، ص ۶۰۶؛ صحیح بخاری، جیسا کہ محمد زرقانی نے نقل کیا ہے؛ شرح المواہب اللدنیۃ ج ۲، ص ۲۰۱۔

ترجمہ:۔" اور یہ لوگ (منافقین) کہتے ہیں کہ اگر ہم اب مدینہ میں لوٹ کر جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دے گا۔ اور (یہ کہنا جہل محض ہے بلکہ) عزت تو اللہ ہی کے لیے اور اس کے رسولؐ کے لیے ہے اور مومنین کے لیے ہے۔ لیکن منافقین (اس حقیقت سے) واقف نہیں ہیں۔

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ سے نکاح

مدینہ منورہ پہونچنے پر مسلمانوں نے شریعت کے مطابق مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ جویریہؓ بنت حارث قبیلہ بنو مصطلق کے سردار کی صاحبزادی تھیں اور جنگی قیدیوں میں سے تھیں وہ ایک انصاری حضرت ثابتؓ ابن قیس[۱۳] کے حصہ میں آئیں حضرت جویریہؓ نے ان سے درخواست کی کہ وہ فدیہ کے بدلہ ان کو رہا کر دیں۔ حضرت ثابتؓ اس پر راضی ہو گئے۔ ان کو یہ یقین تھا کہ ان کے والد فدیہ کی رقم ادا کریں گے۔ اس معاملہ کو لے کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپؐ کی مدد کی خاطر حاضر ہوئیں دوسری طرف حضرت جویریہؓ کے والد حارث بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ وہ اپنی لڑکی کو باندی بنانا نہیں چاہتے بلکہ چاہتے ہیں کہ آپؐ ان کو آزاد کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ کو حضرت جویریہؓ پر چھوڑ دیا۔ اسی دوران حضرت جویریہؓ خود ہی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تاکہ آپؐ سے حضرت ثابتؓ ابن قیس کی عائد کردہ رقم فدیہ کو ادا کرنے کے لیے مدد کی درخواست کر سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم اس سے بہتر معاملہ پسند کرو گی۔ انھوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تمہارے فدیہ کی رقم اپنے پاس سے ادا کر دوں اور تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں؟ حضرت جویریہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشکش قبول کر لی[۱۴] اس

[۱۳] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ج ۲، ص ۲۹۵؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۱۰۔

[۱۴] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۱۷؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج۲، ص ۲۹۴ و ۲۹۵؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۱۰۔ مزید ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ[۱۸] (سورہ نور، آیت ۴)

ترجمہ: "اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں۔ تو ایسے لوگوں کو ۸۰ درے لگاؤ۔ اور ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ اور یہ لوگ فاسق ہیں۔

آیات برأت کے نزول کے بعد حضرت عائشہؓ بہت خوشی خوشی اپنے گھر تشریف لائیں۔ انھوں نے اس معاملہ میں بے مثال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ آپؓ کو صدیقہ کا لقب عطا کیا گیا۔ آپؓ کے والد حضرت ابوبکر کو الصدیق کا لقب پہلے ہی دیا جا چکا تھا

غزوۂ احزاب یا جنگ خندق

(شعبان / ذی قعدہ ۵ھ[۱۹]؛ فروری / مارچ ۶۲۷ء)

(الف) یہود کا عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اکسانا:-

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے خلاف مسلسل غزوات کر کے ان کو پسپا کر دیا یہاں تک کہ مدینہ بظاہر حملوں سے آزاد ہو گیا۔ اب مسلمان خوش تھے مالِ غنیمت کی وجہ سے ان کی معاشی حالت قدرے بہتر ہو گئی۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر کی زمینوں میں انھوں نے کاشتکاری شروع کر دی اور اچھی فصلوں سے مالا مال ہوئے۔ لیکن جنگ و جدال سے اطمینان و سکون کا یہ وقفہ بہت ہی کم دنوں تک باقی رہا۔

بنو نضیر اگرچہ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تھے لیکن انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت پھیلانے میں اپنی پوری کوشش جاری رکھی۔ ان کے سردار مکہ گئے اور انھوں نے اسلام دشمن قریشیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا[۲۰]۔ اسی طرح وہ لوگ بنو غطفان کے پاس

---

[۱۹] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۱۴؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۵؛ ابن جریر طبری حوالہ مذکورہ ج ۲، ص ۵۶۴۔

[۲۰] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۱۴ و ۲۱۵؛ ابن سعد حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۵ و ۶۶؛ ابن جریر طبری حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۵۶۵۔

بھی گئے۔ یہودیوں کے ان بڑے سرداروں کے نام یہ ہیں۔ سلّام بن ابی حقیق، حُیَیّ بن اخطب، کنعانہ بن ربیع وغیرہ[۲۱]۔ انھوں نے بنو غطفان سے وعدہ کیا کہ وہ اپنی خیبر کی پیداوار کا آدھا حصّہ انھیں مدینہ پر حملہ کے بدلہ میں دے دیں گے۔ بنو غطفان نے اپنے حلیف بنو اسد کو اور قریش نے اپنے حلیف بنو سلیم کو اس ناپاک مقصد کے لیے آمادہ کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ یہودی ایجنٹ پورے جزیرۂ عرب میں پھیل گئے اور انھوں نے تمام یہود اور کفار پر مشتمل ایک مشترکہ محاذ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تیار کیا۔ انتہائی خفیہ طریقہ پر انھوں نے اپنا یہ مشن جاری رکھا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو اس کی بالکل اطلاع نہ ہو سکی۔ یہود نے مشرکین عرب سے کہا کہ وہ اسلام پر ان کے مذہب کو ترجیح دیں گے۔ اور محمدؐ اور اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ جیسا کہ قرآنِ کریم نے اس کا انکشاف ان الفاظ میں کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ (سورہ نساء آیات ۵۱-۵۲)

ترجمہ: "کیا تونے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصّہ ملا ہے (پھر اس کے باوجود) وہ بُت اور شیطان کو مانتے ہیں۔ اور کفار کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ راہ راست پر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ملعون بنا دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو ملعون بنا دے اس کا کوئی حامی نہیں پاؤ گے۔"

کفار نے جنگ کے لیے کافی سرمایہ جمع کیا۔ چوں کہ یہودی عرب میں سب سے مالدار تھے اس لیے انھوں نے اس سرمایہ کا وافر حصّہ فراہم کیا۔ یہودیوں اور قریش کے علاوہ مندرجہ ذیل قبائل نے اس جنگ میں حصّہ لیا۔[۲۲]

غطفان، بنو مرہ، بنو فزارہ، اشجع، بنو سُلیم، بنو سعد، بنو اسد اور دوسرے کئی چھوٹے قبائل وہ مسلمانوں کا جزیرۃ العرب سے ہمیشہ کے لیے نام و نشان مٹانا چاہتے تھے۔ مؤرخین کی ایک بڑی تعداد

۲۱۔ ابن ہشام۔ السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۱۴۔

۲۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ۶۶؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ۔ ج ۲، ص ۲۱۵؛ شبلی نعمانی ــــ سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۲۰، ۴۲۰۔

کے مطابق اس متحدہ لشکر کی تعداد دس ہزار تھی[۴۳] جبکہ مورخین کی ایک دوسری جماعت کے مطابق یہ لشکر جرار ۲۴ ہزار سپاہ پر مشتمل تھا، لشکر کی تفصیل اس طرح ہے:۔

(۱) قریش دستہ ۔ اس کا کمانڈر ابو سفیان تھا یہ مندرجہ ذیل سپاہ پر مشتمل تھا:۔

(الف) چار ہزار پیادہ فوج جو ہتھیاروں سے پوری طرح لیس تھی

(ب) تین ہزار گھوڑ سوار جو بکتر بند تھے۔

(ج) پندرہ سو اونٹ جو سامان رسد سے لدے تھے

عثمان ابن طلحہ قریش کا علم بردار تھا۔

(۲) بنو فزارہ (غطفان کی ایک شاخ)۔ اس کا سردار عیینہ ابن حصن تھا جس کے تحت ایک ہزار اونٹ اور کئی سو سپاہی تھے۔

(۳) اشجع ۔ اس کا سردار معر ابن رخیلہ تھا۔ جس کے تحت چار سو سپاہ پوری طرح ہتھیاروں سے لیس تھے۔

(۴) بنو مرہ ۔ اس کا سردار حارث بن عوف تھا۔ اس کے تحت بھی چار سو مسلح سپاہ تھے۔

(۵) بنو سلیم ۔ اس کا سردار ابو سفیان بن عبد شمس تھا اس کی کمانڈ میں ہتھیاروں سے لیس سات سو سپاہ تھے۔

اس متحد فوج کا سردار ابو سفیان تھا۔[۴۴] جب یہ فوج مدینہ کی طرف روانہ ہوئی تو راستہ میں بنو سعد اور بنو اسد بھی (طلحہ بن خویلد الاسدی کی کمانڈ میں) اس فوج کے ساتھ شامل ہو گئے، اس طرح ان کی تعداد دس ہزار سے اوپر ہو گئی جو عرب کی تاریخ میں سب سے بڑی اور ناقابل شکن فوج تھی۔ درحقیقت جزیرۂ عرب نے ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ ان کو عرب کے مشرکین کی اخلاقی تائید بھی حاصل تھی ان کا منصوبہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے کا تھا۔

---

[۴۳] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۱۹؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۶۶؛ فتح الباری، ج ۷، ص ۳۰۱۔

[۴۴] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۔ ج ۲ ۔ ص ۶۶؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ ج ۲، ص ۱۲۱۔

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقدام:۔

دشمن کی تیاری کی اطلاع مدینہ منورہ آنا شروع ہوگئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس منصوبہ کی بروقت اطلاع مل گئی۔ کچھ مسلمان عربوں اور یہودیوں کے مشترکہ محاذ کی خبر سن کر کافی گھبرائے لیکن ان کا یقین اللہ تعالیٰ کی ذات پر تھا اور وہ لوگ اسی کو اپنے بندوں کا محافظ و نگراں سمجھتے تھے۔

معمول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ مشورہ میں آپؐ نے حضرت سلمانؓ فارسی جو کہ ایرانی تھے کی رائے کو پسند فرمایا۔ ان کی رائے تھی کہ مدینہ منورہ کے چاروں طرف ایک خندق کھود کر قلعہ بند ہوجانا چاہیے۔ مدینہ منورہ کے تین اطراف میں مکانات اور کھجور کے باغات تھے۔ جو شہر کے لیے ایک فصیل کا کام دے سکتے تھے۔ شہر کی ایک جانب کھلی ہوئی تھی اور وہی حصہ غیر محفوظ تھا۔ اسی طرف پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھودی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خندق کی نشاندہی کی، اور ایک عام مزدور کی طرح کام کیا۔ تین ہزار مقدس ہاتھوں کے ذریعہ یہ خندق مکمل ہوئی۔[۲۵]

سردی کی راتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے کبھی کبھی کئی کئی وقت بغیر کھائے ہوئے کام کیا۔ خندق کو کھودتے ہوئے اور اس سے نکلی ہوئی مٹی کو باہر پھینکتے ہوئے وہ حضرات قرآنِ کریم پڑھتے جاتے تھے اور کبھی کبھی ہم آواز ہوکر اشعار بھی پڑھتے جاتے تھے:۔[۲۶]

نحن الذین بایعوا محمدا ۔۔۔ علی الجہاد ما بقینا ابدا

ترجمہ:۔ ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے (اللہ کے راستہ میں) جہاد کرنے کی جب تک ہم بقید حیات ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مندرجہ ذیل الفاظ میں دعا کر رہے تھے۔

---

۲۵ شبلی نعمانی / سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۲۱۔

۲۶ ابن سعد ـــــ الطبقات الکبریٰ ـــــ ج ۲ ـــــ ص ۷۰۔ صحیح بخاری غزوۃ الاحزاب، صحیح مسلم۔

اللھم لاخیر الاخیر الآخرۃ　　فبارک فی الانصار والمہاجرۃ [۹۷]

ترجمہ: "اے اللہ بھلائی تو صرف آخرت کی بھلائی ہے تو انصار اور مہاجرین میں برکت دے۔"

آپ مندرجہ ذیل رجزیہ اشعار بھی پڑھتے جاتے تھے۔

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا　　ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا　　وثبت الاقدام ان لاقینا
ان الاولی وغبوا علینا　　اذا ارادوا فتنۃ ابینا [۹۸]

ترجمہ: "خدا کی قسم اگر اللہ ہمیں ہدایت نہیں دیتا تو نہ تو ہم صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے، (اے اللہ) تو ہمارے اوپر سکینہ نازل فرما۔ اور مقابلہ کے وقت ہمیں ثابت قدم رکھ۔ ہم وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی قوم ہمارے اوپر چڑھائی کرتی ہے اور فساد برپا کرتی ہے تو ہم (اس کے تسلط کا) انکار کرتے ہیں (یعنی ہم اپنی آزادی برقرار رکھتے ہیں۔)"

جب خندق کھودی جا رہی تھی صحابہؓ کے راستے میں ایک بڑی چٹان حائل ہوگئی جس کو کوئی شخص کاٹ نہیں سکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا تھا جس کی وجہ سے آپ نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ جب آپ کو اس چٹان کی اطلاع دی گئی تو آپ اسی حالت میں تشریف لائے اور کدال چٹان پر مارا جس سے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔[۹۹]

حضرت سلمانؓ ایک روایت میں نقل کرتے ہیں[۱۰۰] کہ جب وہ خندق کھود رہے تھے تو ایک چٹان حائل ہوگئی جس کو وہ توڑ نہ پائے یہ دیکھ کر آپ نے ان کے ہاتھ سے کدال لے لیا اور چٹان پر تین دفعہ مارا، ہر مرتبہ لوہے کے ٹکرانے سے ایک بڑی چنگاری نکلی۔ اور بالآخر وہ چٹان ٹکڑے ٹکڑے

---

۹۷ صحیح بخاری، غزوۃ الاحزاب؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۱۔

۹۸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۱۔

۹۹ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۱۷۔

۱۰۰ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ۲۱۹۔

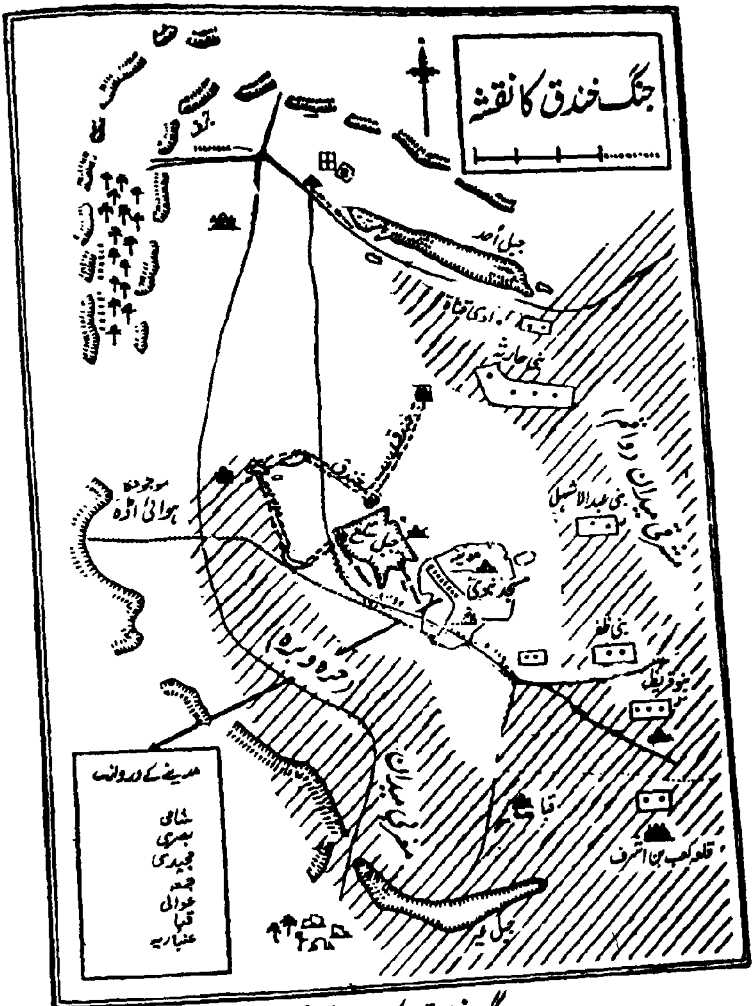
ہوگئی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمانؓ سے فرمایا کہ جب پہلی چنگاری نکلی تھی تو اُس نے آپ کو یمن پر فتح دی، جب دوسری چنگاری نکلی تو اس نے آپ کو شام پر فتح دی؛ اور جب تیسری چنگاری نکلی تو اللہ نے مشرق (سلطنت فارس) پر فتح دی؛ بعد میں یہ تمام پیشین گوئیاں اسی طرح پوری ہوئیں۔

(ج) مدینہ منورہ کا محاصرہ:۔

متحدہ لشکر ابوسفیان کی قیادت میں تیزی سے مدینہ منورہ کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ یہ لوگ اپنی تعداد کے نشہ میں دھت تھے۔ اور ڈھول پیٹتے ہوئے آ رہے تھے۔ انھوں نے اپنے ساتھ کچھ بتوں کو لے رکھا تھا جس کی قصیدہ خوانی کر رہے تھے۔ عورتیں بھی خوشی میں چلاتی ہوئی اس کے ہمراہ چل رہی تھیں۔ ان کا مصمم ارادہ تھا کہ مسلمانوں کو پوری طرح کچل دیں۔ لیکن جب وہ مدینہ منورہ کے پاس پہونچے تو ان کے تعجب کی یہ دیکھ کر کوئی انتہا نہیں رہی کہ شہر کے چاروں طرف ایک خندق کھدی ہوئی ہے۔ ان میں سے زیادہ تر لوگوں نے ابھی تک ایسی خندق نہیں دیکھی تھی۔ ان کے گھوڑے ہنہنانے لگے اور پیچھے ہٹنے لگے۔ اونٹوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ ان کے پاس کافی سامان رسد تھا اس لیے انھوں نے شہر کے چاروں طرف یہ کہہ کر محاصرہ ڈال دیا کہ جلد ہی محمدؐ اور آپؐ کے ساتھی بھوک سے مر جائیں گے اور بالآخر فتح ہماری ہوگی، مسلمانوں نے جن کی تعداد تین ہزار تھی[۳۱] دن و رات خندق کی حفاظت کی۔

بنو قریظہ کے یہودیوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ تھا۔ اس کے باوجود وہ آپؐ سے الگ رہے۔ بنو نضیر کے سردار، حُیَیّ بن اخطب نے ان کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی چنانچہ وہ بنو قریظہ کے سردار، کعب ابن اسد کے پاس گیا اور کہا کہ وہ اس متحدہ لشکر میں شامل ہو جائے۔ شروع میں کعب ہچکچایا۔ اور اس کو بتایا کہ بنو قریظہ کا محمدؐ کے ساتھ معاہدہ ہے اور وہ اس معاہدہ کو کبھی توڑنے پر تیار نہیں ہیں کیوں کہ اس نے محمدؐ کو ہمیشہ اپنے وعدہ کا پابند پایا ہے۔ لیکن حُیَیّ کا جادو ان پر اثر کر گیا۔ اور وہ متحدہ لشکر کے ساتھ ایک بڑے انعام کی لالچ میں مل جانے پر تیار

۳۱۔ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۷۰؛ ابن ہشام السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۳۰۔



جنگ خندق کے میدان کا نقشہ

ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو آپؐ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہؓ کو بنو قریظہ کے پاس ان کا معاہدہ یاد دلانے کے لیے بھیجا۔ لیکن یہودیوں نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے کہ محمدؐ کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے[۳۲]۔ متحدہ لشکر بنو قریظہ کے اس غدارانہ رویہ کو سن کر بڑے خوش تھے۔ اس حادثہ سے مسلمانوں کو فطرۃً دکھ پہونچا۔ منافقین جو اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، انھوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور یکے بعد دیگرے اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے لگے[۳۳] جیسا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ۝ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝ وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ۝ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۝ (احزاب آیات ۱۰-۱۵)[۳۴]

ترجمہ: ـ جب کہ وہ لوگ تم پر آ چڑھے تھے اوپر کی طرف سے بھی اور نیچے کی طرف سے بھی اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے منھ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے اس موقعہ پر مسلمانوں کا امتحان کیا گیا اور ان کو سختی سے جھنجھوڑا گیا۔ اور جب کہ منافقین جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے تو اللہ اور اس کے رسول نے محض دھوکہ کا ہی وعدہ کر رکھا ہے اور جبکہ ان میں کے بعض لوگوں نے کہا کہ اے یثرب کے لوگو تمہارے لیے ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے تم لوٹ چلو۔ اور بعض لوگ ان میں نبیؐ سے اجازت مانگتے تھے کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں یہ محض بھاگنا ہی چاہتے ہیں اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے ان پر کوئی آ گھسے پھر ان سے فساد کی درخواست کی جائے

---

۳۲ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۷۲؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۲۲۔

۳۳ ابن جریر طبری، ایضاً؛ ابن ہشام، ایضاً۔

تو، اس کو منظور کرلیں۔ اور ان گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ سے عہد کر چکے ہیں کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی۔"

یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ رہا۔ مسلمانوں کے پاس کافی مقدار میں سامانِ رسد نہیں تھا اور بعض مرتبہ ان کو کئی کئی دن مسلسل بغیر کھائے گذر کرنا پڑتا تھا۔ وہ اپنے پیٹوں پر پتھر باندھ لیتے تھے ایک صحابیؓ نے جب آپؐ سے بھوک کی شکایت کی تو آپؐ نے اپنا پیٹ کھول کر ان کو دکھایا جس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

محاصرہ کے دوران تین مشہور شہسوار عمرو بن عبدِ وُد، جبیرہ اور ضرار بن خطاب خندق کو پار کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ عمرو بن عبدِ وُد عرب کا مشہور پہلوان تھا اور اس کی طاقت ایک ہزار گھوڑسواروں کے برابر سمجھی جاتی تھی سب سے پہلے اسی نے خندق پار کی۔ اور مسلمانوں کو مقابلہ کی دعوت دی۔ حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور اسکے چیلنج کو قبول کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر کہ عمرو بن عبدِ وُد ہے ان کو بٹھا دیا۔ عمرو نے دوبارہ مقابلہ کی دعوت دی۔ حضرت علیؓ نے پھر قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو پھر دوبارہ بٹھا دیا۔ تیسری بار بھی ایسے ہی ہوا تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو اجازت مرحمت فرما دی اور ان کو ایک تلوار دی اور ان کے سر پر عمامہ باندھا۔[۳۴] نوجوان علیؓ کو دیکھ کر عمرو چلایا، "میں تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا" مگر حضرت علیؓ نے فرمایا "میں پسند کرتا ہوں کہ تجھے قتل کر دوں" پھر ان دونوں میں مقابلہ ہوا اور حضرت علیؓ نے اس کو پہلے ہی بار میں قتل کر ڈالا۔[۳۵] عمرو بن عبدِ وُد کے قتل کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حضرت علیؓ پر حملہ کیا مگر وہ دونوں بھی پیچھے ہٹ گئے۔ ایک اور کافر نوفل خندق کو پار کرنے کی کوشش میں اس میں گر گیا۔ مسلمانوں نے اس پر تیر برسائے تو اس نے باعزت موت کی درخواست کی۔ حضرت علیؓ خندق کے اندر تشریف لے گئے اور اس کو قتل کر دیا۔ یہ لڑائی کا سب سے سخت دن تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی بعض نمازیں بھی قضا ہوگئیں[۳۶] کیونکہ

---

۳۴ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۶۸۔

۳۵ ابن کثیر، سیرت، ج ۳، ص ۲۰۲، ۲۰۳؛ ابن قیم، زاد المعاد۔

۳۶ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۲۰؛ مزید ملاحظہ ہو شرح المواہب اللدنیۃ از محمد زرقانی۔

کفار کے ذریعہ زبردست تیروں کی بارش ہو رہی تھی جس سے مسلمانوں کو اپنا مورچہ چھوڑنے کا موقع نہ مل سکا مزید براں انھوں نے خندق کو پار کرنے کی ناکام کوششیں بھی کی تھیں۔

بنو قریظہ کے کسی ممکن حملہ کے خطرہ کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمیٰؓ ابن اسلم کو دو سو گھوڑ سواروں کے ساتھ اس طرف تعینات کر دیا تھا۔ وہ قلعہ جس میں مسلمان عورتوں کو بحفاظت رکھا گیا تھا، بھی بنو قریظہ کی آبادی کے قریب تھا۔ جب یہود نے یہ دیکھا کہ مسلمان لڑائی میں مصروف ہیں تو انھوں نے اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے ایک یہودی جاسوس کو قلعہ کے پاس دیکھا اور حضرت حسانؓ سے جو کہ قلعہ کی نگرانی کے لیے مقرر تھے کہا کہ وہ اس جاسوس کو قتل کر دیں، لیکن وہ اپنی کسی معذوری کی بنا پر قتل کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہوئے۔ اس بے بسی کے عالم میں حضرت صفیہؓ نے خیمہ کا ڈنڈا اٹھایا اور اس کے سر پر زور سے دے مارا یہ یہودی عورتوں کی جاسوسی کرنے کے لیے آیا تھا۔ چوٹ کی تاب نہ لا کر یہودی مرگیا[۳۷]۔ پھر حضرت صفیہؓ نے اس کا سر کاٹا اور یہودیوں میں خوف وہراس پیدا کرنے کے لیے قلعہ کے باہر اس کو پھینک دیا۔

محاصرہ جتنا طول کھینچ رہا تھا اتنا ہی محاصرین بددل ہو رہے تھے۔ اتنے بڑے لشکر کے لیے سامان رسد کا مہیا کرنا ایک بڑا مسئلہ تھا جو قبیلے قریش کے ساتھ تعاون کر رہے تھے وہ بھی ہمت ہار بیٹھے تھے[۳۸]۔

غطفان قبیلہ کے سرداروں میں سے ایک سردار نعیم ابن مسعود ثقفی نے اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن کفار اس بات سے واقف نہیں تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ کفار محاصرہ ختم کر کے واپس چلے جائیں۔ اس نے ان حالات کا فائدہ اٹھا کر قریش اور یہود سے الگ الگ اس طرح بات کی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے۔ خاص اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے بارش اور زبردست طوفان سے مسلمانوں کی مدد کی۔ طوفان اتنا تیز تھا کہ قریش کے خیمے اکھڑ گئے۔ چولھے پر رکھے ہوئے ان کے دیگچے الٹ گئے[۳۹]۔

---

۳۷ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۲۹؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ج ۲، ص ۲۲۸۔

۳۸ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۲۹ تا ۲۳۱۔

۳۹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۰؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۳۲؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل

اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسا کہ قدرت ان کے مقابلہ پر آگئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کو غیبی فوج سے تعبیر کیا ہے ؛۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ (سورہ احزاب ۳۳، آیت ۹)

ترجمہ :۔ "اے ایمان والو اپنے اوپر اللہ کا انعام یاد کرو جب تم پر بہت لشکر چڑھ آئے تھے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج بھیجی جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھی اور اللہ اس کو دیکھتا تھا جو کچھ تم کرتے تھے"۔

بنو قریظہ نے میدان چھوڑ دیا۔ اور اپنے گڑھی میں قلعہ بند ہو گئے۔ بنو غطفان بھی واپس چلے گئے۔ بالآخر قریش کی تمام امیدیں ٹوٹ گئیں اور راتوں رات انھوں نے بھی اپنا بوریا بستر باندھ کر کوچ کر دیا۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ (الاحزاب ۳۳، آیت ۲۵)

ترجمہ :۔ "اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے سخت غصہ کی حالت میں ہٹا دیا اور ان کی کوئی بھی مراد پوری نہیں ہوئی۔ اور جنگ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے آپ ہی کافی ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا زبردست ہے"۔

اس طرح یہ اندھیرے بادل صاف ہو گئے اور امن و سکون کا سورج دوبارہ نمودار ہوا۔ اسلام کے خلاف سب سے زبردست جنگ پوری طرح ناکام ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ اپنے گھروں کو واپس آئے اور دشمن کی روانگی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

بنو قریظہ کی غداری :۔

یہودی قبائل میں صرف بنو قریظہ ہی مدینہ منورہ کے اطراف میں باقی رہ گئے تھے۔ اب تک انھوں نے مسلمانوں کے خلاف کسی غداری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے معاہدہ کی دوبارہ تجدید بھی کر لی تھی۔ لیکن غزوۂ خندق

میں انھوں نے اس معاہدہ کے باوجود کہ اگر مدینہ کے اوپر باہر سے چڑھائی کی گئی تو وہ آپؐ کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے[۱۴۰] آپؐ کے اور مسلمانوں کے ساتھ غداری کی۔

غزوۂ احزاب کے شروع میں بنو قریظہ مسلمانوں سے جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے[۱۴۱]۔ شروع میں جب بنو نضیر (جس یہودی قبیلہ کو جلا وطن کر دیا گیا تھا) اور دوسرے یہودیوں نے جب ان سے مسلمانوں کے خلاف متحدہ لشکر میں شامل ہونے کو کہا تھا تو انھوں نے انکار کر دیا تھا۔ لیکن بعد میں بنو نضیر نے ان کو بتایا کہ قریش کو شامل کر کے عرب کے تمام قبائل مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر ان پر حملہ کر رہے ہیں اور مسلمان اس زبردست حملہ کی تاب نہ لا کر یقیناً صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ اس لیے بنو قریظہ سے کہا گیا کہ یا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر خود بھی ختم ہونے کو تیار ہو جائیں یا پھر دوسرے قبائل کا ساتھ دیں اور مسلمانوں پر حملہ کے سلسلے میں اپنے حصہ کے مطابق ان کی یعنی کفار کی مدد کریں۔ بنو قریظہ نے اس دوسری تجویز کو اختیار کیا اور مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاہدہ کو توڑ کر اسلام دشمن متحدہ لشکر میں ہونے کا وعدہ کیا اور جنگ احزاب میں ان کی مدد کی۔ وہ منافقین کے ساتھ مل کر جنگ خندق کے دوران مدینہ منورہ کے مسلمانوں کے لیے ایک بڑا خطرہ ثابت ہوئے ان میں سے کچھ نے جنگ میں شرکت بھی کی، قرآنِ کریم کہتا ہے۔

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ (الاحزاب ۳۳، آیت ۲۶)

ترجمہ:- "اور جن اہلِ کتاب نے (یہودیوں نے) ان کی (متحدہ لشکر کی) مدد کی"

ابن خلدون لکھتا ہے، "بنو قریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے حُیَیّ ان کے پاس آیا اور اس نے ان کے اندر (مسلمانوں کے خلاف) دشمنی پیدا کر دی، اس لیے انھوں نے معاہدہ کو توڑ دیا۔ اور متحدہ لشکر کے ساتھ مل گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے سعدؓ ابن معاذ، سعدؓ بن عبادہ، خوان ابنؓ جبیر اور عبداللہؓ ابن رواحہ کو حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے ان کو کھلا ہوا غدار پایا اور آپؐ کو برا بھلا کہتے ہوئے سنا"[۱۴۲] ابن عبد البر اور دوسرے

[۱۴۰] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۵۰۳ و ۵۰۴۔

[۱۴۱] ملاحظہ ہو۔ الدرر از ابن عبد البر، ص ۱۸۱، ابن عبد البر نے بنو قریظہ کے سردار کعب ابن اسد اور یہودیوں کے ایک دوسرے سردار حُیَیّ بن اخطب کا مکالمہ نقل کیا ہے جو اس حقیقت پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو زاد المعاد از ابن قیم

[۱۴۲] ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۷۴۔

مؤرخین کے مطابق اس موقعہ پر بنو قریظہ نے یہ بھی کہا کہ ہم آپ کے (رسول اللہؐ کے) ساتھ کوئی معاہدہ نہیں رکھتے[۴۳]۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ بھی کیا تھا یہی نہیں بلکہ انھوں نے جنگ احزاب کے بعد حُیَیّ ابن اخطب کو پناہ دی جو اسلام کا بد ترین دشمن تھا اور جس نے عرب کے مختلف قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا تھا، اور اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ قریش کے ساتھ جنگ میں شامل ہو جائیں[۴۴]۔ اس حالت میں جبکہ تقریباً ۲۴ ہزار کا لشکر خندق کے دوسری طرف اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے اپنا پورا دباؤ ڈال رہا تھا۔ اور منافقین اندرونی طور پر فتنہ و فساد برپا کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے، بنو قریظہ کی غداری نے مسلمانوں کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس غداری کی سزا ضرور ان کو ملنا چاہیے تھی۔

بنو قریظہ کی سزا (ذی قعدہ ۵ھ[۴۵]، مارچ/اپریل ۶۲۷ء)

جنگ خندق کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر واپس آئے تو حضرت جبریلؑ آپ کے پاس تشریف لائے[۴۶] اور آپ سے کہا کہ آپ بنو قریظہ جائیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ہتھیار نہ اتاریں بلکہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں ادا کریں[۴۷]۔ مسلمان بہت ہی زیادہ تھکے ہوئے تھے وہ آرام کرنا چاہتے تھے لیکن اس کے بعد انھوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ سہیلی کے مطابق کچھ مسلمانوں کو دیر ہو گئی اور وہ عشاء کے بعد بنو قریظہ پہونچے۔ ان کو عصر کی نماز راستے ہی میں پڑھ لینا

---

۴۳ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۸۲؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۲۰ تا ۲۲۳۔

۴۴ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۲۵؛ ابن عبدالبر نے حُیَیّ ابن اخطب اور کعب ابن اسد کے درمیان ہونے والے مکالمہ کو بھی نقل کیا ہے جس میں حُیَیّ ابن اخطب نے کعب سے درخواست کی تھی کہ اگر متحدہ لشکر جنگ کے بعد واپس ہو گیا تو وہ اس کے پاس ٹھہرے گا؛ الدرر، ص ۱۸۲۔

۴۵ ابن سعد، الطبقات، ج ۲، ص ۷۴۔

۴۶ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۳۳؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۷۴؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۲۶ و ۱۲۷؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۸۸؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۷۷۔

۴۷ زیادہ تر مؤرخین و محدثین بشمول بخاری اس پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے عصر کی نماز وہاں ادا کی۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۳۴؛ عبدالرحمٰن سہیلی، الروض الانف، ج ۲، ص ۱۹۵؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۸۹؛ محمد زرقانی، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۲۹؛ ابن حزم، السیرۃ النبویۃ۔

چاہیئے تھی لیکن انھوں نے آپؐ کے حکم کی تعمیل میں عصر کی نماز عشاء کی نماز کے بعد پڑھی [۴۸]۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ وہاں پہونچے تو یہودیوں نے آپؐ کو گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ حضرت علیؓ نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچائی۔ آپؐ بذات خود ان سے بات چیت کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے لیکن انھوں نے آپؐ کے کسی قسم کی مصالحت کی بات کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ ان کے قلعو کا محاصرہ کرلیں۔ یہ محاصرہ تقریباً ۲۰ دن تک جاری رہا [۵۰]۔

محاصرہ کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان سے گفت و شنید کی کوشش کی مگر یہ کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی۔ جب کعب ابن اسد کو یہ احساس ہوا کہ معاملہ نمٹنے سے پہلے آپؐ محاصرہ ختم نہیں کریں گے تو اس نے اپنے ساتھیوں کو ایک دن مخاطب کیا اور کہا "اے یہودیو! تم دیکھ رہے ہو کہ تم پر کیسی مصیبت آئے گی۔ میں تمہارے سامنے تین تجاویز پیش کرتا ہوں جس کو چاہو تم اختیار کر لو۔ پہلی یہ کہ ہم اس شخص کی اتباع کریں۔ اور اس کو سچا مانیں کیونکہ خدا کی قسم یہ بات تم پر عیاں ہو چکی ہے کہ وہ ایک نبی برحق ہے جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے اور یہ وہی ذات ہے جس کا تذکرہ تم اپنی کتابوں میں پاتے ہو۔ اس صورت میں تمہاری جان، تمہارا مال، تمہاری عورتیں اور بچے محفوظ رہیں گے۔ انھوں نے کہا۔ "ہم کبھی توریت کے قوانین کو نہیں چھوڑیں گے اور نہ ہی کبھی اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا قانون اختیار کریں گے۔" پھر کعب نے کہا کہ اگر تم پہلی تجویز قبول نہیں کرتے ہو تو میں تمہارے سامنے دوسری تجویز پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے بیوی بچوں کو ختم کر دیں اور ہمارے مرد تلواریں لے کر محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ میں نکل آئیں اور پوری طرح ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ یہاں تک کہ خدا ہمارے اور محمدؐ کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اگر ہم ختم ہو گئے تو ایسی صورت میں ہمیں اپنے پس ماندگان کی کوئی فکر نہ رہے گی۔ اور اگر ہم فتح یاب ہوئے تو ہم پھر دوسری بیویاں اور بچے حاصل کر سکتے ہیں۔ یہودی نے جواب دیا کہ کیا ہم اس کمزور مخلوق کو مار کر اپنی زندگی کو بے کیف بنالیں ان

---

۴۸ عبدالرحمٰن سہیلی، حوالہ مذکورہ، ج ۲ ص ۱۹۵؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۳۵۔

۴۹ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ۔ ج ۲، ص ۲۳۴؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۸۹۔

۵۰ ابن عبدالبر، الدرر، ۱۸۹ (ابن ہشام کے مطابق محاصرہ ۲۵ دن رہا: السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۲۵۔

کے مرجانے کے بعد ہماری زندگی میں کون سی خوشی باقی رہ جائے گی۔ پھر کعب نے کہا کہ اگر تمہیں دوسری تجویز بھی پسند نہیں تو پھر تیسری تجویز میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اس پر غور کرو۔ آج سبت (سنیچر) کی رات ہے۔ محمدؐ اور ان کے ساتھی آج کی رات ہماری طرف سے اپنے کو محفوظ سمجھیں گے۔ اس لیے ہم اچانک ان پر حملہ کر دیں۔ یہودیوں نے کہا: "تو کیا ہم اپنے سبت کی بے حرمتی کریں اور سبت کے موقع پر وہ کام کریں جن کو ہم سے پہلے لوگوں نے کیا اور وہ بندر بنا دیئے گئے!" اس کے بعد کعب ابن اسد نے کہا: تم میں سے کوئی بھی آدمی جب سے پیدا ہوا ہے، ایک رات بھی ایسی نہیں گذار سکا جس میں جو کچھ کرنا ہے اس کا عزم کر چکا ہو۔[۵۱]

پھر انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپؐ حضرت ابولبابہؓ کو ان کے پاس بھیج دیں تاکہ وہ ثالث کا کام ان کے درمیان انجام دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہود کے پاس جانے کا حکم دیا۔ جب وہ ان کے پاس پہونچے تو یہود نے ان سے مشورۃً پوچھا کہ کیا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق قلعوں سے اتر جائیں۔ ابولبابہؓ نے کہا ہاں لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ قلعوں سے اترنا بس ذبح ہو جانا ہے۔[۵۲]

لیکن جلد ہی حضرت ابولبابہؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ انھوں نے ایسا کر کے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کے بجائے سیدھے مسجد نبوی گئے، اور مسجد کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا۔ (اس وقت سے اس کھمبا کو عمودِ ابولبابہؓ کے نام سے جانا جاتا ہے۔) اور انھوں نے اس بات کی قسم کھائی کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان کی اس غلطی کو معاف نہیں کر دے گا وہ اپنے آپ کو کھمبے سے باندھے رہیں گے۔[۵۳] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کی خبر ملی کیونکہ آپؐ ان کا کافی دیر سے انتظار کر رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر وہ سیدھے اس غلطی کے ارتکاب کے بعد میرے پاس آتے تو میں ان کے لیے خدا سے معافی کی درخواست

---

[۵۱] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۳۵ و ۲۳۶؛ ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، (انگریزی ترجمہ از گلوم)، ص ۴۶۱ و ۴۶۲؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۱۸۹ و ۱۹۰۔

[۵۲] ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۲۳۶؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۱۹۰؛ ابن حزم، حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۵۔

[۵۳] ابن عبد البر، الدرر، ص ۱۹۰؛ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲ ص ۲۳۷؛ ابن حزم، حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۵۔

کرتا لیکن اب جبکہ انھوں نے یہ بات اختیار کرلی ہے تو میں اس معاملہ کو اسی طرح چھوڑتا ہوں یہاں تک اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے۔[۵۴]

آخرکار ایک صبح جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ مندرجہ ذیل آیت حضرت ابو لبابہؓ کی معافی کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (سورہ انفال، آیت ۲۷)

ترجمہ:۔ "اے ایمان والو تم اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت مت کرو اور نہ ہی امانتوں کے اندر خیانت کرو اور تم (اس کی مضرت) جانتے ہو۔"

ابن حزم اور دوسرے مؤرخین کے نزدیک حضرت ابو لبابہؓ نے اپنے کو سات دن تک کھمبے سے باندھے رکھا۔ اس مدت میں انھوں نے صرف نماز کے لیے۔ (اپنی بیوی کے ذریعہ) اپنے آپ کو کھولا۔[۵۵]

جب امید کے سارے راستے مسدود ہو گئے تو یہودیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ معاملہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ کے سپرد کر دیا جائے۔ وہ جو فیصلہ کریں گے ہم مان لیں گے، حضرت سعدؓ بن معاذ اور قبیلہ اوس کے لوگ بنو قریظہ کے حلیف تھے۔ عرب میں حلیف کے رشتہ کی پاسداری خونی رشتہ سے بھی زیادہ کی جاتی تھی۔ حضرت سعدؓ بن معاذ جنگ میں سخت زخمی ہو گئے تھے اور بستر پر پڑے تھے لیکن پھر بھی انھوں نے اس پیش کش کو قبول کرلیا اور یہ شرط رکھی کہ دونوں فریق ان کے فیصلہ کو مان لیں گے۔ جب سعدؓ تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا "تم سب اپنے لیڈر کی تعظیم میں کھڑے ہو جاؤ۔"[۵۶]

حضرت سعدؓ نے توریت جو کہ یہودیوں کی مذہبی مقدس کتاب ہے کے مطابق اپنا فیصلہ دیا فیصلہ کے مطابق ان تمام لوگوں کو جو لڑنے کے قابل تھے قتل کی سزا دی گئی تھی اور عورتوں اور بچوں

---

[۵۴] ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (انگریزی ترجمہ از گلوم)، ص ۴۶۲۔

[۵۵] ابن حزم، السیرۃ النبویۃ، ص ۱۳۵۔

[۵۶] ابن عبد البر، حوالہ مذکورہ، ص ۱۹۲؛ ابن حزم، السیرۃ النبویۃ، ص ۱۳۶۔ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۳۴۔

کو باندھی و غلام بنالیا گیا تھا۔ اور یہودیوں کی تمام دولت وجائداد ضبط کرلی گئی تھی۔[۵۵] فیصلہ کا فوراً نفاذ کیا گیا۔ ان کی دولت اور جائداد مسلمانوں میں تقسیم کردی گئی۔ یہ فیصلہ بظاہر سخت اور غیر منصفانہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ وہی قانون ہے جس پر یہود عمل پیرا تھے تو ریت میں ہے :۔

"جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہونچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگذار بن کر تیری خدمت کریں۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا، اور جب خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضہ میں کردے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا، لیکن عورتوں اور بال بچوں نیز چوپایوں اور شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا، اور تم اس دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے دی ہو کھانا۔"

(استثنا۔ باب ۲۰ آیات ۱۰ تا ۱۵)

اگر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنایا ہوتا تو شاید ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا گیا ہوتا۔ اور اگر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت معافی مانگ لی ہوتی جب آپ ان کے پاس تشریف لے گئے تھے تو شاید وہ معاف کر دیئے گئے ہوتے لیکن ان کو اپنے مضبوط قلعے اور طاقت پر گھمنڈ تھا جس کی وجہ سے وہ گستاخی پر تل آئے تھے۔ اور آپ کو قتل تک کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ حضرت سعدؓ کا ایسے غداروں اور جاسوسوں کے حق میں مندرجہ بالا فیصلہ بالکل حق بجانب تھا۔ موجودہ زمانہ میں بھی ایسے مجرمین کو یہی سزا دی جاتی ہے۔ اگر غداروں اور جاسوسوں کے قتل کی سزا کو غیر قانونی قرار دے دیا جائے تو دنیا سے امن و امان اٹھ جائے گا۔

محققین کا بنو قریظہ کے انجام پر تبصرہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہیں، "بنو قریظہ نے خود ہی اپنا حکم مقرر کیا تھا جس نے ٹھیک اسی طرح فیصلہ کیا جو کہ استثنا (توریت) میں ہے۔ یہ فیصلہ سن کر آپ نے صرف اتنا فرمایا

[۵۵] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲ ص ۲۴۰؛ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج ۲، ص ۵؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۱۹۲۔

"اللہ نے ساتویں آسمان کے اوپر اس کو مقدر کر رکھا تھا۔" اگر یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رحم کی درخواست کرتے تو ان کے ساتھ زیادہ نرمی کا برتاؤ کیا جاتا لیکن انھوں نے خود ہی اپنے ایک پرانے حلیف جو کہ ایک عام مسلمان تھے کو اس کام کے لیے منتخب کیا اور مسلمان اس وقت یہودیوں سے بہت زیادہ ناراض تھے۔ اس سے پہلے وہ بنو نضیر کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کر چکے تھے۔ جنھوں نے احسان مند ہونے کے بجائے محاصرہ خندق کو منظم کیا۔ اور محاصرہ سے کچھ ہی دن پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ہفتہ کے لیے ایک معمولی فوج کے ساتھ دُومۃ الجندل جانے پر بھی مجبور کیا۔ لیکن اتفاق سے آپ اس مکر و فریب کے جال سے بچ گئے اور مدینہ منورہ عین وقت پر پہونچ گئے تاکہ محاصرین کی دفاع میں تیاری کر سکیں۔ خندق کے محاصرہ کے دوران بھی بنو قریظہ جو کہ مدینہ میں مقیم تھے نے مسلمانوں کی پشت میں خنجر بھونکنے کی کوشش کی۔ وینسنک بھی جو کہ دوسرے معاملات میں مسلمانوں کے خلاف معاندانہ نظریہ رکھتا ہے اقرار کرنے پر مجبور ہے ۔(cf Der Islam, Vol. 2, p.28-) کہ اس سے قبل بنو نضیر کے یہودیوں کے ساتھ جس نرمی کا سلوک کیا گیا تھا اس کا الٹا اثر ہوا اور کوئی بھی مدبر اس غلطی کا دوبارہ ارتکاب نہیں کر سکتا تھا۔" [۵۸]

سید امیر علی تحریر کرتے ہیں:۔

"یہ انسانی فطرت ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی سخت مجرمانہ عمل کرے لیکن جب اس سے سختی سے نمٹا جاتا ہے تو ہمارے ذہنوں کو (منصفانہ سختی) بھی ظالمانہ اور زیادہ سخت معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے جذبات کا ردِ عمل ہوتا ہے۔ اور انصاف کے جذبات کے نتیجہ میں دلوں میں رحم آ ہی جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نقطۂ نظر سے بھی بنو قریظہ کی سزا سخت تھی، لیکن ہم اس پر کس طرح افسوس کریں کہ خود انہی کی درخواست پر ان کا یہ انجام ہوا تھا، انھوں نے اپنی قسمت کا فیصلہ ایک مشتعل فوجی کے حوالہ کر دیا تھا۔ ہم اس پر کتنا ہی افسوس کریں کہ اس شخص کا فیصلہ اس طرح عمل میں آیا لیکن ہمیں رحمدلی کے جذبات میں یہ نہیں بھول جانا چاہیے کہ مجرمین کے

---

۵۸ M. Hamidullah. Muslim Conduct of State, pp. 240-41 (para 497).

حق میں انصاف کا کیا تقاضہ ہے۔ ہمیں اپنے ذہن میں ان جرائم کو یاد کرنا چاہئیے جو ان سے سرزد ہوئے تھے۔ ان کی غداری وخصومت ان کا معاہدے سے پھر جانا جس کی وجہ سے وہ ایک پاکیزہ بندھن سے بندھے ہوئے تھے۔ ہم کو یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ جیھوواہ داحد (عبرانی میں خدا کا نام) کے ان عبادت گذاروں نے مشرک عربوں کو ان کی بُت پرستی پر قائم رہنے کا بھی لالچ دیا تھا۔ کچھ مسلمان شاید عیسائی اخلاق پرستوں کے اثر سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ "ایک بدمعاش کو ختم کر دینا اس سے سوگناہ زیادہ بہتر ہے کہ دوسرے بے گناہ لوگوں کو اس کی صحبت کی ترغیب دی جائے۔"

(cf. Arnold's Sermons, 4th Sermon, "Wars of The Israelites" pp. 35, 36).

کچھ مسلمان بنو قریظہ کی سزا کو شاید اسی نگاہ سے دیکھیں جس نگاہ سے کارلائل نے کروم ویل کے حکم کو دیکھا جبکہ اس نے ڈروگ ہیڈ کے آئرش باشندوں کا قتلِ عام کیا تھا "ایک مسلح فوجی جو اپنے آپ کو پہچانتا ہو اور جو اپنے آپ کو ایک منصف خدا کا سپاہی سمجھتا ہو۔ ایک ایسا احساس جو تمام سپاہیوں اور تمام آدمیوں میں ہمیشہ رہا ہو۔ ایسا مسلح سپاہی موت جیسا خطرناک، قیامت جیسا ہولناک ہو کر اللہ کے فیصلہ کو اللہ کے دشمنوں پر نافذ کر رہا ہے۔"

سید امیر علی مزید لکھتے ہیں :-

"بہر حال ہم یہودیوں کو دی گئی سزا کو مندرجہ بالا نقطہائے نظر سے دیکھنے کے پابند نہیں ہیں۔ ہم اس کو صرف اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ یہ سزا قوانین جنگ کے مطابق دی گئی جس سے دنیا کی تمام قومیں واقف ہیں یعنی جنگی اصولوں پر پوری طرح عمل درآمد جو کہ ان دونوں میں رائج تھے۔"

(cf. An Observation of Grate, Hist. of Greece., Vol.VI, p.499).[۵۹]

---

[۵۹] S. Ameer Ali, The Spirit of Islam, pp. 80-81

سید امیر علی کی تحقیق کے مطابق جن لوگوں کو قتل کیا گیا تھا ان کی تعداد دو سو یا ڈھائی سو سے زیادہ نہیں تھی[۶۰] وہ مزید تحریر کرتے ہیں: "(جو یہودی قتل کیے گئے تھے ان کی) تعداد کو شمار کرنے میں غلطی غالباً اُن کو (یعنی مقتولین کو) جنگی قیدیوں سے خلط ملط کرنے سے ہوئی ہے جو کہ مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے"[۶۱]

لین پول لکھتا ہے: "یہ ایک سخت اور خونی سزا تھی...... لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان لوگوں کا جرم اسٹیٹ (حکومت) کے خلاف اس زمانے میں اعلیٰ پیمانے کی بغاوت تھی جبکہ وہ محاصرہ کی حالت میں تھی جن لوگوں نے ویلنگٹن کی فتوحات کو پڑھا ہے کہ کس طرح باغیوں اور تاخت و تاراج کرنے والوں کی لاشیں درختوں سے ٹنگی ہوئی تھیں، وہ لوگ اس غدار قبیلہ کو قتل کرنے کی سزا دیے جانے پر تعجب نہیں کریں گے"[۶۲]

یہودیوں کے طرزِ عمل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بامروت برتاؤ پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈبلو منٹگمری واٹ لکھتا ہے: "یہودی عام طور پر قرآن پر زبانی تنقید کر کے اسلام اور پورے مسلم معاشرہ کی بیخ کنی کر رہے تھے۔ وہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو اور مخالفوں کو بشمول منافقین سیاسی مدد بھی پہونچا رہے تھے۔ جب تک یہودی اپنی ان سرگرمیوں سے باز رہے (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ میں بغیر پریشان کیے رہنے کی اجازت دی"[۶۳]

آخر میں ہم سید امیر علی کی رائے پھر نقل کرتے ہیں۔ وہ تحریر کرتے ہیں: "کچھ لوگ

---

۶۰ S. Ameer Ali, The Spirit of Islam, p.82

۶۱ A Critical Examination of The Life And Teachings of Muhammad, p.113 (as quoted in The "Life of Mohammad" by a Learned Mohammedan, p.198).

۶۲ لین پول، "Selections from The Koran", Introd. p. LXV (as quoted in "The Spirit of Islam", by S. Amir Ali, p.80)

۶۳ ڈبلو منٹگمری واٹ، Muhammad, The Prophet And Statesman, 'p. 175.

بادشاہ ڈیوڈ (داؤد) کے قتل عام کا 'Lights of his time' کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہیں۔ بہت سے المناک قتل عام کو بھی جو کہ عیسائیوں نے ابتدائی دور میں کیے تھے "روشنی" 'lights' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم مسلمانوں کی ان دفاعی جنگوں کو بھی جو کہ انھوں نے ابتداء میں لڑی تھیں اس نظریئے سے دیکھیں۔ بہرحال کوئی بھی نظریہ قائم کیا جائے ایک غیر متعصب ذہن[۶۵] بنو قریظہ کو قتل کی سزا دیئے جانے کا الزام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہرگز نہیں لگا سکتا۔"[۶۶]

ریحانہؓ کا واقعہ:۔

کچھ غیر مسلم مصنّفین نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر ریحانہؓ کے واقعہ کو غلط طریقے سے پیش کر کے حملہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ کی کتابوں میں تین قسم کی روایتیں ملتی ہیں حافظ ابن مندہ لکھتے ہیں:۔ "ریحانہ ایک جنگی قیدی تھی جس کو غلامی سے آزاد کر دیا گیا تھا اور پھر وہ اپنے خاندان والوں کے پاس واپس چلی گئی اور وہاں تنہائی میں رہتی رہی۔"[۶۷] کچھ دوسرے مؤرخین کے مطابق[۶۸] ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آئی آپؐ نے ان کو آزادی اور نکاح کی پیش کش کی لیکن انھوں نے

---

۶۴ Q.Sam.VIII:2 —— اس نے مفتوح امونیوں کے ساتھ بہت زیادہ سخت اور درشت رویّہ اپنایا۔ ان میں سے کچھ کے کلہاڑیوں آراؤں اور آروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور کچھ دوسروں کو اینٹوں کے بھٹوں میں بھون ڈالا۔" (xii-31);

Maitland, "Jewish Literature And Modern Education", p-.21

Compare also Stanley's Lectures on Jewish Church, Vol.II, p.99.

یہ تمام حوالہ جات سید امیر علی نے اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں:۔

The Spirit of Islam, p.82

۶۵ سید امیر علی لکھتے ہیں: "مغربی اسکالروں میں مجھے صرف M. Barthelemy St. Hilaire ; Mr. Stanley Lane-Poole اور Mr. Johnson کے ناموں کا علم ہے جنہوں نے کسی تعصب سے کام نہیں لیا ہے۔"; The Spirit of Islam, p.82

۶۶ سید امیر علی، The Spirit of Islam, p.81-82

۶۷ طبقات الصحابہ، اصابہ فی احوال الصحابہ، ذکر ریحانہ، ج ۴، ص ۳۰۹ (یہ تمام حوالے علامہ شبلی نعمانی نے نقل کیے ہیں ملاحظہ ہو سیرۃ النبیؐ ج ۱، ص ۴۴۔)

۶۸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۴۵۔

باندی بن کر رہنا قبول کیا بعد میں انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔[99] مورخین کے ایک تیسرے طبقہ کا کہنا ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان سے شادی کر لی اور وہ آپ کی بیوی اس وقت تک رہیں جب آپ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے۔ حجۃ الوداع سے واپسی پر ان کا انتقال ہو گیا اور انھیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔[100] علامہ شبلی نعمانی نے پہلی روایت یعنی حافظ ابن مندہ والی[101] روایت کو اختیار کیا ہے۔ اسی کو یہاں بھی اختیار کیا جاتا ہے۔

اس جنگی قیدی کے سلسلہ میں باقی جتنے بھی افسانے ہیں سب من گھڑت ہیں۔ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ چونکہ وہ بہت زیادہ خوبصورت تھیں اس لیے آپ نے انھیں اپنے لیے پسند کر لیا تھا۔ اگر آپ نے اس سے نکاح کی پیشکش کی تھی تو اس کی وجہ اس کی حفاظت تھی نہ کہ کوئی ذاتی خواہش۔

ابو رافع سلام ابن حقیق کا قتل:۔

ابن اسحاق (ابن ہشام) کے مطابق ابو رافع سلام ابن حقیق جو کہ خیبر کا یہودی سردار تھا کے قتل کا واقعہ ذی الحجہ ۵ھ میں پیش آیا۔[102]

ابن اسحاق کے مطابق ابو رافع کو جنگ احزاب کے دوران مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کی وجہ سے قتل کیا گیا تھا۔ چونکہ کعب ابن اشرف کا قتل قبیلہ اوس کے لوگوں نے کیا تھا اس لیے اس دفعہ قبیلہ خزرج کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو رافع کو قتل کرنے کی اجازت چاہی آپ نے انھیں اجازت مرحمت فرما دی۔ عبداللہؓ ابن عتیک کی سرکردگی میں پانچ آدمی ابو رافع کو قتل کرنے کے لیے خیبر روانہ ہو گئے۔ ان پانچوں میں شامل عبداللہؓ ابن انیس وہ شخص ہیں جنھوں نے دراصل اس دشمنِ اسلام کو قتل کیا۔

حسانؓ ابن ثابت جو کہ مسلمانوں کے مدینہ منورہ میں مشہور شاعر تھے انھوں نے ابو رافع اور کعب

---

[99] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۴۵۔
[100] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۳۰۔
[101] شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۴۰۔
[102] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۷۳ تا ۲۷۶؛ ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (انگریزی ترجمہ از گلوم)، ص ۴۸۲ تا ۴۸۳۔ نوٹ:۔ ابن سعد کے مطابق یہ واقعہ رمضان ۶ھ کا ہے، طبری کی ایک روایت کے مطابق یہ واقعہ جمادی الاولیٰ ۳ھ میں پیش آیا، ملاحظہ ہو تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۴۹۳؛ ابن اثیر نے بھی اسی روایت کو ترجیح دی ہے، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۴۶۔

بن اشرف کے قتل کو ان اشعار میں بیان کیا ہے[۴۳]

لله در عصابة لاقيتهم　　　يا ابن الحقيق وانت يا ابن الاشرف

ترجمہ:۔ "اے ابن حقیق اور اے ابن اشرف، اس جماعت کا کیا کہنا جس سے تم دوچار ہوئے"۔

يسرون بالبيض الخفاف إليكم　　　مرحا كأسد في عرين مغرف

ترجمہ:۔ "یہ لوگ اپنی ہلکی پھلکی تلواریں لے کر جھاڑیوں والے کچھار کے شیروں کی طرح مزے مزے رات کے وقت تمہاری طرف چلے"۔

حتى اتوكم في محل بلادكم　　　فسقوكم حتفا ببيض ذفف

ترجمہ:۔ "یہاں تک کہ تمہاری جائے قیام پر پہونچے اور تیز تلواروں سے تمہیں موت کا پانی پلا دیا"۔

مستبصرين لنصر دين نبيهم　　　مستصغرين بكل أمر مجحف

ترجمہ:۔ "اپنے نبی کے دین کی نصرت پیش نظر رکھتے ہوئے اور اپنی جان و مال حقیر سمجھتے ہوئے"۔

۵ھ کے متفرق واقعات

(۱) سریہ ابو عبیدہؓ[۴۴]:۔ ذی الحجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہؓ کی امارت میں تین سو آدمی پر مشتمل ایک سریہ بحر احمر کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ وہاں کے لوگوں کے حالات معلوم کرکے آئیں۔ سفر کے دوران سامانِ رسد ختم ہو گیا لیکن انھوں نے ایک بڑی مچھلی کا شکار کیا جو ان کے مدینہ منورہ کے واپسی تک بطور غذا استعمال ہوتی رہی۔

(۲) حبشہ سے مہاجرین کی ایک بڑی تعداد کو بلا لیا گیا۔

(۳) حجاب کا حکم اسی سال نازل ہوا جس کے تحت عورتوں کو غیر محرموں سے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

---

[۴۳] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۲۷۳ تا ۲۷۶؛ ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہؐ، (انگریزی ترجمہ از گلوم) ص ۳۸۴ و ۲۸۵۔

[۴۴] ایضاً۔ جی۔ سرور Muhammad, The Holy Prophet, p. 284؛ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام، ج ۱، ص ۱۹۴۔

(۴) "ظہار" جو کہ عرب میں رائج ایک قسم کی طلاق تھی کو ناجائز قرار دیا گیا۔
(۵) پانی کی غیر موجودگی میں تیمم کرنے کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔

حضرت زینبؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی

اللہ کے حکم کے مطابق (ملاحظہ ہو قرآن کریم سورۂ احزاب، آیت ۳۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت زینبؓ بنت جحش سے اسی سال ذی قعدہ کے مہینہ میں ہوئی۔ پہلے ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متبنّیٰ حضرت زیدؓ ابن حارثہ سے ہوا تھا۔ لیکن بعد میں طلاق ہو گئی تھی۔ اس شادی کے ذریعہ آپؐ نے جاہلیت کی ایک رسم توڑی کیونکہ قبل از اسلام عرب متبنّیٰ کی مطلقہ سے شادی نہیں کرتے تھے۔

باب ۱۱

ہجرت کا چھٹا سال

سنہ ۶ ھ میں کوئی اہم بڑی جنگ نہیں لڑی گئی۔ البتہ دشمنوں کے اقدامات روکنے کے لئے ڈاکوؤں اور قذاقوں کی سرکوبی کے لیے اور دشمن قبائل کی سرزنش کے لیے کچھ چھوٹی چھوٹی فوجی مہمات پیش آئیں۔ کچھ مؤرخین کے مطابق اس ایک سال میں تقریباً سترہ اس طرح کی مہمات پیش آئیں[1] ان کے نتیجہ میں دشمنوں کی ہمت پست ہوگئی اور ڈاکوؤں و قذاقوں کو بھی سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکا۔

سریہ محمدؓ ابن مسلمہ بجانب قرطاء :-

محرم سنہ ۶ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۰ آدمیوں کو محمدؓ ابن مسلمہ کی قیادت میں قرطاء کی طرف روانہ کیا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بنو بکر رہتے تھے۔ بنو بکر کے لوگوں نے مدینہ سے سات میل کے فاصلہ پر "دریہ" نامی مقام پر لوٹ مار کرکے کافی نقصان پہونچایا تھا۔ جب مسلمانوں کی یہ جماعت وہاں پہونچی تو معمولی لڑائی کے بعد دشمن بھاگ نکلے اور مسلمان مالِ غنیمت کے ساتھ واپس آئے جس میں ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بھیڑ بکریاں تھیں[3]۔

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۰، تا ۹۴۔
[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۸۔
[3] ایضاً۔

غزوۂ بنو لحیان:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۶ھ میں پیش آنے والے واقعۂ رجیع کے شہداء کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار صحابہ کے ساتھ بنو لحیان تشریف لے گئے۔ مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر دشمن بھاگ نکلا۔ ابن سعد کے مطابق یہ غزوہ ربیع الاول ۶ھ میں پیش آیا۔[۷] اسی کو یہاں اختیار کیا گیا ہے۔ مگر ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن حزم، طبری، ابن اثیر اور ابن عبدالبر وغیرہ کے مطابق یہ غزوہ (اسی سال) جمادی الاولیٰ کے مہینہ میں پیش آیا۔[۸]

جب آپ سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے تو مندرجہ ذیل دعا پڑھ رہے تھے:۔

آئبون تائبون ان شاء اللّٰہ لربنا حامدون، اعوذ باللّٰہ من وعثاء السفر وکآبۃ المنقلب وسوء المنظر فی الاھل والمال[۹]

ترجمہ: "اللہ نے چاہا تو ہم لوٹ کر آنے اور توبہ کرنے والے ہیں اپنے پروردگار کی حمد وثنا کرنے والے ہیں۔ میں سفر کی مشقتوں، بدانجامی نیز اہل وعیال و مال واسباب کی بدحالی دیکھنے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

غزوۂ ذی قرد یا الغابہ:۔

ابن سعد کے مطابق یہ غزوہ، غزوۂ بنی لحیان کے بعد اسی سال ماہ ربیع الاول میں پیش آیا[۱۰] جبکہ ابن اسحاق، ابن ہشام اور ابن عبدالبر کے مطابق یہ جمادی الاولیٰ کے مہینہ میں پیش آیا۔[۱۱]

---

[۷] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۸۔

[۸] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۷۹؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۹۷؛ ابن حزم، السیرۃ النبویہ (مخطوط آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)، ص ۱۳۹؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۹۵؛ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۸۸۔

[۹] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۷۹۔

[۱۰] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۰؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۱۴۸۔

[۱۱] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۸۱؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۱۹۰۔ نوٹ: طبری اور ابن اثیر کی ایک روایت کے مطابق یہ غزوہ صلح حدیبیہ کے بعد پیش آیا: ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۹۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۱۸۹۔

جنگ خندق کے دوران ایک شخص عیینہ ابن حصن نے غدارانہ طور پر کفار کے متحدہ لشکر کی آدمیوں اور اونٹوں سے مدد کی تھی، یہ وہی آدمی تھا جس کو از راہ عنایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے پاس چراگاہیں مفت استعمال کرنے کی اجازت دی تھی۔ نہ صرف یہ کہ اس نے دشمنوں کی مدد کی بلکہ مسلمانوں کی چراگاہ کے نگراں کو بھی مار ڈالا۔ ان کی بیوی کو اٹھالے گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ بھی ہانک لے گیا[۹]۔ اس خبر کے ملنے پر آپ کچھ صحابہؓ کے ساتھ عیینہ ابن حصن اور اس کے ساتھ کے قذاقوں کی تلاش میں نکلے بالآخر اونٹوں کو واپس چھین لیا گیا اور مسلمان عورت بھی واپس لے آئی گئی۔ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لارہے تھے تو ایک مقام ذوقرد پر قیام کیا اور وہاں ایک اونٹ ذبح کیا اور پھر واپس گھر تشریف لے آئے۔ ابن سعد نے اس غزوہ کا نام "غزوۃ الغابہ" تحریر کیا ہے[۱۰]۔

سریۂ عکاشہؓ، الغمر کی جانب:-

ابن سعد کے مطابق[۱۱] ربیع الاوّل کے مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاشہؓ ابن محصن کی امارت میں چالیس[۱۲] آدمیوں کو بنو اسد سے مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا۔ بنو اسد نے الغمر کے مقام پر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے ایک چھوٹی سی فوج جمع کر لی تھی۔ اس سریہ میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی کیوں کہ دشمن مسلمانوں کے آمد کی اطلاع ملتے ہی بھاگ گیا اور مسلمانوں کو غنیمت میں دو سو اونٹ ہاتھ لگے۔

محمدؓ ابن مسلمہ کا ذی القصہ کی طرف تبلیغی وفد:-

محمدؓ ابن مسلمہ کی امارت میں ربیع الآخر میں دس مسلمان مبلغین کو بنو ثعلبہ[۱۳] کی طرف بھیجا گیا

---

۹ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۲۹۹؛ ابن حزم، السیرۃ النبویہ، مخطوط آزاد لائبریری علیگڈھ مسلم یونیورسٹی، ص ۱۴۰؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۱۸۔

۱۰ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۰۔

۱۱ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۴؛ ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۰؛ محمد زرقانی شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۱۵۳۔

۱۲ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۵؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۱۵۴۔

تھا۔ جب یہ حضرات ذی القصہ کے مقام پر سو رہے تھے تو قبیلہ بنو ثعلبہ کے کچھ بدوؤں نے ان پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں ان حضرات میں سے تو شہید ہو گئے۔ محمدؓ بن مسلمہ زخمی ہو گئے اور واپس تشریف لے آئے۔

سریۂ ابو عبیدہؓ ابن جراح بجانب ذی القصہ :-

مسلمان مبلغین کے خون کا بدلہ لینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہؓ ابن جراح کو چالیس آدمیوں کے ساتھ ربیع الآخر[13] کے مہینہ میں بنو ثعلبہ کی طرف بھیجا۔ مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملتے ہی دشمن بھاگ گئے۔

سریۂ زیدؓ بن حارثہ بجانب بنو سلیم (جموم)

ربیع الآخر ہی کے مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ بن حارثہ کو جموم[14] کے مقام پر بنو سلیم کی طرف بھیجا، دشمن فرار ہو گیا۔ اور حضرت زیدؓ ابن حارثہ اپنے ساتھ ایک عورت (جس کا نام حلیمہ تھا) اس کا شوہر (جس کا نام حارث تھا) اور کچھ بھیڑیں اور بکریاں لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت اور اس کے شوہر کو آزاد کر دیا۔

سریۂ زیدؓ ابن حارثہ بجانب العیص :-

ماہ جمادی الاولیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ ابن حارثہ کی قیادت میں ایک سو ستر افراد پر مشتمل ایک اور سریہ العیص کی جانب روانہ کیا[15]۔ یہ سریہ قریش کے اس قافلہ کو روکنے کے لیے روانہ کیا گیا تھا جو شام سے واپس آ رہا تھا۔ انھوں نے اس قافلہ اور اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ بہت سے لوگ قیدی بنائے گئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد (حضرت زینبؓ کے شوہر) ابو العاص ابن الربیع بھی تھے۔ یہ وہی شخص ہیں جن کو جنگ بدر میں بھی قیدی بنایا گیا تھا اور

---

[13] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۶؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۱۔

[14] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۶؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۱۔

[15] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۶؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۱۔

اس شرط پر رہا کیا گیا تھا کہ وہ سیدہ زینبؓ کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ بھیج دیں گے۔ مدینہ منورہ میں اپنی قید کے دوران جبکہ وہ اپنی اہلیہ حضرت زینبؓ کی امان میں تھے ابوالعاص مسلمانوں کی اخلاق سے بہت متاثر ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کی امان قبول فرمالی اور اس کو قبول کرتے ہوئے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے اس کی امان کے بارے میں ابھی معلوم ہوا ہے میرے کم سے کم درجہ کے امتی کے امان کی بھی قدر کی جائے گی"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کو سن کر ابوالعاص نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن پہلے وہ مکہ مکرمہ گئے، اور قریش مکہ کو ان کا سب مال واپس کر دیا جس کو حضرت زینبؓ کی سفارش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے صحابہؓ نے ابوالعاصؓ کو لوٹا دیا تھا۔ اس کے بعد ابوالعاصؓ مدینہ واپس آکر اپنی اہلیہ حضرت زینبؓ کے ساتھ رہنے لگے۔

سریۂ زیدؓ بن حارثہ بجانب طرف (دیا طرق)

جمادی الآخر[16] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ ابن حارثہ کو پندرہ[15] آدمیوں کے ساتھ ان بدوؤں کو تلاش کرنے کے لیے بھیجا جنھوں نے مسلمان مبلغین کو قتل کیا تھا۔ اس دفعہ بھی وہ لوگ بھاگ نکلے اور اپنے پیچھے ۲۰ اونٹ چھوڑ گئے، جن کو حضرت زیدؓ بن حارثہ نے اپنے قبضے میں لے لیا۔

سریۂ زیدؓ ابن حارثہ بجانب حسمی ۱۔

ابن سعد کے مطابق جمادی الاُخریٰ ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ ابن حارثہ کو پانچ سو افراد پر مشتمل ایک لشکر کا سردار بنا کر حسمیٰ کی طرف بھیجا[17]۔ یہ جگہ وادی القریٰ کے پیچھے ہے، وہاں پر دحیہؓ ابن خلیفہ الکلبی کو حسمیٰ کے کچھ بدوؤں نے لوٹ لیا تھا، جبکہ وہ ھرقل کے پاس سے واپس آرہے تھے حضرت زیدؓ نے ان بدوؤں کو سزا دی۔ ان میں سے ایک سو آدمیوں کو گرفتار کیا[18] اور غنیمت میں ایک ہزار

---

[16] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۰؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲ ص ۱۵۵۔ ابن جریر طبری تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۱۔

[17] ابن سعد الطبقات الکبریٰ ج ۲، ص ۸۸؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۵۸؛ ابن جریر طبری تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۲۔

[18] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۸، محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۵۹۔

اونٹ اور پانچ سو بکریاں لے کر واپس ہوئے۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ ابن حارثہ سے کہا کہ وہ سب ان کو واپس کر دیں کیونکہ ان کا سردار زید ابن رفاعہ الجذامی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور معافی کی درخواست چاہی تھی۔

(نوٹ:۔ زیادہ تر سیرت نگار اور اہلِ مغازی اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کے بعد بتاتے ہیں اور یہی قرین قیاس ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہان عالم کے نام خطوط صلح حدیبیہ کے بعد ہی روانہ کیے تھے)

سریۂ زیدؓ ابن حارثہ بجانب وادی القریٰ:۔

رجب[۱۹] کے مہینہ میں حضرت زیدؓ ابن حارثہ کی امارت میں ایک اور مختصر سا لشکر وادی القریٰ کی طرف روانہ کیا گیا جس کا مقصد قذاقوں کے اقدام کو روکنا تھا۔

دُومۃ الجَندل کی طرف تبلیغی مہم:۔

اسی سال شعبان[۲۰] کے مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف کو تبلیغ اسلام کے لیے دُومۃ الجَندل بھیجا۔ قبیلہ کے عیسائی سردار اصبغ ابن عمرو الکلبی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے اپنی لڑکی جس کا نام تماضر تھا کی شادی حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف سے کر دی۔

سریۂ حضرت علیؓ ابن ابی طالب بجانب فدک:۔

قبیلہ بنو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کٹر دشمن تھے۔ وہ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف ایک سازش کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بروقت

---

۱۹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۹؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۲۔

۲۰ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۸۹؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ، ج ۲، ص ۱۶۰؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۲۔

اطلاع مل گئی۔ آپؐ نے شعبان میں حضرت علیؓ کو ۱۰۰ آدمیوں کے ساتھ بنو بکر کو سزا دینے کے لیے بھیجا۔[۲۱]
حضرت علیؓ نے فدک کے مقام پر ان کو جا لیا۔ ایک جھڑپ کے بعد دشمن پسپا کر دیا گیا اور حضرت علیؓ
پانچ سو اونٹوں اور دو ہزار بکریوں پر مشتمل غنیمت کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آگئے۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ کا تجارتی قافلہ اور سریۂ ام قرفہ :-

رمضان المبارک[۲۲] کے مہینہ میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کی قیادت میں ایک تجارتی قافلہ شام کے
لیے روانہ ہوا۔ قافلہ میں کافی ساز و سامان تھا جس کے بدلے میں شام سے سامان لانا تھا۔ مدینہ منورہ سے
سات منزلیں آگے وادی القریٰ میں بنو فزارہ نے اس قافلہ کو لوٹ لیا۔ اس سے مدینہ منورہ کے مسلمانوں
میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت زیدؓ کو بھی قزاقوں نے کافی زخمی کر دیا۔ جب وہ اپنے زخموں سے
صحت یاب ہو گئے تو ان کو اس لوٹ مار کا بدلہ لینے کے لیے ایک مضبوط لشکر کے ساتھ روانہ کیا گیا۔
انھوں نے قزاقوں کے گڑھ پر قبضہ کر لیا۔ اُمّ قرفہ نامی ایک عورت جو عیینہ کی چچی تھی قزاقوں کی سردار
سمجھی جاتی تھی آپؐ نے اس کو اور اس کی لڑکی دونوں کو قید کر لیا۔ اُمّ قرفہ اور اس کے خاندان کے دو
دوسرے آدمیوں کو قتل کر دیا گیا۔ واپسی پر جب حضرت زیدؓ بن حارثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے معانقہ کیا اور ان کا بوسہ لیا۔ اُمّ قرفہ کی لڑکی کو آپؐ کی خدمت
میں پیش کیا گیا مگر آپؐ نے اس کو قبول نہیں کیا اور اپنے ایک صحابیؓ کو دے دیا۔

عبداللہؓ بن رواحہ کا سریہ یُسیر ابن رزام کے قتل کے لیے :-

خیبر کے ایک یہودی سردار ابو رافع کو قتل کی سزا دیئے جانے کے بعد یُسیر یا اسیر یا بشیر ابن رزام
ان کا سردار بنا۔ اس نے آپؐ کے خلاف ایک لشکر جمع کیا آپؐ نے حضرت عبداللہؓ ابن رواحہ کو جو
مدینہ منورہ میں قبیلہ خزرج کے سرداروں میں سے تھے تین آدمیوں کے ساتھ ماہ رمضان[۲۳] میں حالات کی

---

۲۱ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۰ ؛ ابن جریر طبری: تاریخ الرسل والملوک ج ۲، ص ۶۴۲ ۔
۲۲ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ۲، ص ۹۰ ؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۲-۶۴۳ ۔
۲۳ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۲ ؛

تحقیقات کے لیے خیبر روانہ کیا۔ عبداللہؓ ابن رواحہ نے واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کی سازش کی اطلاع دی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس آدمیوں کے ساتھ عبداللہؓ ابن رواحہ کو خیبر بھیجا۔ عبداللہؓ ابن رواحہ اور ان کے ساتھی بہت احتیاط سے لیسیر یا اسیر کے پاس گئے اور حکمتِ عملی سے اس کو قتل کر دیا۔ واپس آکر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تفصیلات بتائیں تو آپؐ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے تم کو بدکاروں سے چھٹکارا دلایا"[۲۴]

سریۂ کرزؓ ابن جابر بجانب عُرَینہ :۔

قبیلہ عرینہ کے کچھ اعرابی مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا وہ بہت بیمار تھے جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پہاڑیوں پر بھیج دیا جہاں انھیں کھلایا پلایا گیا جب وہ صحتمند اور تندرست ہو گئے تو انھوں نے دھوکہ سے آپؐ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور تمام اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں کرزؓ ابن جابر الفہری کو شوال[۲۵] کے مہینہ میں روانہ کیا۔ انھوں نے باغیوں کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

سریۂ عمروؓ ابن امیہ الضمری :۔

ابن سعد کے مطابق[۲۶] شوال ۶ھ میں عمروؓ ابن امیہ الضمری کو مکّہ مکرمہ ابوسفیان کو قتل کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ اس سے پہلے ابوسفیان اعرابیوں کا ایک دستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے مدینہ بھیج چکا تھا۔ یہ قدم اس کے جواب میں تھا۔ عمروؓ ابن امیہ کی یہ مہم کامیاب نہ ہو سکی کیونکہ کفارِ مکہ نے ان کا سراغ لگا لیا جب حضرت عمروؓ کعبہ کے قریب پہونچے تو ان کو بھی پہچان لیا گیا اور وہ مدینہ منورہ واپس آنے پر مجبور ہو گئے۔

---

۲۴ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۳ (نوٹ:۔ مذکورہ یہودی کے تین نام آتے ہیں :۔ اسیر یا یُسیر یا بشیر)

۲۵ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۳؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ ج ۲، ص ۱۷۱؛ ابن جریر طبری۔ تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۴ ۔

۲۶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۳
نوٹ:۔ طبری کے مطابق یہ سریہ ۴ھ میں پیش آیا تھا؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۵۴۲ ۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سال پیش آنے والے زیادہ تر سرایا و غزوات یا تو ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیے گئے، یا پھر مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کے لیے بھیجے گئے تاکہ مسلمان جزیرۃ العرب میں ایک باعزت اور پرسکون زندگی گذار سکیں۔

صلح حدیبیہ

(ذی قعدہ ۶ھ / مارچ ۶۲۸ء)[۲۷]

مدینہ منورہ آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکل سے ہی چند مسلسل مہینے پر امن حالت میں گذارے ہوں گے۔ کبھی کوئی مہینہ نہیں گذرا جس میں ایک یا دو غزوے نہ ہوئے ہوں۔ متمدن دنیا کی تاریخ میں کسی شخص کو بھی اتنا زیادہ حیران و پریشان نہیں کیا گیا جتنا کہ اللہ کے اس آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا گیا۔ آپؐ نے غیر معمولی استقامت، اللہ کی ذات پر کامل یقین اور نصرت خداوندی پر مکمل اعتماد کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی خداداد صلاحیت و قوت سے ان حالات کا مقابلہ کیا۔ آپؐ کے صحابہؓ جو مثالی شخصیتوں کے حامل تھے۔ دشمن کے حملہ کے خوف کے پیش نظر بعض مرتبہ کئی کئی ماہ تک اپنے جسم سے ہتھیار نہیں اتارتے تھے۔ صحابہؓ آپؐ سے اتنی زیادہ محبت رکھتے تھے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ یہی وہ چیزیں تھیں جنھوں نے دنیا کی سب سے عظیم ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشن کو کامیاب بنایا جسے آپؐ نے انتہائی کم مدت اور سنگین حالات میں کامیابی کی منزل تک پہونچا دیا۔ اس عظیم کامیابی کے حصول میں آپؐ کی خداداد صلاحیتوں اور ہمت و جوانمردی کا پورا دخل تھا۔ اپنی پوری زندگی میں نہ تو آپؐ نے کبھی سستی سے کام لیا اور نہ آپؐ کے صحابہؓ نے۔ میدانِ جنگ میں آپؐ بہادر ترین انسان ثابت ہوئے اور عظیم ترین سپہ سالار ساتھ ہی ساتھ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اللہ کے عبادت گذار بندے بن کر رہے۔

حج و عمرہ ادا کرنے کا حکم قرآن کریم میں نازل ہو چکا تھا (سورہ بقرہ آیات ۱۹۶ — ۲۱۰) لیکن ابھی تک آپؐ نے یا مسلمانوں میں سے کسی نے قریش کی دشمنی کی وجہ سے حج یا عمرہ ادا نہیں کیا تھا۔

---

[۲۷] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۰۸؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۵؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۲۰؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۰۴۔

شوال سنہ ۶ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ نے عمرہ ادا کیا ہے اور اس کے بعد حلق کروا رہے ہیں۔ چونکہ نبیؐ کا خواب وحی کی ہی ایک قسم تسلیم کی جاتی ہے اس لیے اس خواب کا مطلب یہ تھا کہ آپؐ کو عمرہ ادا کرنے جانا چاہیے۔ خواب میں اس کے لیے کوئی متعین سال و مہینہ نہیں بتایا گیا تھا۔[۲۸] جو مسلمان مدینہ منورہ میں رہ رہے تھے وہ بھی کعبہ کی زیارت کے لیے بہت بے چین تھے کیوں کہ وہ اس کی مبارک زیارت سے برسوں سے محروم تھے۔ اس لیے آپؐ نے صحابہؓ کے ساتھ اگلے ماہ یعنی ذی قعدہ میں عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کیا۔ آس پاس کے قبیلوں میں رہنے والے مسلمانوں کو بھی اس کی اطلاع دے دی گئی۔ ماہ ذی قعدہ سنہ ۶ ھ (۱۳، مارچ ۶۲۸ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چودہ ۱۴۰۰ سو صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے۔ آپؐ کے ذہن میں جنگ کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔[۲۹]

قریش نے جن کی دشمنی ابھی سرد نہیں پڑی تھی، مسلمانوں کو روکنے کا تہیہ کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع قبیلہ خزاعہ کے سردار بُدیل کے ذریعہ ہوئی جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے پھر بھی اسلام کی طرف اُن کا میلان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بُدیل کے ذریعہ قریش کو کہلوا بھیجا کہ مسلمان عمرہ ادا کرنے کے لیے جا رہے ہیں اور ان کا لڑنے کا ارادہ بالکل نہیں ہے۔[۳۰] لیکن قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخلے سے روکنے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے اس لیے انھوں نے شہر کو جانے والے تمام راستے بند کر دیئے اور خود مکہ مکرمہ کے باہر پڑاؤ ڈال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حُدیبیہ نامی ایک مقام پر پہونچ کر قیام پذیر ہو گئے۔ اور آپؐ نے اپنے اس پیغام کے جواب کا انتظار کرنا شروع کر دیا جو بُدیل کے ذریعہ قریش سے پاس بھیجا تھا۔ قریش کے کچھ سمجھدار لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پُرامن تجویز کو مان لینا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر انھوں نے آپؐ کو عمرہ کرنے کی اجازت نہیں دی تو اس کے نتیجہ میں جنگ ہو سکتی ہے۔ مزید برآں ایک امن معاہدہ کے ذریعہ قریش شام سے اپنے تجارتی لین دین کو دوبارہ بحال کر سکتے تھے، جس کا راستہ مسلمانوں نے بند کر دیا تھا۔ اس لیے قریش نے عروہ بن مسعود کو اپنا نمائندہ

۲۸۔ تفسیر القرآن العظیم، از ابن کثیر، تفسیر سورۃ الفتح، آیت ۲۷۔

۲۹۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۰۸؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۵؛ ابن جریر طبری تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۲۰؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۲۰۴۔

۳۰۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۱۱؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۶؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۲۲ - ۶۲۵۔

بنا کر بھیجا تاکہ وہ آپؐ سے معاہدۂ امن کی شرائط پر گفتگو کر سکیں۔ عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا لیکن کسی معاہدہ کی شرائط پر معاملہ طے نہ ہو سکا۔ بات چیت کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ پر عروہ نے بے جا تنقید کی جس کا اس گفتگو پر اور زیادہ بُرا اثر پڑا۔ بہرحال عروہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے صحابہؓ کی غیر معمولی محبت وعقیدت کا اندازہ ہوگیا اور واپس آنے پر اس نے قریش سے اس طرح بیان کیا: "میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن وہ عقیدت اور وارفتگی جو محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کے ساتھ رکھتے ہیں کہیں نہیں دیکھی۔"[۳۱] [۳۱۔الف]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مایوس نہیں ہوئے تھے آپؐ نے ایک اور قاصد خراش ابن امیہ الخزاعی کو ان کے پاس بھیجا۔ مگر اس کے ساتھ بدسلوکی کی گئی اور جس اونٹ پر وہ سوار تھے اس کی کونچیں کاٹ دی گئیں۔[۳۲] قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف مزید گستاخی کی اور ایک دستہ کو مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ ان لوگوں کو پہچان لیا گیا اور قیدی بنا لیا گیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں معاف کر دیا[۳۳] اور مسلمانوں کو مکہ مکرمہ کے جوار میں خون بہانے سے روکا۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو قریش سے امن کی بات چیت کے لیے مکہ مکرمہ بھیجا۔ جب آپ مکہ مکرمہ پہونچے تو قریش نے انھیں نظر بند کر لیا[۳۳۔الف] لیکن مسلمانوں کے کیمپ میں حضرت عثمانؓ کے قتل کی افواہ پھیل گئی۔[۳۴] اس سے مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ قریش جنگ پر آمادہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس خبر پر کافی تشویش ہوئی کیونکہ عرب کے نزدیک اُس وقت بھی ماہ حرام میں حرم کے اندر کسی کا قتل جرم عظیم سمجھا جاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو بلایا اور ان سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ اس مقدس مقصد کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیں گے۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی اور تاریخ میں اس کا نام "بیعۃ الرضوان" ہے۔[۳۵]

۳۱۔ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۲۰؛ صحیح بخاری، کتاب الشروط، سیرۃ النبیؐ از علامہ شبلی نعمانی ج ۱، ص ۴۵۲۔

۳۱۔الف ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۶۷۔

۳۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۱۴۔

۳۳۔ ایضاً۔

۳۳۔الف۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۶۷؛ ابن جریر طبری بحوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۷۷۔

۳۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۱۵؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۳۲؛ ابن عبد البر، الدرر ص ۲۰۰۔

۳۵۔ ایضاً

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ[۴۸] فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۝ (سورہ فتح، آیات ۱۸، ۱۹)

ترجمہ: "بیشک اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپؐ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا پس اللہ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح دے دی۔"

جب تمام صحابہؓ نے بیعت کر لی تو آپؐ نے اپنا دایاں ہاتھ (جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کی نمائندگی کر رہا تھا) اپنے بائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ عثمانؓ کی بیعت ہے[۴۹]۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر غلط تھی اور آپؓ صحیح و سالم قریش کے پاس سے واپس مسلمانوں کے پاس آ گئے۔

قریش نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ جاںنثاروں کی اس بے مثال جماعت کو آسانی سے نظرانداز نہیں کر سکتے۔ ماضی کے ناقابل فراموش واقعات و شکستیں ان کے ذہن میں ابھی تازہ تھیں اس لیے انھوں نے اپنے ایک اور قاصد سہیل بن عمرو کو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ امن کی گفت و شنید کے لیے بھیجا کچھ گفتگو کے بعد بالآخر ایک معاہدہ تحریر کیا گیا جس کے تحت دونوں جماعتیں دس سال تک مندرجہ ذیل شرائط پر امن قائم کرنے پر راضی ہو گئیں[۵۰]

— مسلمان اس سال بغیر عمرہ ادا کیے ہوئے واپس لوٹ جائیں گے۔

— وہ اگلے سال عمرہ ادا کرنے آ سکتے ہیں لیکن مکہ مکرمہ میں تین دن سے زیادہ نہیں قیام کریں گے

— وہ مکہ مکرمہ میں بغیر ہتھیار آئیں گے۔ صرف تلواریں ان کے پاس ہوں گی اور وہ نیام میں رہیں گی۔

— مسلمان اپنے ساتھ کسی ایسے مسلمان کو نہیں لے جائیں گے جو کہ مکہ مکرمہ میں رہ رہا ہو۔ اور نہ ہی کسی ایسے مسلمان کے راستہ میں حائل ہوں گے جو مکہ مکرمہ میں رہنا چاہتا ہو۔

— اگر اہل مکہ میں سے کوئی مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس کر دیں گے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ مکرمہ واپس آ جائے گا تو کفار اسے واپس نہیں کریں گے۔

---

[۴۹] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۱۶؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۷؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۰۶۔

[۵۰] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۷؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۳۶؛ مزید ملاحظہ ہو صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح حدیبیہ؛ صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد۔

—— عرب قبائل کو آزادی ہوگی کہ جس فریق کے ساتھ چاہیں معاہدہ کریں۔

عام طور سے مسلمان معاہدہ کے دفعات سے مطمئن نہیں تھے اور اس کو اپنے لیے باعث ہتک سمجھ رہے تھے۔ معاہدے کے تحریر کیے جانے کے دوران قریش کی ہٹ دھرمی اور نازیبا برتاؤ سے بھی وہ بہت ناراض تھے لیکن انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کی خاطر یہ سب کچھ برداشت کیا۔

ابھی معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا اور اس پر دستخط بھی نہیں ہوئے تھے کہ ابو جندل جو کہ سہیل ابن عمرو[38] (وہ شخص جو قریش کی طرف سے معاہدہ لکھ رہا تھا) کے لڑکے تھے مسلمانوں میں شامل ہونے کے لیے آئے انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اپنے جسم پر لگے وہ نشان دکھائے جو اسلام قبول کرنے کے باعث کفار کی اذیت کی وجہ سے لگے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ان کے اس دردناک منظر کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ آپؐ نے ان کے بارے میں سہیل سے کہا کہ معاہدہ کی اس دفعہ میں ان کا استثنا کر دیا جائے جس کے تحت مکہ میں رہنے والا کوئی مسلمان مدینہ منورہ کے مسلمانوں کے ساتھ آکر نہیں رہ سکتا تھا لیکن سہیل ابن عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست کو صاف ٹھکرا دیا اور ابو جندل کو پکڑے مارا اور گھسیٹ کر پیچھے لے گیا حضرت ابو جندل مدد کے لیے چلائے۔[39] لیکن مسلمانوں نے جبراً و کرھًا اس کو برداشت کیا اور اُن کی چیخ و پکار کے باوجود اُن کی کوئی مدد نہ کر سکے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدہ کو تمام چیزوں پر فوقیت دینا چاہتے تھے۔ آپؐ نے حضرت ابو جندل سے صبر کرنے کی تلقین کی ابو جندل کو دوبارہ قید و بند کی حالت میں مکہ لے جایا گیا۔ دراصل ابو جندل کا معاملہ بڑے امتحان کا معاملہ تھا یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک ایسا شخص کھڑا تھا جس نے اسلام کی خاطر بہت سی اذیتیں جھیلی تھیں۔ لیکن آپؐ اس معاہدہ کی رو سے اس کی مدد نہ کر سکے جو کچھ ہی دیر پہلے طے پایا تھا حضرت عمرؓ یہ منظر دیکھ کر بے قابو ہو گئے اور بھڑک اٹھے انھوں نے آپؐ سے کہا "کیا آپؐ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں"؟ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟[40] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوالوں کا جواب اثبات میں دیا اور فرمایا کہ آپؐ وہی کر رہے

---

[38] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۱۸؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۲۰۶؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۳۵؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۸۳؛ صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد۔

[39] ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۳۵؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۳۸۳۔

[40] صحیح بخاری، کتاب الشروط۔

کر رہے ہیں جو اللہ کا حکم ہے۔

معاہدہ پر دستخط ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو ذبح کیا اور اپنے سر کے بال منڈوائے جب عام مسلمانوں نے آپ کو سر منڈاتے دیکھا تو انھوں نے بھی وہی عمل کیا۔

صلح حدیبیہ ــــــ مسلمانوں کی ایک عظیم فتح :۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے تو سورہ فتح نازل ہوئی[۴۱]

یہ سورہ اس طرح شروع ہوتی ہے ۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ (سورہ فتح ۔ آیت ۱)[۴۲]

ترجمہ :۔ "بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلی ہوئی فتح دی۔"

نزول وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلایا جو اس معاہدہ سے بہت زیادہ دل برداشتہ تھے۔ اور بتایا کہ جس معاہدہ کو وہ اپنے لیے باعث ہتک سمجھ رہے تھے وہ اللہ کی نگاہ میں زبردست فتح ہے۔ حضرت عمرؓ اب پوری طرح مطمئن ہو گئے[۴۲]۔ معاہدہ دراصل بہت سے معنوں میں ایک زبردست کامیابی تھی۔ جو واقعات اس معاہدہ کے پیش آئے ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے نہ صرف مسلمانوں کو فتح ہوئی بلکہ دعوتِ اسلام کے آگے بڑھنے میں بھی زبردست کامیابی ہوئی ــــ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے :۔

"معاہدہ حدیبیہ سے دونوں فریقوں کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا اور دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا معاہدہ کی وجہ سے جو تقریباً دو سال تک جاری رہا۔ اہلِ مکہ کو مسلسل بے بسی اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑا معاہدہ کی یہ شق کہ محمدؐ کو اہلِ مکہ میں سے ان لوگوں کو جو ان کا مذہب چھوڑ چکے ہیں واپس مکہ بھیجنا پڑے گا، جس کے بارے میں وہ بہت پرامید تھے، خود انھیں کے خلاف پڑی، اور پھر ان کو محمدؐ سے یہ درخواست کرنی پڑی کہ آپ اس دفعہ کو واپس لے لیں[۴۳]۔

۴۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۲۰، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۸۔

۴۲۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب صلح حدیبیہ ۔

۴۳۔ جیسا کہ ایچ۔جی۔ سرور نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے : Muhammad, The Holy Prophet, p. 267-68.

معاہدہ سے قبل مسلمان اور کفار مکہ کے آپس میں تعلقات نہیں تھے۔ معاہدہ کے بعد اہل مکہ نے کاروباری سلسلہ میں مدینہ منورہ آنا جانا شروع کیا۔ مہاجرین سے نسبی تعلق ہونے کی وجہ سے بھی بہت سے اہل مکہ مدینہ منورہ آئے وہاں پر انھوں نے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی دیکھی اور وہ اُن کے اخلاق، نیکی، تقویٰ، اخلاص اور مہمان نوازی سے بہت خوش ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کے دل جیت لیے۔ مؤرخین کے مطابق صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان جو وقت گذرا ہے اس میں نسبتاً نو مسلموں کی تعداد پچھلے سالوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے۔ حضرت خالدؓ ابن ولید اور عمرو بن عاصؓ وغیرہ نے بھی اسی دوران اسلام قبول کیا۔

صلح حدیبیہ کے بعد کا دور :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ واپس لوٹنے پر ایک اور مکی مسلمان ابو بصیر مدینہ منورہ بھاگ آئے اور آپ سے پناہ کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست کو معاہدہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا۔ قریش نے ان کو لینے کے لیے دو آدمیوں کو بھیجا۔ آپ نے ابو بصیر کو ان دونوں کے حوالے کر دیا۔[۴۳] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیرؓ کو بھی ابو جندل کی طرح صبر کی تلقین کی جب ابو بصیرؓ ان دونوں آدمیوں کے ساتھ مکہ واپس جا رہے تھے تو انھوں نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا۔ دوسرا بھاگ کر مدینہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی۔[۴۴] اسی اثنا میں ابو بصیرؓ بھی وہاں پہونچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ نے مجھے لوٹا کر معاہدہ کی دفعہ پوری کر دی ہے۔ اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں یہ کہہ کر وہ مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص میں جو سمندر کے کنارے ہے رہنا شروع کیا۔ مکہ میں رہنے والے جب بے بس اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا تو وہ بھی چوری چھپے بھاگ بھاگ کر ابو بصیرؓ سے جا ملے اس طرح چند دنوں میں وہاں پر ایسے لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ہو گئی جنھوں نے ریگستان اور بے آب و گیاہ میدان میں کافی تکلیفیں بھی اٹھائیں۔ کیونکہ یہ لوگ کسی معاہدہ کے پابند نہیں تھے اس لیے قریش کے کارواں جو ملک شام جایا کرتے تھے ان کو روک

---

۴۳ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۵۸۔

۴۴ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۲۳ ۔ ۳۲۴۔

لیتے جن سے ان کو مالِ غنیمت حاصل ہوا کرتا۔ قریش کو اس سے کافی نقصان پہونچا اور انھوں نے مجبور ہو کر بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ معاہدہ کی اس شرط کو ہم ختم کرتے ہیں۔ اب جو مسلمان چاہے مدینہ آکر رہ سکتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام مسلمانوں کو مدینہ منورہ بلا لیا[۴۵]۔

سلاطین و امراء کو دعوتِ اسلام

اس وقت تک نماز روزہ و زکوٰۃ وغیرہ فرائض کے متعلق احکامات نازل ہو چکے تھے۔ جوئے و شراب کو حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ حدیبیہ سے واپسی پر ماہ ذی الحجہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قاصدین تیار کیے تاکہ ان کو دنیا کے کچھ مشہور سلاطین و امراء کے پاس جن سے آپ واقف تھے دعوت اسلام کے سلسلہ میں بھیجا جا سکے چنانچہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کرام کو مسجد میں جمع کیا اور اس طرح خطاب فرمایا[۴۶]:

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام عالم کے لیے رحمت اور رسول بنا کر بھیجا ہے اس لیے جاؤ اور میری طرف سے پیغام حق دوسروں تک پہونچاؤ۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح اختلاف نہ کرنا"[۴۷]۔

اس کے بعد آپؐ نے کچھ سمجھدار صحابہؓ کو خطوط دیئے تاکہ وہ آپؐ کی طرف سے مختلف ممالک کے بادشاہوں اور امراء کو دعوت اسلام پہونچائیں جو حضرات خطوط لے کر گئے اور جن کے نام لے کر گئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے[۴۸]۔

---

۴۵ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۲۲؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۳۹؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۰۰؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۸۸۔

۴۶ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۴؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۰۶؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۸۔

نوٹ: ابن اثیر کی ایک روایت کے مطابق یہ قاصدین کو ۶ھ میں بھیجا گیا تھا، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۲۱۰۔

ابن خلدون کے مطابق یہ قاصدین صلح حدیبیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے درمیان کسی تاریخ میں گئے تھے۔ تاریخ، ج ۲، ص ۷۸۸۔ لیکن اس سلسلہ میں ترجیح قول یہ ہے کہ قاصدین ذی الحجہ ۶ھ میں بھیجے گئے تھے اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

۴۷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۰۸؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۴۵۔

۴۸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۰۷؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۵۸-۲۶۳؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۶۴۵؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۸۸۔

حضرت دحیہؓ کلبی ______ بازنطینی (مشرقی رومی) سلطنت کے بادشاہ ہرقل کے پاس۔

حضرت عبداللہؓ ابن حذافہ سہمی ______ فارس (ایران) کے بادشاہ خسرو پرویز کے پاس۔

حضرت حاطبؓ ابن ابی بلتعہ ______ بادشاہ مصر مقوقس کے پاس۔

حضرت عمروؓ ابن امیہ ______ بادشاہ حبشہ نجاشی کے پاس۔

حضرت سلیطؓ ابن عمر ابن عبد شمس ______ رؤسا یمامہ کے پاس۔

حضرت شجاعؓ ابن وہب الاسدی ______ شام کے گورنر حارث غسانی کے پاس۔

حضرت عمروؓ ابن عاص سہمی ______ امیر عمان کے پاس۔

حضرت علاءؓ ابن حضرمی ______ بحرین کے امیر منذر ابن ساوی کے پاس۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی، اور اس پر یہ الفاظ کندہ کروائے؛

"محمد رسول اللہ"

تمام خطوط پر اس سے مہر لگائی گئی۔ زیادہ تر خطوط کے مضامین یکساں تھے۔ جو خط ہرقل کے پاس بھیجا گیا تھا اس کا مضمون مندرجہ ذیل تھا[۱۴۹]

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد ابن عبداللہ جو اللہ کا بندہ اور رسول ہے کی طرف سے ہرقل کے نام جو عظیم روم ہے۔ اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے۔ اس کے بعد! میں تجھے اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام قبول کر لے تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دوگنا اجر عطا کرے گا۔ لیکن اگر تو نے نہیں مانا تو تیرے اوپر تیرے تمام عوام کا بھی گناہ ہوگا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ[۱۴۹ الف]

اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں یکساں ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کو چھوڑ کر خدا نہ بنائے۔ اور

---

۱۴۹ ابن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۲، ص ۶۴۴؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۷۰۹؛ فتح الباری، ج ۲، ص ۱۳۱ اور صحیح بخاری۔

۱۴۹ الف سورہ آل عمران، آیت ۶۴۔

فرمانِ ذوالشان حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بنام سلطان مقوقس مصر



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى الْمُقَوْقِسِ عَظِيْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْقِبْطِ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۞ نامۂ مبارک کے بعض الفاظ اس سے کچھ مختلف ہیں جو کتبِ سیر میں درج ہیں روایۃ بالمعنیٰ میں مفہوم برقرار رہتے ہوئے الفاظ میں یسیر تغیر ہو جانا مستبعد نہیں ؁

نامۂ مبارک کی سند } یہ مبارک خط ایک فرانسیسی سیاح نے مصر کے شہروں میں سے اخمیم کے گرجا میں ایک قبطی راہب کے پاس سے خریدا تھا اور سلطان عبد المجید خاں والی دولت عثمانیہ کی خدمت میں اسے لیکر حاضر ہوا اور ہدیۃً پیش کیا سلطان مرحوم نے اسے حفاظت سے دیگر تبرکاتِ نبویہ کے ساتھ قسطنطنیہ میں رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔ خوش قسمتی سے اس کا عکس ہندوستان میں بھی پہنچ گیا

اگر تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم (اللہ کی) تابعداری کرتے ہیں۔[۵۰]

ہرقل اس وقت یروشلم میں ایرانیوں پر فتح کا جشن منا رہا تھا اس نے تحقیق حالات کے لیے کچھ عربوں کو بلوایا جو اس وقت ایک تجارتی سفر پر آئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ابوسفیان اس تجارتی قافلہ کا سردار تھا۔ وہ بادشاہ کے پاس لے جایا گیا۔ اور جب بادشاہ نے اس سے معلومات کی تو اس نے اسلام کی تمام تعلیمات کو پوری امانت داری کے ساتھ بتایا حالانکہ وہ اس وقت ایک کافر تھا۔ بادشاہ اسلام کے بارے میں یہ باتیں سن کر بہت متاثر ہوا اور کہا کہ یہ سچائی کا پیغام ہے۔

ایران کا بادشاہ خسرو پرویز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھ کر بہت برہم ہوا۔ اس بات نے اس کو بہت برانگیختہ کیا کہ اس کے زعم میں ایک عام آدمی اس کو برابر کے رتبہ میں لکھتا ہے۔ "محمد ابن عبداللہ کی طرف سے عظیم فارس خسرو کے نام"۔ غضبناک ہو کر اس نے آپ کے نامۂ مبارک کو دو ٹکڑوں میں پھاڑ دیا۔[۵۱] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا "اللہ اس کی سلطنت کو دو ٹکڑوں میں پھاڑ دے"۔[۵۲] خسرو اپنے گھمنڈ میں یہاں تک آگے بڑھ گیا کہ اس نے یمن کے گورنر کے پاس حکم بھیجا کہ وہ آپ کو گرفتار کر کے اس کے پاس لائے۔ جب گورنر کے آدمی مدینہ منورہ پہونچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کی کہ عنقریب سلطنت فارس میں اسلام کا بول بالا ہوگا۔ آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ گذشتہ رات خدا نے خسرو کا خاتمہ کر دیا۔[۵۳] آپ کی یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی خسرو کو اس کے بیٹے نے اسی رات قتل کروا دیا۔ اس کے بعد سلطنت فارس میں زبردست خلفشار پیدا ہوا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ یمن کے گورنر نے ان پیشین گوئیوں کے صحیح ثابت ہو جانے پر اسلام قبول کر لیا اور سلطنت فارس کا جُوا اپنے گردن سے اُتار پھینکا۔

---

۵۰ صحیح بخاری، باب کیف کان بدأ الوحی۔

۵۱ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۵۵؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۹۲؛ محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہؓ، ج ۱، ص ۱۱۳۔

۵۲ صحیح بخاری، باب کتاب النبیؐ الی قیصر وکسری۔

۵۳ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۶۰؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۵۶؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۸۳۔

حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا۔ مصر کے بادشاہ مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفہ تحائف بھیجے۔ ان تحفوں میں دو نوجوان عورتیں بھی تھیں ان میں سے ایک لڑکی کا نام ماریہ قبطیہ تھا جو حرم نبوت میں داخل کر لی گئیں اور دوسری لڑکی کا نام سیرین تھا جو اسلام کے مشہور شاعر حضرت حسانؓ کو عطا کر دی گئیں۔ اس نے ایک خچر بھی بھیجا تھا جس کا نام "دلدل" تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جنگ حنین میں استعمال کیا۔

رئیس یمامہ ہَوذہ ابن علی نے جواب دیا "تمہاری تعلیمات بہت اچھی ہیں اور اگر تم اپنی حکومت میں مجھے حصہ دو تو میں تمہاری اقتدا کے لیے تیار ہوں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب نفی میں کہلوا دیا۔ شام کا گورنر حارث غسانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پڑھ کر بہت برہم ہوا۔ اس نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے لیے تیار رہے۔ مسلمان اس کی فوجوں کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ کبھی نہیں پلٹیں۔

باب ۱۲

ہجرت کا ساتواں سال

غزوۂ خیبر

مدینہ منورہ سے شمال کی جانب تقریباً دو سو میل دور خیبر کے مقام پر یہود کا زبردست گڑھ تھا۔ یہ مقام شام کی سرحد کے قریب تھا۔ جلاوطن ہونے کے بعد بہت سے یہود خیبر جاکر بس گئے تھے۔ جیسا کہ پہلے تحریر کیا جاچکا ہے۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر کے بیشتر یہودیوں نے یہاں پناہ لی تھی۔ جنگِ خندق کے بعد یہودیوں کی عداوت اور زیادہ بڑھ گئی۔ منافقین کے سردار عبداللہ ابن اُبی کا ان سے خفیہ گٹھ جوڑ تھا اور وہ ان کو مسلمانوں کی حرکات و سکنات سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ یہودیوں نے اعرابی قبائل کے ساتھ مل کر ایک بار پھر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی سازش کی انھوں نے مسلمانوں کے قافلے لوٹے اور بہت سے مسلمانوں کو قتل بھی کیا۔ مدینہ کے قریب کچھ ایسے دیہاتوں پر حملہ کرکے جہاں مسلمان سکون پذیر تھے کافی لوٹ مار کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خفیہ ذرائع سے اطلاع ملی کہ یہ دشمنانِ اسلام مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپؐ نے اس بار خود دفاع کے لیے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اپنے اس ارادہ کو انتہائی راز میں رکھا تاکہ یہودی چوکنا نہ ہوجائیں۔ محرم ۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سولہ سو صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ سے خیبر کے لیے روانہ ہوئے اور سباع بن عرفطہ غفاری کو اپنی

ؔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۳۲۸؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۹؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۰۹؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۵۹۵۔

عدم موجودگی میں مدینہ کا افسر مقرر کیا۔ آپؐ یہودیوں کے مضبوط گڑھ خیبر تین دن سفر کرنے کے بعد پہونچے خیبر اور غطفان کے درمیان رجیع نام کا ایک مقام تھا جو جنگی نقطۂ نظر سے انتہائی اہم تھا۔ اس پر قبضہ کرنے سے خیبر اور غطفان کے درمیان رابطہ ختم ہوجاتا۔ چنانچہ آپؐ نے اس مقام پر ایک محافظ دستہ متعین کیا تاکہ آس پاس کے قبائل یہودیوں کو مدد نہ پہونچا سکیں قبیلۂ غطفان اپنے دروازے بند کرکے خاموش بیٹھ گئے۔

یہودیوں کی تیاری:۔

۴، (یا ۵،) محرم سنہ ۷ھ میں جب یہودیوں نے اچانک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہؓ کے ساتھ خیبر پر حملہ کرنے کے ارادہ سے آتے ہوئے[۲] دیکھا تو وہ گھبرا گئے۔ یہودی فوراً اپنے قلعوں کی طرف بھاگے۔ انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف یہ ان کا آخری دفاع ہے خیبر میں کئی گڑھیاں اور ۶ بڑے قلعے تھے۔ قلعوں کے نام یہ تھے۔ ناعم، سالم، قموص، نطاۃ، قصارہ، شق اور مربط۔ مؤرخین کے مطابق خیبر کے ان قلعوں میں یہودیوں کے تقریباً ۲۰ ہزار سپاہ تھے[۳]۔ اپنے سردار سلام ابن مشکم کے مشورے سے انھوں نے اپنا تمام اثاثہ عورتیں اور بچے سالم اور رو طیہ نامی قلعوں میں محفوظ کردیئے۔ اور ان کے سپاہیوں نے ناعم۔ نطاۃ اور قموص وغیرہ قلعوں میں مورچے سنبھال لیے۔ قموص ان کا سب سے مشہور قلعہ تھا جو ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا اس کا سردار عرب کا مشہور پہلوان مرحب تھا[۴]۔ اس قلعہ میں ابن ابی الحقیق کا خاندان بھی رہتا تھا۔ مرحب ایک ہزار سواروں پر بھاری

---

[۲] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۰۸۔

[۳] شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۸۴۔

[۴] شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۸۴۔ مزید ملاحظہ ہو تاریخ از الیعقوبی، ج ۲، ص ۵۶ (حوالہ از شبلی نعمانی) نوٹ:۔ ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن عبدالبر، طبری اور ابن خلدون وغیرہ نے قموص کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ابن ابی الحقیق کا قلعہ تھا۔ یعنی اس کا سردار ابن ابی الحقیق تھا۔ ملاحظہ ہو:۔ ابن اسحاق سیرۃ الرسول اللہ، (ترجمہ از گلوم) ص ۵۱۱؛ ابن ہشام السیرۃ النبویۃ ج۲، ص ۳۳۱؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۹؛ ابن خلدون تاریخ، ج ۲، ص ۹۵؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۱۰؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۲۱۷۔
اصل صورت حال یہ ہے کہ بنی نضیر کے جلاوطن سرداروں میں سے سلام ابن ابی الحقیق، کنانہ ابن الربیع ابن ابی الحقیق، اور حیّی ابن اخطب خیبر چلے گئے تھے، جب وہ وہاں پہونچے تو وہاں کے رہنے والے ان کے زیر اثر ہو گئے۔ (سیرۃ الرسول اللہ، انگریزی ترجمہ از گلوم، ص ۴۳۸؛ السیرۃ النبویۃ، از ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۹۱)
(بقیہ صفحہ ۳۴۱ پر)

سمجھا جاتا تھا۔

خیبر کے نزدیک ایک مقام صہبا پہونچنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز ادا کی اور کھانا تناول فرمایا۔ کھانے میں جو کے ستو تھے[۵]۔ اس کے بعد آپؐ پھر روانہ ہو گئے اور رات تک خیبر پہونچ گئے۔ وہاں آپؐ نے نماز پڑھی اور فوج کو آرام کا حکم دیا۔

فتح خیبر:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ لمبے محاصرہ کا نہیں تھا۔ جب آپؐ کو اس کا علم ہوا کہ یہودیوں نے جنگ کی تیاری کر لی ہے تو آپؐ نے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ پہلی جنگ ناعم پر لڑی گئی[۶]۔ ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں مسلمان فوج کے اس حصہ کے کمانڈر محمود ابن مسلمہ شہید ہو گئے۔ لیکن مسلمانوں نے بالآخر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد بغیر کسی خاص دشواری کے آس پاس کے چھوٹے چھوٹے قلعے بھی فتح کر لیے گئے۔ پھر وہ خیبر کے مشہور قلعہ قموص پہونچے۔ یہ جنگ تقریباً ۲۰ دن تک جاری رہی۔ روزانہ مسلمان صبح کے وقت قلعہ پر حملہ کرنے جاتے لیکن شام کو ناکام واپس آتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی باری باری بھیجا لیکن وہ بھی اپنی مہموں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمت و استقلال کا پہاڑ تھے ایک شام آپؐ نے اعلان کیا کہ اگلے دن وہ ایک ایسے شخص کو علم عطا فرمائیں گے جس کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) محبوب رکھتے ہیں اور جس کے ہاتھ پر فتح ہوگی[۷]۔ ہر شخص اس کا منتظر تھا اور دل سے خواہش مند تھا

(بقیہ ۲ کا)
سلام ابن ابی الحقیق جو عام طور پر ابن ابی الحقیق کے نام سے مشہور تھا۔ ان سب میں بڑا سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے وہ قوموں کا سردار بن گیا جس کا حکمران عرب کا مشہور پہلوان مرحب تھا۔ حضرت صفیہؓ اسی قلعہ میں رہتی تھیں۔ وہ حییؓ ابن اخطب کی صاحبزادی اور کنانہ ابن الربیع ابن الحقیق کی بیوی تھیں۔ (السیرۃ النبویہ از ابن ہشام ج ۲، ص ۳۳۱)۔

۵ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر۔

۶ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۳۳۰۔

۷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ج ۲، ص ۳۳۴؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۰؛ ابن جریر طبری تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۲؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۲۱۱ ــ ۲۱۲؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۲۱۹۔



خیبر میں مرحب کے قلعہ آثار قدیمہ

کر وہی وہ شخص ہو، صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلایا اور اپنے ہاتھ سے ان کو زرہ پہنائی اور اپنی تلوار دے دیا اور اس دن لڑنے والی فوج کا سالار بنا کر جنگ کے لیے روانہ کیا۔ حضرت علیؓ کو دیکھ کر مرحب قلعہ کے باہر نکل آیا۔ اور اس نے حضرت علیؓ کو دو بدو لڑنے کی دعوت دی۔ مرحب اور حضرت علیؓ کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں حضرت علیؓ نے پہلے ہی وار میں مرحب کو ہلاک کر دیا۔[۸] پھر گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت علیؓ کی ڈھال ٹوٹ گئی آپؓ نے قلعہ کے دروازہ کا ایک ستون اٹھالیا اور اس کو بطور ڈھال استعمال کیا۔ بالآخر یہود پسپا ہوئے اور مسلمانوں کو اس جنگ میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔[۹]

اپنا سب سے مضبوط قلعہ قموص کھونے کے بعد یہودیوں کو احساس ہوا کہ ان کا انجام برا ہوگا اس لیے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپؐ ان کو اس شرط پر امان دے دیں کہ خیبر کی پیداوار کا آدھا حصہ آپؐ کو دیا جائے گا۔[۱۰] ان کے جان و مال، عورتوں و بچوں کو ہاتھ نہیں لگایا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندازہ تھا کہ یہ لوگ اپنا وعدہ پورا نہیں کر پائیں گے پھر بھی آپؐ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور انھیں امان دے دی۔ یہاں پر یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر اسلام تلوار سے پھیلا ہوتا تو ان تمام یہودیوں کی سزا بھی موت تھی۔ اس کے برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قابلِ ملامت دشمن کو معاف کرکے بے مثال حسنِ اخلاق کا ثبوت دیا ہے۔

---

۸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۲؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳ — ص ۱۳؛ ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۲؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۲۱۲ - ۲۱۳؛ ابن کثیر، البدایۃ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۸۷۔

نوٹ:۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام وغیرہ کے مطابق محمد ابن مسلمہ نے مرحب کا چیلنج قبول کیا اور اسے قتل کیا؛ ابن اسحاق سیرۃ الرسول اللہ، (انگریزی ترجمہ از گلوم)؛ ابن ہشام ۔ السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۳۳۳ - ۳۳۴؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۰ - ۱۱ — مگر صحیح مسلم کی روایت میں مرحب سے لڑائی کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کا نام ذکر ہے ملاحظہ ہو؛ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر (حدیث ۱۸۰۷)؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۲۹۲۔

۹ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر۔

۱۰ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۳۷؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۴؛ ابن عبد البر، الدرر ص ۲۱۴؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینے کی کوشش :-

یہودیوں نے بظاہر تو آپ سے صلح کر لی تھی لیکن غدارانہ طور پر وہ آپ کو قتل کرنے کی سازش میں مصروف تھے۔ ان کے طریقے ناقابل فہم تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امن معاہدہ کرنے کے فوراً ہی بعد انھوں نے آپ کی جان لینے کی ایک اور سازش کی۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے یہودی سردار سلام ابن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث کو اکسایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے کھانے پر مدعو کرے اور اس میں زہر دے دے۔ کھانے پر جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوالا اٹھا کر منھ میں ڈالا کہ آپ کو اللہ کی طرف سے اطلاع ملی کہ اس کھانے میں زہر ہے[۱۱]۔ آپ نے فوراً اس کو تھوک دیا۔ اس کے باوجود زہر کا معمولی سا اثر وفات تک رہا۔ آپ مزید کھانے سے رک گئے، لیکن آپ کے ایک صحابیؓ حضرت بشرؓ ابن براء نے کچھ کھانا کھا لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو سوالات کے لیے بلایا اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا جب دو یا تین دن کے بعد زہر کے اثر سے حضرت بشرؓ ابن براء کی وفات ہو گئی تو اس جرم میں اس عورت کو شریعت کے مطابق سزائے موت دی گئی[۱۲]۔

فدک کے لوگوں کی باجگذاری :-

خیبر کی فتح کے بعد اسی سے قریب یہودیوں کی ایک اور آبادی فدک کے یہود بھی بغیر کسی لڑائی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باجگذار بن گئے۔ خیبر ہی کی طرح کچھ شرائط پر ان کے ساتھ ایک معاہدہ طے کیا گیا۔ فدک کا پورا حصہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص تھا کیونکہ کوئی لڑائی پیش نہیں آئی تھی[۱۳]۔

---

۱۱ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۳۸؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۳۔ ص ۱۵؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۱۷۔

۱۲ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۰۷؛ بخاری نے بروایت ابو ہریرہؓ اس واقعہ کو مختصراً نقل کیا ہے؛ صحیح بخاری، الشاۃ التی سمت للنبیؐ بخیبر۔

۱۳ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۵۲۔

وادی القریٰ کے لوگوں کی باجگذاری :-

خیبر اور تیمہ کے درمیان وادی القریٰ نامی مقام پر یہود کی ایک اور آبادی تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس ہوئے تو آپؐ نے یہاں قیام فرمایا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک یہ قوم عاد و ثمود کی بستی تھی[۱۴] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارادہ ان کے ساتھ لڑائی کا نہیں تھا۔ لیکن یہودیوں نے آپؐ پر تیروں کی بارش شروع کر دی جس کے نتیجہ میں معمولی لڑائی ہوئی اور دشمن کو ہتھیار ڈالنا پڑا۔ پھر خیبر کی طرح ایک معاہدہ عمل میں آیا۔

حضرت صفیہؓ سے شادی :-

سیدہ صفیہؓ کنانہ کی بیوی تھیں۔ کنانہ خیبر کے سرداروں میں سے ایک سردار تھا اور جنگ میں مارا جا چکا تھا۔ حضرت صفیہؓ، حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصہ میں آئیں۔[۱۵] چونکہ وہ ایک سردار کی بیوی تھیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عزت دینے کی خاطر حضرت دحیہؓ کلبی سے سات اونٹوں کے بدلہ میں خرید لیا۔ پھر انھیں آزاد کر دیا۔ اور ان کا پہلا مقام برقرار رکھنے کے لئے ان سے شادی کر لی۔[۱۶] حضرت صفیہؓ کے ساتھ آپؐ کی شب عروس خیبر ہی میں گذری[۱۷] صبح کو دعوت ولیمہ دی گئی۔ جس میں کافی مقدار میں کھجوریں، پنیر اور مکھن تھا۔ زمین کو ایک منبر کی شکل میں تھوڑا اونچا کر دیا گیا جس پر دستر خوان بچھا کر مہمانوں کو کھلایا گیا[۱۸]

حضرت ابو ایوبؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت :-

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہؓ کے ساتھ خیمہ میں شب عروس گذار رہے تھے۔

---

[۱۴] معجم البلدان (لفظ قریٰ)

[۱۵] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۶۔

[۱۶] اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے اس کتاب کا بیسواں باب (حضرت صفیہؓ کے حالات) ملاحظہ ہو۔

[۱۷] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ۔ ج ۲، ص ۳۳۹: نوٹ :- ابن ہشام کے مطابق یہ شادی یا تو خیبر میں ہوئی تھی یا خیبر سے واپسی پر خیبر اور مدینہ کے درمیان کسی جگہ ہوئی تھی۔ مزید ملاحظہ ہو ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۶۔

[۱۸] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۶۔ مزید ملاحظہ ہو، السیرۃ النبویہ۔ از ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۴۰۔

حضرت ابوایوبؓ ننگی تلوار لے کر رات بھر خیمہ کی حفاظت کرتے رہے۔ صبح کو رسول اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو وہاں دیکھا تو آپؐ کو تعجب ہوا۔ حضرت ابوایوبؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ یہ لڑکی (حضرت صفیہؓ) نوجوان ہے اور اس نے حال میں اسلام قبول کیا ہے۔ ابھی کل تک وہ کنانہ کی بیوی تھی جو جنگ میں قتل کر دیا گیا ہے (ہو سکتا تھا کہ اس واقعہ سے برانگیختہ ہوتیں) اس لیے میں نے سوچا کہ میں آپؐ کے خیمہ کی حفاظت کروں تاکہ اگر یہ کوئی نازیبا حرکت کریں تو میں آپؐ کی پکار پر وہاں موجود رہتا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس چوکیداری پر دعا دی۔[19]

حضرت صفیہؓ کا خواب:۔

حضرت صفیہؓ اپنی اس شادی سے بہت خوش تھیں۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی ایک آنکھ پر چوٹ کا نشان تھا جب آپؐ نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی۔ تو انھوں نے کہا کہ جب کہ وہ کنانہ کی بیوی تھیں تو ایک خواب دیکھا کہ آسمان سے چاند ان کی گود میں آگیا ہے۔ جب یہ خواب انھوں نے کنانہ سے بیان کیا تو اس نے برہم ہو کر ان کو مارا، اور کہا "یہ کیا خواب ہے تو حجاز کے اس بادشاہ اس نبی کو اپنا شوہر بنانے کے لیے للچا رہی ہے"[20]، پھر حضرت صفیہؓ نے کہا یہ وہی نشان ہے جو کنانہ کی مار پیٹ سے لگا تھا۔[21]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جعفرؓ اور دوسرے مسلمانوں کی حبشہ سے واپسی پر استقبال

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے واپس آ رہے تھے تو آپؐ کے چچا زاد بھائی جعفرؓ ابن ابی طالب اور دوسرے مسلمان جو حبشہ ہجرت کر گئے تھے وہاں سے واپس آگئے آپؐ

---

[19] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۲۱۲۔
[20] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۳۶؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۹۷۔
[21] ایضاً۔

حضرت جعفرؓ سے مل کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا[22] "مجھے معلوم نہیں میرے لیے کون سی مُسرت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ جعفرؓ کی آمد یا خیبر کی فتح"۔ ابن ہشام نے ان مسلمانوں کا نام لکھا ہے جو اس موقعہ پر حبشہ سے واپس آئے تھے۔

حضرت اُمِ حبیبہؓ سے شادی کی تکمیل :۔

خیبر سے مدینہ منورہ واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمِ حبیبہؓ سے شادی کی تکمیل کی۔ حضرت اُمِ حبیبہؓ ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں۔ اور بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشہ میں کر دیا تھا۔

چھوٹی مہمات

غزوۂ خیبر کے بعد اس سال کچھ چھوٹے سرایا بھی پیش آئے۔ یہ سرایا عمرۂ قضا سے پہلے پیش آئے تھے۔ مندرجہ ذیل سطور میں ان کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔ ان کی تفصیلات "الطبقات الکبریٰ"، از ابن سعد (جلد ۲، ص ۱۱۷ - ۱۲۰) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم نے ابن سعد کے قول کو ہی ترجیح دی ہے۔

(۱) سریۂ عمرؓ ابن خطاب[23] :۔

ماہ شعبان میں حضرت عمرؓ کی امارت میں ۳۰ آدمیوں پر مشتمل ایک سریہ ترابہ بھیجا گیا۔ یہ مقام مکہ سے نجران جانے والی شاہراہ پر واقع ہے۔ اس جگہ قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ عجز رہتی تھی مسلمانوں کی آمد کی اطلاع سن کر دشمن بھاگ نکلا۔

(۲) سریۂ ابوبکرؓ صدیق[24] :۔

یہ سریہ بھی شعبان میں نجد کے بنی کلاب کی طرف بھیجا گیا۔ ایک مختصر سی لڑائی کے بعد

---

[22] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۵۹۔
[23] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۱۷۔
[24] ایضاً، ص ۱۱۷ - ۱۱۸۔

دشمن پسپا کر دیا گیا۔

(۳) سریۂ بشیرؓ ابن سعد انصاری بجانب بنی مُرّہ[۲۵]

بنی مُرّہ نے خیبر میں یہودیوں کی مدد کی تھی اس لئے تنبیہ کے لیے شعبان میں ایک سریہ ان کی جانب بھیجا گیا۔ ان سے ایک مختصر سی جنگ ہوئی جس میں دشمنوں کے تیروں سے کچھ مسلمان بھی زخمی ہو گئے لیکن پھر دشمن بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے دو آدمیوں کو قیدی بنا لیا۔

(۴) سریہ غالبؓ ابن عبداللہ:۔

ماہ رمضان میں نجد کے ایک مقام میفعہ کی طرف ایک اور سریہ بھیجا گیا جس میں ایک جنگ ہوئی۔ حضرت اسامہؓ ابن زید نے اس سریہ کے دوران ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا جس نے بظاہر اپنی جان کے خوف سے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ سریہ سے واپسی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت اسامہؓ کو تنبیہ کی اور غصّہ سے فرمایا کیا تم نے اس کا سینہ چاک کر کے دیکھا تھا کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ حکم دیا کہ اگر کوئی جنگ کے دوران بھی اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کو قتل نہ کیا جائے۔

(۵) سریۂ بشیرؓ ابن سعد انصاری بجانب جبار:۔

یہ سریہ ماہ شوال میں یمن اور غطفان قبیلہ کی شاخ جبار کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اس میں معمولی سی جنگ ہوئی اور مسلمانوں نے دشمنوں کو پسپا کر دیا اور کافی مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔

مندرجہ بالا سرایا کا مقصد ان قبائل کو سزا دینا تھا جنھوں نے خیبر کے یہودیوں کی مدد کی تھی اس کے علاوہ جنگجو بدوؤں کو بھی منتشر کرنا تھا جن کا مقصد لوٹ مار اور رہزنی تھا۔

ادائے عمرۃ القضاء

صلح حدیبیہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلے سال یعنی ۷ھ میں عمرہ ادا کرنے

---

[۲۵] ایضاً، ص ۱۱۸۔
[۲۶] ایضاً، ص ۱۱۵۔

جانا تھا۔ دراصل یہ عمرہ قضا تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ ۷ھ [۴۷] میں دو ہزار جانثار صحابہؓ کے ساتھ عمرہ ادا کرنے تشریف لے گئے۔ سات سال سے آپؐ کو اپنا عزیز وطن مکہ مکرمہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ اب اس کا موقع ملا تھا۔ معاہدہ کے مطابق آپؐ اور صحابہؓ اپنے ساتھ نیام بند تلواروں کے علاوہ کوئی اور ہتھیار نہیں لے گئے تھے۔ کفار نے شہر خالی کر دیا تھا۔ صحابہ کرامؓ مسرت وخوشی سے معمور اور اللہ کی محبت میں سرشار تھے۔ مسلمان مکہ میں شمالی جانب سے داخل ہوئے عبداللہ ابن رواحہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ کی نکیل پکڑ رکھی تھی اور تمام مسلمان آپؐ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سچا ثابت ہوا اور اللہ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ (سورہ فتح، آیت ۲۷) [۴۸]

ترجمہ: "بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو واقعہ کے مطابق ہے کہ تم لوگ مسجد حرام (مکہ) میں انشاءاللہ ضرور جاؤ گے امن وامان کے ساتھ اس حال میں کہ تم میں سے کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کترا تا ہوگا۔ تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں۔ پھر اس سے پہلے عنقریب ایک اور فتح ہوگی۔" (اس سے مراد فتح خیبر ہے)

مکہ مکرمہ میں تین دن گزار کر جب آپؐ واپس تشریف لانے کو تیار تھے تو ایک بہت ہی المناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت حمزہؓ کی بچی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "چچا" "چچا" پکارتی ہوئی آئی۔ (حالانکہ آپؐ اس کے چچا زاد بھائی تھے لیکن انھوں نے احتراماً ایسا کہا) حضرت علیؓ نے اس کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا۔ لیکن بعد میں اس کو حضرت اسماءؓ (اس کی خالہ) کے حوالہ کر دیا گیا کیونکہ حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ ابن حارث بھی اس کو اپنے چچا کی لڑکی ہونے کی وجہ سے دعویٰ کر رہے تھے۔

---

[۴۷] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۷۰؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۰؛ ابن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۲۳؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۲۱۱۔

[۴۸] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء۔

حضرت خالدؓ ابن ولید اور حضرت عمروؓ بن عاص وغیرہ کا قبولِ اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے کچھ دن بعد قریش کے ایک نامور جنرل حضرت خالدؓ ولید نے اعلان کیا کہ انھوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو دیکھ لیا ہے۔ اس لیے وہ اسلام قبول کرتے ہیں۔ عکرمہ اور دوسرے لوگوں نے ان کو اس سے روکا، لیکن انھوں نے کسی کی نہ سنی ان کے اس فیصلہ کو سن کر ابوسفیان غصہ سے بھڑک اٹھا اور ان کو مارنے جارہا تھا کہ عکرمہ وغیرہ بیچ میں آگئے، اور انھوں نے اس سے کہا "کیا تم اس کو اس کی رائے کی وجہ سے قتل کر دوگے حالانکہ سب کے سب قریش وہی رائے رکھتے ہیں جو اس کی ہے۔ خدا کی قسم مجھے ڈر ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو سب کے سب قریش ہجرت کرکے مدینہ چلے جائیں گے۔" حضرت خالدؓ نے مکہ میں اپنے آپ کو اجنبی محسوس کیا۔ اس لیے وہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے گئے، اور مسلمانوں میں شامل ہو گئے۔ اسی دوران عمروؓ بن عاص اور عثمانؓ بن طلحہ بھی مدینہ منورہ ہجرت کرکے چلے گئے، اور اسلام قبول کرلیا۔ ابن سعد کے مطابق حضرت خالدؓ ابن ولید، عمروؓ ابن عاص اور عثمانؓ ابن طلحہ یکم صفر ۸ھ کو مدینہ منورہ پہونچے تھے[۲۹]

۸ھ کے آخر تک اسلام کی جڑیں کافی مستحکم ہو چکی تھیں۔ اور یہ صرف کچھ ہی دنوں کی بات رہ گئی تھی جب یہ ایک تناور پھلدار درخت کی شکل میں دوسرے تمام ادیان پر چھا جائے جیسا کہ قرآن اعلان کرتا ہے۔

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (سورہ فتح آیت ۲۹)

ترجمہ: "........ (اس کی مثال ایسی ہے) کہ جیسے کھیتی اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی، کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کو جلائے۔"

۲۹۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج، ص ۲۵۲۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت و اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے"۔

سریۂ ابن ابی عوجاء :۔

ابن سعد کے مطابق[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحجہ ۷ھ میں ابن ابی عوجاء کو ۵۰ آدمیوں کے ہمراہ بنو سلیم کی طرف بھیجا۔ وہاں ایک جنگ ہوئی اور دشمن پسپا کر دیا گیا۔ اگلے سال بنو سلیم نے مدینہ منورہ آکر اسلام قبول کر لیا۔

بعض متفرق احکامات جو اس سال نازل ہوئے

(۱) جنگ خیبر کے دوران پالتو گدھے کا گوشت حرام کر دیا گیا۔
(۲) متعہ قیامت تک کے لیے حرام کر دیا گیا۔
(۳) گوشت خور جانوروں (درندوں) کا گوشت بھی اسی سال حرام کر دیا گیا۔
(۴) عدت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔
(۵) مالِ غنیمت کی تقسیم کے احکامات بھی اسی سال نازل ہوئے۔

حضرت میمونہؓ سے شادی :۔

حضرت میمونہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی مکہ مکرمہ میں ہوئی جب کہ آپ عمرۂ قضا ادا کرنے تشریف لے گئے تھے۔ حضرت میمونہؓ حضرت

---

[۱] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۳۔

عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل کی بہن تھیں اور بیوہ تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شادی کا پیغام حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھجوایا تھا۔ قریش سے اچھے تعلقات قائم کرنے کے لیے آپؐ نے یہ شادی کی نکاح مکہ مکرمہ میں ہوا۔ مگر شب عروس مقام سرف (مکہ سے تقریباً دس میل فاصلہ پر ایک جگہ) میں اس وقت گذاری جبکہ آپؐ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ واپس لوٹ رہے تھے[۳۱]

(نوٹ:۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کا باب نمبر ۲۰)

---

[۳۱] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۳۲۔

باب ۱۳

ہجرت کا آٹھواں سال

سریۂ غالب رضؓ ابن عبداللہؓ بجانب بنی المُلَوّح

صفر ۸ھ میں کدید کے نزدیک بنی المُلَوَّح (بنولیث) کی طرف حضرت غالب رضؓ ابن عبداللہ کلبی کی سرکردگی میں ایک سریہ بھیجا گیا[1]۔ یہ مقام مکہ کی شاہراہ پر واقع ہے۔ یہ حملہ کامیاب رہا۔ مسلمانوں کو مالِ غنیمت کے طور پر کچھ جانور ملے۔ دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے دوبارہ ایک جماعت اکٹھا کی لیکن سیلاب کی شکل میں اللہ کی بروقت مدد سے مسلمان اس حملہ سے بچ گئے۔ یہ سیلاب بغیر کسی بارش کے آیا تھا۔ بعد میں مسلمان بحفاظت مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

سریۂ غالب رضؓ ابن عبداللہؓ بجانب مصاب :۔

مندرجہ بالا سریہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سو آدمیوں پر مشتمل ایک جماعت غالب رضؓ بن عبداللہ کی سرکردگی میں بجانب مصاب (قرب فدک) روانہ کی[2]۔ یہ مہم بھی کامیاب رہی۔ مالِ غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ کچھ اونٹ بھی آئے۔

سریۂ شجاع رضؓ ابن وہب بجانب ذات عرق :۔

ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شجاع رضؓ ابن وہب اسدی کی سرکردگی

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۰۹ ـــــ ۶۱۰؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۴۔

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۶ ـــــ

میں چوبیس (کچھ روائیتوں کے مطابق پچیس) آدمیوں پر مشتمل ایک سریہ بنو عامر کی جانب ذات عرق بھیجا۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے پانچ راتوں کی مسافت پر تھا۔[۴] ایک معمولی لڑائی کے بعد دشمن بھاگ نکلا اور مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں اونٹ اور بکریاں ملیں۔

سریۂ کعبؓ ابن عمیر بجانب ذات اطلح:۔

ماہِ ربیع الاوّل میں ہی پندرہ آدمیوں پر مشتمل ایک اور سریہ ذات اطلح کی طرف بھیجا گیا یہ مقام شام کی سرحد پر واقع ہے۔[۵] اس سریہ کا مقصد دشمن کی پیش رفت پر نگاہ رکھنا تھا۔ جب مسلمان وہاں پہونچے تو وہاں پر انھوں نے لوگوں کی ایک بڑی جماعت دیکھی، مسلمانوں نے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ اس کے جواب میں انھوں نے تیروں کی بارش کی۔ مسلمان بڑی جانبازی سے لڑے لیکن ایک کے علاوہ سب شہید ہو گئے۔ جو ایک آدمی بچ نکلا تھا اس نے مدینہ منورہ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثہ کی اطلاع دی۔ آپؐ اس حادثہ پر بہت افسردہ ہوئے اور وہاں ایک غزوہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن ابھی مسلمان مدینہ سے نکلے بھی نہیں تھے کہ معلوم ہوا کہ دشمن بھاگ کھڑا ہوا ہے اس لیے آپؐ نے فی الحال اس ارادہ کو ترک کر دیا۔[۶]

جیسا کہ پہلے کئی بار تحریر کیا جا چکا ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے سرایا کا مقصد یا تو قذاقوں اور لٹیروں کو سزا دینا تھا اور یا دشمن کو منتشر کرنا تھا۔ اس زمانہ میں صحرا میں رہنے والے بدوؤں کا ذریعہ آمدنی صرف لوٹ مار اور قتل و غارت گری تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام بدعنوانیوں پر پابندی عائد کی تو وہ آپؐ کے دشمن ہو گئے۔ اور انھوں نے ان مسلمانوں پر حملے کرنا شروع کر دیئے جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔ رسول اللہ

---

[۴] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۷۔
[۵] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۷۔
[۶] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۸۔

صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد جزیرۃ العرب کے اندر ایک پرامن اور خوشحال معاشرہ قائم کرنا تھا اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام لوگوں سے نبرد آزما ہوئے جو پاکیزہ مقصد کے حصول میں حائل تھے جس کے نتیجہ میں ایک بہت ہی قلیل مدت میں پورے جزیرۃ العرب میں امن قائم ہوگیا۔

غزوۂ موتہ

(یعنی سریہ موتہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قاصدین مختلف بادشاہوں و امراء کے پاس بھیجے تھے ان میں سے ایک قاصد حارثؓ ابن عُمیر ازدی تھے۔ ان کو بُصریٰ کے بادشاہ کے پاس بھیجا تھا جب حضرت حارثؓ موتہ[۶] پہونچے تو شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان کو قتل کر دیا[۷]۔ شرحبیل قیصر روم ہرقل کا گورنر تھا۔ قاصدوں کا قتل تمام قبائل کے نزدیک غیر اخلاقی سمجھا جاتا تھا اور بین الاقوامی جرم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ پر بے چین ہوگئے۔ جمادی الاوّل ۸ھ (اگست/ستمبر ۶۲۹ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ ابن حارثہؓ کی سرکردگی میں تین ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا۔ اس لشکر کو شام کی جانب روانہ ہونا تھا تاکہ رومیوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مسلمان ان سے خائف نہیں ہیں۔ ایک آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ ابن حارثہ کو اس لشکر کا امیر مقرر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

"اگر زیدؓ شہید ہوگئے تو جعفرؓ ابن ابی طالب تمہارے امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہوگئے تو عبداللہؓ ابن رواحہ امیر ہوں گے۔ اور اگر وہ بھی شہید ہوگئے تو تم اپنے میں سے کسی کو امیر بنالینا[۸]"

شرحبیل کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ مسلمانوں کی روانگی کی اطلاع ملی۔ اس نے ان سے مقابلہ کے لیے ایک لاکھ فوج تیار کی اور خود اس کا سپہ سالار بنا۔ مسلمانوں نے سفر کے

---

۶ موتہ اردن کے شہر کرک سے تقریباً ۱۲ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے تقریباً ۱۱سو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

۷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ۱۲۸؛ ابن قیم زادالمعاد، ج ۱، ص ۴۱۴۔

۸ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ۳، ۳۷۳؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۸؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۳۶۔

۹ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۴۰-۴۱؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۸۔

دوران یہ افواہ بھی سنی کہ خود ہرقل بھی مزید ایک لاکھ فوج کے ساتھ ان کے مقابلہ پر آرہا ہے۔ اس لیے مسلمان "معان" کے مقام پر دو راتوں کے لیے ٹھہر گئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ انھیں کیا کرنا چاہیئے۔ بالآخر حضرت عبداللہؓ ابن رواحہؓ کی جوشیلی و بلیغ تقریر سننے کے بعد انھوں نے طے کیا کہ وہ ہر حال میں دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

حضرت زیدؓ ابن حارثہؓ علمبردار تھے اور انھوں نے کارروائی کے سلسلہ میں ہدایت دی۔ ایک سخت جنگ ہوئی جس میں شرحبیل کا بھائی قتل ہوگیا اور خود اس نے ایک قلعہ میں پناہ لی۔ اس نے ہرقل کو فوری مدد کے لیے درخواست بھیجی جس کے جواب میں رومی بادشاہ نے ایک زبردست فوج اس کی مدد کے لیے بھیجی اب مسلمانوں کا مقابلہ ایک زبردست لشکر سے تھا۔ دورانِ جنگ حضرت زیدؓ بن حارثہ شہید ہوگئے پھر علَم حضرت جعفرؓ نے اٹھا لیا۔ انھوں نے قصداً اپنے گھوڑے کی کوچیں کاٹ کر اس کو ناکارہ بنا دیا تاکہ میدانِ جنگ سے واپسی کا خیال بھی ذہن میں نہ رہے۔ پھر وہ دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور شہادت تک جانبازی سے لڑتے رہے۔ ان کی شہادت کے بعد عبداللہؓ بن رواحہ نے علَم تھام لیا۔ لیکن وہ بھی ایک گھمسان کی لڑائی کے بعد مارے گئے۔ ان کے بعد مسلمانوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اپنا امیر مقرر کیا۔ حضرت خالدؓ نے علم ہاتھ میں لیا اور مسلمانوں کے سخت جانی نقصان کو محسوس کیا۔ فنونِ جنگ، ہمت و جوانمردی میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی بچی کھچی فوج کو دوبارہ منظم کیا۔ اس بار مسلمان کچھ زیادہ کامیابی سے لڑے۔ حضرت خالدؓ کے ہاتھ میں آٹھ تلواریں ٹوٹیں شام کے وقت جنگ دوسرے دن کے لیے ملتوی کر دی گئی۔[۱۲]

اگلے دن حضرت خالدؓ نے اپنے لشکر کو کافی دور تک پھیلا دیا گویا کہ وہ دشمن کے چاروں طرف گھیرا ڈال رہے ہوں مگر رومیوں نے جنگ نہیں کی اور حضرت خالدؓ اپنے منصوبہ کے مطابق بچی ہوئی فوج لے کر موتہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ رومی مسلمانوں کے جانے پر اور لڑائی

---

۱۰ ابن قیم، زادالمعاد، ج ۱، ص ۴۱۵۔

۱۱ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۵۰۷۔ مزید ملاحظہ ہو صحیح بخاری غزوہ موتہ۔

۱۲ جنگ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: زادالمعاد، ج ۱، ص ۴۱۴ - ۴۱۵، السیرۃ النبویہ از ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۷۳ - ۳۷۶؛ الطبقات الکبریٰ از ابن سعد، ج ۲، ص ۱۲۸ - ۱۲۹۔

کے خاتمہ پر خوش ہوئے کیونکہ وہ حضرت خالدؓ سے مزید مقابلہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مدینہ منورہ کے مسلمان اس لشکر کی اس طرح واپسی پر خوش نہیں ہوئے اور جب اہلِ لشکر مدینہ منورہ پہونچے تو انھوں نے ان پر دھول پھینکی اور کہا "یہ فرّارون!" یعنی "او فراریو تم اللہ کے راستے سے بھاگ آئے"! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی طرف سے مسلمانوں کا جواب دیا۔ "لا فرارون بل کرّارون" (یعنی ہم فرار ہونے والے نہیں ہیں بلکہ انشاء اللہ بار بار حملہ کرنے والے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اس لشکر میں ہونے والے چیدہ صحابہؓ کی شہادت پر بہت افسوس ہوا۔[۱۴۳]

جنگ موتہ کے اثرات:

جنگ موتہ نے مختلف طبقات کے ذہن و دماغ پر مختلف اثرات ڈالے۔ مسلمان لشکر کی اس طرح واپسی پر خوش نہیں تھے ان کے نزدیک صرف دو ہی راستے تھے۔ یا تو کامیابی یا پھر اللہ کے راستے میں شہادت۔ عیسائیوں نے اس کو نہ تو اپنی کامیابی سمجھا اور نہ ہی ناکامی۔ وہ مسلمانوں کی ہمت، جوانمردی اور دلیری پر حیران تھے۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اس طرح کے لوگوں سے جنگ کرنا شیر کے منھ میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے۔ ان کو مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ حضرت جعفرؓ جیسے شہید سے ہوا جو اپنے دونوں ہاتھ کٹنے کے باوجود بھی لڑتے رہے اور حضرت خالدؓ جیسے بہادر سپاہی سے ہوا جن کے ہاتھ سے جنگ کے دوران آٹھ تلواریں ٹوٹیں۔ اس لیے رومیوں نے یہ مناسب سمجھا کہ مسلمانوں کو انھیں کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ نہ تو ان سے جنگ کی جائے اور نہ ہی صلح۔

یہودی اور کفار مکہ مسلمانوں کی اس ظاہری پسپائی پر بہت خوش ہوئے وہ اپنی خوش فہمی میں یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ انھوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ ایک دن رومیوں کے

۱۴۳؎ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۸۲؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۹؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۴۴ (ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں :- ویقولون یا فُرّار، فررتم فی سبیل اللہ! قال فیقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیسوا بالفرّار ولکنہم الکرّار ان شاء اللہ تعالیٰ)

ہاتھوں مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس لیے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوب سے تنگ و ہراس کرنا شروع کر دیا جبکہ مسلمان شمال میں رومیوں سے نبرد آزما تھے۔

اس کے برخلاف عرب کے کچھ قبائل مسلمانوں کی اس جنگ سے کافی متاثر ہوئے کہ تین ہزار معمولی سپاہی دو لاکھ کی تربیت یافتہ فوج سے لڑے اور کچھ زیادہ نقصان نہیں اٹھایا۔ کچھ مؤرخین کے مطابق عرب کے کچھ قبائل نے اس اثر سے اسلام بھی قبول کیا۔

سریۂ عمرو ابن العاص بجانب ذات السّلاسل :۔

جمادی الآخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ ابن عاص (جو کہ ایک نو مسلم تھے) کی امارت میں تین سو آدمیوں کی ایک فوج ذات السّلاسل کی طرف بھیجی۔ ذات السّلاسل مدینہ منورہ سے دس دن کی مسافت[۱۴] پر واقع ہے۔ اس لشکر کا مقصد بنو قضاعہ کو منتشر کرنا تھا بنو قضاعہ نے ایک زبردست جماعت مسلمانوں کے خلاف اکٹھا کر لی تھی اور وہ مدینہ پر حملہ کرنے کی بھی دھمکیاں دے رہے تھے۔ مسئلہ کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے عمروؓ بن العاص کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ ان قبیلوں کو بھی مدد کے لیے بلالیں جو مسلمانوں کے تابعدار بن چکے تھے مثلاً بنو بلی، بنو عذرا اور بلقین وغیرہ۔ دس دن کی مسافت کے بعد انھوں نے شام کی سرحد کے پاس ایک چشمہ سلسل پر پڑاؤ ڈالا۔ یہ معلوم ہونے پر کہ دشمن بہت بڑی تعداد میں جمع ہو چکا ہے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید کمک بھیجنے کے لیے لکھا۔ آپؐ نے ابو عبیدہؓ ابن جراح کی امارت میں ۲۰۰ آدمیوں کو بطور کمک بھیجا۔ حضرت عمروؓ بن عاص مشترکہ لشکر کے سپہ سالار رہے۔ جب وہ بنو بلی اور اور بنو عذرہ قبائل سے گذرے تو ان دونوں قبیلوں نے بھی اپنی وفاداری مسلمانوں کے ساتھ ظاہر کی۔ بالآخر وہ اس مقام پر پہونچے جہاں دشمن اکٹھا ہوا تھا۔ لیکن دشمن مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قاصد بھیجا اور آپؐ کو اس مہم میں کامیابی کی اطلاع دی۔

---

[۱۴] الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۱۔

فتح مکہ سے قبل بعض چھوٹے چھوٹے سرایا

ابن سعد نے سریہ ذات السلاسل کے بعد اور فتح مکہ سے قبل مندرجہ ذیل سرایا کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) سریہ ابو عبیدہؓ :-

رجب ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہؓ ابن جراح کی امارت میں تین سو آدمیوں پر مشتمل ایک سریہ جہینہ کی طرف روانہ کیا یہ مقام ساحل سمندر پر واقع ہے۔[۱۵] اس سریہ میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی لیکن یہ ایک اور واقعہ کی وجہ سے بہت مشہور ہوا۔ سریہ کے دوران سامان رسد ختم ہوگیا، اور مجاہدین بھوک سے بے تاب ہو گئے۔ اسی دوران اللہ کی ایک مدد آئی اور انھوں نے ایک بڑی مچھلی عنبر کا شکار کیا، جس سے ان کی بھوک دور ہوئی۔

(۲) سریہ ابو قتادہؓ بجانب خُضرہ :-

ماہ شعبان میں دس (کچھ روایتوں کے مطابق پندرہ) آدمیوں پر مشتمل ایک چھوٹا سریہ نجد میں قبیلہ غطفان کی ایک شاخ کی طرف روانہ کیا گیا۔[۱۶] اس کے امیر ابو قتادہؓ تھے۔ اس سریہ میں ایک معمولی لڑائی ہوئی۔ مسلمانوں کو اونٹ اور بھیڑوں اور قیدیوں کی شکل میں کافی مال غنیمت حاصل ہوا۔

(۳) سریہ ابو قتادہؓ بجانب وادیٔ اِضم :-

رمضان کے مہینہ میں ایک اور چھوٹا سریہ حضرت ابو قتادہؓ کی امارت میں وادیٔ اِضم کی جانب بھیجا گیا۔[۱۷] اس میں آٹھ آدمی شامل تھے۔ سفر کے دوران سریہ میں شامل ایک شخص

---

۱۵ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۲؛ صحیح بخاری (کتاب المغازی، باب غزوۃ سیف البحر)؛ ابن قیم، زاد المعاد، سریہ خبط۔

۱۶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۲۔

۱۷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۳ (نوٹ:- ابن قیم نے زاد المعاد میں اس جگہ کا نام ضم لکھا ہے اور سریہ کا نام سریہ ضم لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو ج ۱، باب ۳۶۔)

محلّم ابن جثامہ نے ایک شخص عامر کو قتل کر دیا حالانکہ عامر نے اسلامی قاعدہ کے مطابق سلام کیا تھا تاکہ مسلمانوں کو یہ علم ہو جائے کہ وہ مسلمان ہیں۔ اس واقعہ پر قرآنِ کریم کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

يَآيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰٓ إِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ (النساء، آیت ۹۴)

ترجمہ:۔ "اے ایمان والو جب تم اللہ کے راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو تمہیں سلام کرے (یا تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے) یوں مت کہہ دیا کرو کہ تم مسلمان نہیں۔"

فتح مکّہ کے محرکات و اسباب

قریش اور ان کے خلفاء کی عہد شکنی :۔

صلح حدیبیہ کے نفاذ کو دو سال ہو چکے تھے۔ اس دوران امن و سکون کی جو فضا رہی اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کافی تقویت پہونچی۔ معاہدہ کے نفاذ کے بعد قبیلہ خزاعہ نے اپنے دوستانہ تعلقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم کر لیئے تھے جبکہ بنی خزاعہ کا مخالف قبیلہ بنو بکر قریش کا حلیف[۱۸] بن گیا تھا۔ مسلمانوں کی ہر دلعزیزی کو دیکھ کر قریش اندر ہی اندر سلگ رہے تھے۔ قریش نے بنو بکر اور ان کے حلیفوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا۔ ایک رات جبکہ بنو خزاعہ وتیر نامی چشمہ کے پاس سو رہے تھے۔ بنو بکر ان پر حملہ آور ہوئے اور نہ صرف ان کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا بلکہ ان کا مال و اسباب بھی لوٹ لے گئے۔ کچھ مؤرخین کے مطابق قریش نے آدمیوں اور ہتھیاروں سے بنو بکر کی مدد کی[۱۹]۔ عکرمہ ابن ابی جہل، صفوان ابن امیہ اور سہیل ابن عمرو وغیرہ نے منھ پر نقاب

---

[۱۸] ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۴۳۔

[۱۹] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۹۰؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۴؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۴۴؛ ابن البر، الدرر، ص ۲۲۴؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۱۹۔

ڈال کر بنو بکر کی طرف سے اس جنگ میں حصہ لیا[۲۰]۔ بنو خزاعہ نے مکہ میں پناہ لی لیکن بنو بکر نے حرم میں بھی خونریزی کی جہاں کہ عرب کی روایات کے مطابق قتل وغارت ممنوع تھی۔ بنو خزاعہ نے قریش سے شکایت کی لیکن قریش نے ان کی کوئی فریاد نہیں سُنی۔ چنانچہ بنو خزاعہ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور آپؐ سے مدد کی درخواست چاہی۔ صحابہؓ سے مشورہ کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سامنے ایک پیغام کے ذریعہ تین شرطیں رکھیں اور کہلوایا کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیں۔:۔

(۱) قریش قبیلہ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خوں بہا ادا کریں۔

یا

(۲) قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

یا

(۳) یہ اعلان کر دیا جائے کہ معاہدہ صلح حدیبیہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے پہلی دو شرطیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے ایک قاصد قرط ابن عمر کے ذریعہ یہ کہلوا بھیجا کہ وہ صرف تیسری شرط منظور کرتے ہیں[۲۱]۔ قریش کا یہ ایک غیر مدبرانہ فیصلہ تھا۔ ابوسفیان کو جب اس غلطی کا احساس ہوا اور قریش کیلئے خطرہ محسوس ہوا تو وہ خود فوراً مدینہ منورہ گیا تاکہ آپؐ سے معاہدہ کی دوبارہ تجدید کی جائے[۲۲]۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ مسلمانوں کے مطالبات بھی ماننے کو تیار نہیں تھا۔ یہ ایک مہمل بات تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پوری طرح سمجھ چکے تھے اس لیے آپؐ نے معاہدہ کی تجدید سے انکار کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مکہ کے لیے تیاریاں:۔

تقریباً ۲۰ سال سے قریش مسلمانوں کے لیے باعث اذیت و پریشانی بنے ہوئے تھے۔

۲۰۔ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۴۴۔

۲۱۔ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۲، ص ۳۳۶۔

۲۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۹۶؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۴؛ ابن جریر طبری — تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۴۶؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۰۔

مسلمانوں اور اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی خاطر انھوں نے تین بار مدینہ منورہ پر حملہ کیا تھا۔ مسلمانوں کے لیے قریش کو ان کی غداری اور بدسلوکی کا بدلہ دینے کا یہ وقت انتہائی موزوں تھا۔ اس میں تھوڑی سی بھی تاخیر حالات کو بدل سکتی تھی اور اس کا دشمن فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ جنگ کی تیاری شروع کر دیں اور آپؐ نے عرب کے دیگر حلیف قبائل کو بھی دعوت دی کہ وہ آپؐ کے ساتھ شامل ہو جائیں۔[۲۳] لیکن ساتھ ہی ساتھ آپؐ نے اس تیاری کو نہایت راز میں رکھا یہاں تک کہ مدینہ کے بعض مسلمان سمجھتے رہے کہ آپؐ رومیوں کو سزا دینے کے لیے شام جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔

ایک مسلمان حاطب ابن ابی بلتعہ کی کچھ قرابت داری مکہ میں تھی ان کو اپنے رشتہ داروں کی فکر ہوئی کہ کہیں مکہ پر حملہ کے دوران ان کو نقصان پہونچے اس لیے خفیہ طور پر انھوں نے ایک قاصد کے ذریعہ اپنے رشتہ داروں کے پاس مسلمانوں کے اقدام کے بارے میں ایک خط بھیجا۔ ان کی یہ نادان حرکت تھی اگر وہ خط قریش کو مل جاتا تو وہ مقابلہ کی تیاری کر لیتے جس کے نتیجہ میں شاید کافی خونریزی اور جانی اتلاف ہوتا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس خط کی اطلاع مل گئی آپؐ نے فوراً کچھ آدمیوں کو بھیجا جنھوں نے قاصد کو جا لیا اور خط واپس لے آئے۔ مسلمان بالخصوص حضرت عمرؓ حضرت حاطبؓ کی اس حرکت پر بہت برہم ہوئے اور وہ ان کو سزا دینا چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ حضرت حاطبؓ ایک مخلص مسلمان تھے اور انھوں نے اپنی اس حرکت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صدق دلی سے معافی مانگ لی تھی۔ اس لیے آپؐ نے ان کو معاف فرما دیا۔[۲۴] یہ معافی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

قریش کی حیرانی و بدحواسی:۔

۱۰ رمضان ۸ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار جانثاروں[۲۵] کے ساتھ

---

۲۳ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ۳۹۷؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۴-۱۳۵؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۴۸۔

۲۴ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۳۹۹؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۹؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۲۱۴؛ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح وما بعث حاطب ابن ابی بلتعہ

۲۵ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۰۴؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۵۰؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۳۵؛ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح فی رمضان۔

مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ اور اس طرح وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو دو ہزار سال قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی "وہ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔" (استثناء ۳۳: ۲)[24] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے زمانے میں سوائے فتح مکہ کے واقعہ کے کوئی دوسرا واقعہ ایسا نہیں گذرا ہے جس میں یہ پیشنگوئی پوری ہوئی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار صحابہؓ تھے جو بغیر کسی استثنیٰ کے سب کے سب نیک اور صالح تھے جن کے لیے توریت کے انگریزی ترجمے میں "saints" (سینٹس) کا لفظ استعمال ہوا ہے اور جس کا اردو میں "قدسیوں" سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ saint (سینٹ) نیک اور صالح آدمی کو کہتے ہیں۔ بعض انگریزی مصنفین مسلمان صوفیا کو "Muslim saint" (مسلم سینٹ) لکھتے ہیں اس سے لفظ "سینٹ" کے اردو معنی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "مَرّ الظّہران" پر خیمہ زن ہوئے۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر واقع ہے۔ ایک بڑے لشکر کو خیمہ زن دیکھ کر قریش حیران و پریشان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لشکر کے ہر خیمہ میں خوب آگ روشن کی جائے اس سے قریش پر یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر بے شمار ہے۔ وہ رات کے اندھیرے میں پورا کا پورا صحرا آگ سے روشن دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ ان کا سردار ابوسفیان حالات کا جائزہ لینے کے لیے ان پہاڑیوں پر آیا جہاں مسلمان لشکر خیمہ زن ہوا تھا۔ مسلمانوں نے اس کو پہچان لیا اور پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ یہ وہی ابوسفیان تھا جو اسلام کا شدید ترین دشمن تھا جس نے مسلمانوں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف متعدد لڑائیاں لڑی تھیں اور اسلام و مسلمانوں کی بیخ کنی کے لیے جو کچھ وہ کر سکتا

---

[24] توریت کی پوری آیت اس طرح ہے: "وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی۔ وہ اپنے لوگوں سے محبت رکھتا ہے اور اپنے مقدس لوگوں کو برکت کی دعا دیتا ہے۔" (استثناء ۳۳: ۲،۳) ('The New English Bible', Oxford University Press, Deut., 33: 2,3.) نوٹ: بائبل کے کچھ دوسرے ترجموں میں انگریزی لفظ 'myriads' ہے جس کا اردو ترجمہ ہے: دس ہزار، بے شمار، لا تعداد، ہزارہا، لاکھوں، کروڑوں (اس لفظ کے اردو ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو انگریزی اردو ڈکشنری از بابائے اردو مولوی عبدالحق صفحہ ۷۲۰)۔ ویسے اکثر ترجموں میں الفاظ "دس ہزار" ہیں۔

تھا اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ آج وہی ابوسفیان رحمۃ للعالمینؐ کے حضور میں حاضر تھا۔ آپؐ رحمدلی، حسنِ اخلاق، حلم و بردباری کے پیکر تھے۔ آپؐ نے نرم دلی سے ابوسفیان سے دریافت کیا "ابوسفیان! کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں؟"[۲۴ الف] ابوسفیان نادم تھا۔ اس نے جواب دیا "اگر کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا"۔ جب ابوسفیانؓ اسلام لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تمام پچھلی خطائیں معاف فرمادیں (کیونکہ اسلام اپنے سے پہلے کی خطاؤں کو معاف کردیتا ہے۔) اور ان کے گھر کو جائے امان بناتے ہوئے فرمایا "جو ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہوجائے گا اس کو پناہ ملے گی"[۲۴ب] زیادہ تر سیرت نگاروں کی یہ رائے ہے کہ ابوسفیانؓ اس وقت بظاہر ایمان لے آئے تھے لیکن کامل ایمان نہیں لائے تھے۔ (ملاحظہ ہو نوٹ ۲۴الف) بہر حال بعد کو وہ ایک مخلص مسلمان بن گئے۔ یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رحم دلانہ اور کریمانہ برتاؤ پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔ آپؐ نے اپنے بدترین دشمن کے ساتھ ایسے بے مثال اخلاق کا مظاہرہ کیا کہ اس کے گھر کو بھی دارالامان بنادیا۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی اپنا دروازہ بند کرلے گا اس کو امان ملے گی اور جو مسجدِ حرام میں چلا جائے گا اس کو بھی امان ملے گی۔[۲۵]

---

[۲۴] ۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۰۳؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج، ص ۵۲؛ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ج ۱، ص ۵۱۴؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۳۰؛ ابن قیم، زادالمعاد، ج ۱، ص ۴۲۲؛ بخاری نے اس واقعہ کو مختصراً اس طرح بیان کیا ہے "جب ابوسفیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو اس نے اسلام قبول کرلیا"، ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الفتح۔

[۲۴ الف]۔ سیرت کی کچھ کتابوں میں مکالمہ کی پوری تفصیلات درج ہیں۔ ہم مختصراً اس کو اتنا ہی درج کرتے ہیں۔ ابوسفیان کے ان کلمات کو محققین نے ان کے اسلام لانے کے مترادف قرار دیا ہے۔ کچھ روایتوں میں ہے کہ انھوں نے رسالت کے اقرار میں تذبذب ظاہر کیا لیکن حضرت عباسؓ کی تنبیہ پر رسالت کا اقرار بھی بادلِ نخواستہ کرہی لیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ: ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۰۳؛ زادالمعاد، ج ۱، ص

[۲۴ب] ابن ہشام السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۰۹۔ وغیرہ۔

[۲۵] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۰۵؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۵۴؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۳؛ ابن قیم، زادالمعاد، ج ۱، ص ۴۲۲۔

فتح مکہ

ابوسفیانؓ نے بلند آواز سے اہلِ مکہ کو اس امان کے بارے میں بتایا جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دی تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کے زبردست لشکر کے بارے میں بھی ان کو اطلاع دی گویا کہ اشارہ دیا کہ اگر ان کو روکا گیا تو شدید خونریزی ہوگی۔ چنانچہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں اور مسجد حرام میں پناہ گیر ہوگئے۔

دوسرے دن صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پُرامن طریقے سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ خون نہیں بہایا جائے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کے دستے کے علاوہ مسلمانوں کے تمام دستے بغیر کسی رکاوٹ کے پرامن طریقے سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ لیکن جب حضرت خالدؓ بن ولید کا دستہ داخل ہو رہا تھا تو قریش اور بنو بکر کے کچھ لوگوں نے جن میں قریشی سرداران صفوان، سہیل اور عکرمہ بن ابی جہل بھی شامل تھے مسلمانوں کے اس دستہ پر تیر برسائے۔ ان کے تیروں سے دو مسلمان شہید ہوگئے۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں سے جواب دینے کو کہا۔ ایک معمولی سی لڑائی کے بعد وہ لوگ بارہ[۱۲] لاشیں چھوڑ کر فرار ہوگئے۔[۲۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اللہ کے حضور میں عاجزی و انکساری کے طور پر سر جھکائے ہوئے تھے[۳۰] اس لیے کہ اللہ نے آپؐ کو فتح سے نوازا تھا۔ اس کے تشکر میں آپؐ کا سر سواری پر اتنا جھکا ہوا تھا کہ ریش مبارک کجاوہ سے لگ رہی تھی۔

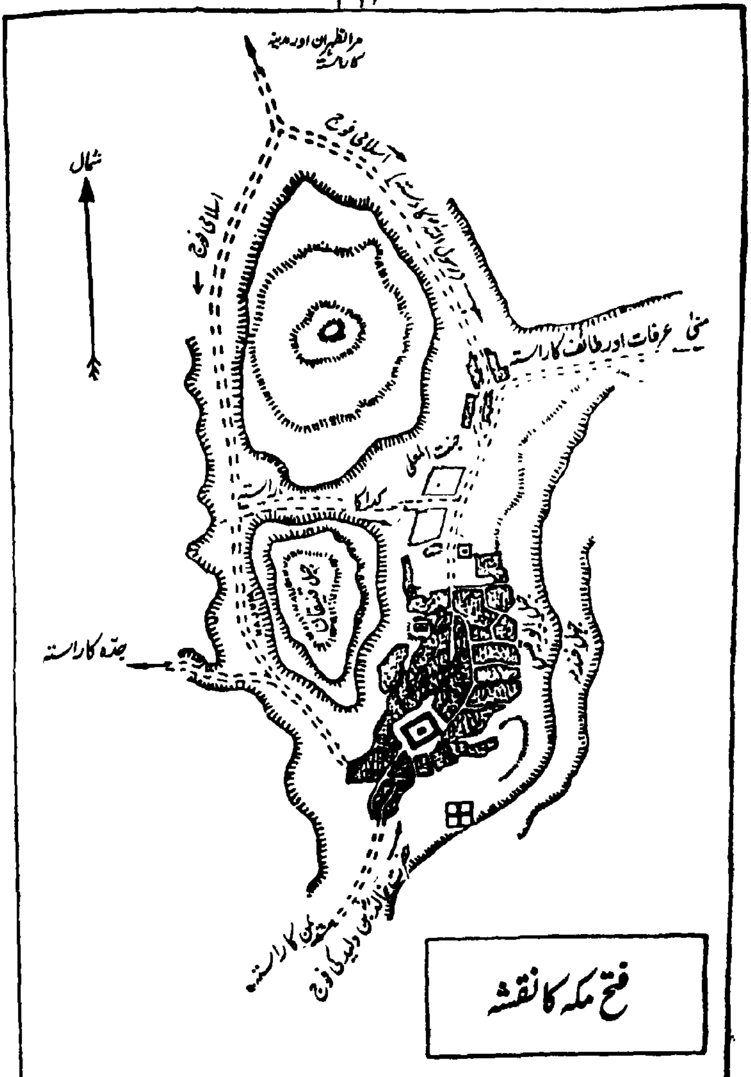
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے اور اللہ کے گھر کو بتوں سے پاک کیا۔ جب آپؐ بتوں کو وہاں سے ہٹا رہے تھے تو مندرجہ ذیل آیت کریمہ پڑھتے جاتے تھے[۳۱]

---

۲۹ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۰۷ ـ ۴۰۸۔

۳۰ محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہؓ، ج ۲، ص ۵۴۸۔

۳۱ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ۲، ۱۳۰، ۱۳۱ (نوٹ ۱۔ ابن سعد نے اس موقع پر پوری آیت تحریر کی ہے جبکہ دوسری کتابوں میں کچھ الفاظ آیت کے ہیں اور کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔) مزید ملاحظہ ہو: ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۱۱؛ صحیح بخاری، کتاب المغازی؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۴۔



نقشہ مکۃ المکرمۃ

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝

(سورہ اسراء، آیت ۸۱)

ترجمہ: "حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بیشک باطل مٹنے کی ہی چیز تھی۔"

حضرت بلالؓ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی[۳۲]۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں امامت فرمائی۔

دشمنوں کے ساتھ مثالی عفو درگزر:۔

نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمانؓ ابن طلحہ کو بلایا ان کے پاس کعبہ کی کنجی رہتی تھی۔ ایک دفعہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف کعبہ میں داخل ہونے سے منع کر چکا تھا بلکہ آپؐ کے ساتھ بدسلوکی بھی کی تھی۔ آپؐ نے اسی عثمانؓ ابن طلحہ کے سپرد پھر چابی کی اور فرمایا "اگر کوئی شخص کعبہ کی چابی کو عثمانؓ ابن طلحہ (یا اس کے خاندان کے کسی آدمی سے) لے گا تو وہ ظالم ہوگا"[۳۳]۔

قریش اور ان کے سردار خاموشی سے مسجد حرام کے صحن میں یہ سب منظر دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر قریش سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اے مکہ کے سردارو! تم آج اپنے ساتھ کس سلوک کی امید رکھتے ہو؟" انھوں نے جواب دیا، آپؐ (ہم میں سے چھوٹے کے) ایک شریف بھائی ہیں اور (ہم میں سے بڑے کے) ایک کریم النفس بھتیجے ہیں[۳۴]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ "لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوا وَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ"۔

۳۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۷۔

۳۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۶؛ ابن قیم زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۵۔ مزید ملاحظہ ہو: الدرر از ابن عبد البر، ص ۲۳۴۔ ابن عبد البر نے صرف یہ نقل کیا ہے: "آپؐ نے (عثمان ابن طلحہ سے) فرمایا: تم اور تمہاری نسل اس کو قیامت تک اپنے پاس رکھو"

۳۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۱۲؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۱۶۱؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۴۲۴۔

"تمہارے اوپر آج کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو" جب اہل مکہ نے یہ الفاظ سنے تو ان کے کانوں کو یقین نہیں آیا۔ آپؐ کا یہ حسنِ سلوک اس مجمع میں موجود ہر شخص کی دل کی گہرائیوں تک اتر گیا، آپؐ بلاشبہ ان خطابات کے مستحق تھے:

"انسانیت میں سب سے عظیم انسان، انسانیت کیلئے باعث فخر" اور "رحمۃ للعالمین"

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ایک مثالی سلوک کیا آپؐ کو آپکے متبعین کو مکہ میں ۱۲ سال تک سخت اذیتیں پہونچائی گئی تھیں۔ ان اذیتوں کی وجہ سے بالآخر آپؐ اور مسلمان مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ قریش کے اس مجمع میں وہ لوگ بھی موجود تھے جنھوں نے آپؐ کو قتل کرنے کی سازش کی تھی، اس میں وہ لوگ بھی تھے جو آپؐ کی محبوب صاحبزادی کی موت کا سبب بنے۔ اس میں ہندہ (ابوسفیان کی بیوی) جیسی عورت بھی تھی جس نے آپؐ کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کو اپنے غلام وحشی سے جنگ اُحد میں شہید کرا کے ان کا کلیجہ اور دل چبایا تھا، مگر ان لوگوں کے یہ تمام قصور معاف کر دیئے گئے۔ اور بھلا دیئے گئے۔ اسلام کے بدترین دشمن کو بھی درگذر کر دیا گیا۔ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ کسی فاتح نے فتح کے بعد مفتوحین سے اس محبت و رحمدلی کا برتاؤ کیا ہو۔

مغربی مؤرخین نے بھی یہ اعتراف کیا ہے "تاریخ کے صفحات میں کسی فتح میں بھی اس فتح جیسا (مفتوح شہر میں) داخلہ نہیں ملتا[۴۵] کوئی بھی فتح بغیر خون بہائے نہیں ہوئی"۔ قدیم و جدید دنیا کی تاریخ میں مفتوحین کو اس طرح کی عام معافی کبھی نہیں دی گئی۔ تاریخ عالم کا ریکارڈ ایسی بے مثال شخصیت پیش کرنے سے قاصر ہے جو عفو و درگذر اور رحمدلی کی ان چوٹیوں تک پہونچا ہو جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہونچے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی ہمیں انسانیت کی ہمدردی اور اس اعلیٰ عفو عام کی مثال نہیں ملتی کیونکہ ان کو وہ طاقت حاصل نہیں ہوئی تھی جس سے وہ ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کر دکھاتے جنھوں نے ان پر ظلم کیا تھا۔

---

۴۵ کے۔ علی، A Study of Islamic History, p.63.

بوسورتھ اسمتھ فتح مکہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"مکہ میں کوئی ایسی چیز واقع نہیں تھی جو آپؐ کی خوشی کے ارادہ میں حائل ہوئی اگر آپؐ نے (اعلیٰ کردار کا) کوئی تمغہ پہنا ہوتا تو اب آپؐ اس کو بھی اتار دیتے۔ اگر مقاصد سفلی بتدریج مقاصد علیا میں بدل جاتے ہوں یا جیسا کہ گبن خیال کرتا ہے کہ آپؐ کے ذاتی مفاد نے آپؐ کو اعتدال پر قائم رکھا تو ہمارے سامنے یہ تمام چیزیں اس موقعہ پر عیاں ہوتیں، یہ وہ موقعہ تھا جب جاہ طلبی و بوالہوسی پوری ہو سکتی تھی، ہوائے نفس شکم سیر ہو سکتی تھی اور آپؐ کا انتقام کا جذبہ آسودہ ہو چکا ہوتا۔ کیا اس قسم کی کوئی چیز رونما ہوئی۔ مکہ میں محمدؐ کے داخلہ کا جائزہ لیجئے اور اسی کے ساتھ ساتھ ماریس یا سُلّا کے روم میں (فاتحانہ) داخلہ کو پڑھئے اور دونوں کے حالات کا مقابلہ بھی کریئے اور پھر دیکھئے اس ظلم و ستم کو جو ان فتوحات کے بعد ہوا کہ کس طرح انھوں نے دوبارہ حاصل کی ہوئی طاقت کا استعمال کیا اس کے بعد ہی ہم نبی عربیؐ کی اولوالعزمی اور اعتدال پسندی کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہاں پر کسی قتل کا فتویٰ نہیں تھا۔ کوئی لوٹ نہیں تھی اور کوئی وحشیانہ بدلہ نہیں تھا۔"[۳۶]

خطبۂ فتح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاریخی دن مندرجہ ذیل خطبہ دیا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اَلَا كُلُّ مَاثِرَةٍ وَمَالٍ وَدَمٍ فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ اِلَّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ، يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ، اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ، "يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَ

---

۳۶ Bostworth Smith, "Mohammad and Mohammedanism" , p.142, as quoted in "Muhammad, The Holy Prophet, by H.G.Sarwar, p.454.

جَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ [۳۷] (سورہ حجرات[۳۶]، آیت ۱۳)

ترجمہ: "ایک اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندہ کی مدد کی، اور تمام گروہوں کو تنہا شکست دی۔ یاد رکھو تمام مفاخر، تمام انتقامات، تمام خوں بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہے۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور و نسب کا افتخار اللہ نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔"

(اس کے بعد آپؐ نے قرآن کریم کی آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے)

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے۔"

اس کے بعد آپؐ نے مزید فرمایا "اِنَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ" بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی تھی[۳۸]۔

آپؐ نے مہاجرین کو ممانعت فرما دی کہ وہ اپنی اس جائداد کا دعویٰ کریں جو انھوں نے مکہ سے ہجرت کے وقت چھوڑ دی تھی اور جو اہل مکہ کے قبضہ میں تھی[۳۹]۔

فتح مکہ دراصل اسلام کی بے مثال فتح ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کے راستے میں غیر متزلزل یقین کی عظیم کامیابی ہے۔

---

۳۷ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۱۲؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۶۰-۱۶۱؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۸۰۹؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۲۴۔

۳۸ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۵۱۸، مزید ملاحظہ ہو: صحیح بخاری۔

۳۹ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۵۲۰۔

بڑے بتوں کو مسمار کرنے کے لیے بعض سرایا

(الف) عزّیٰ کو گرانے کے لیے سریۂ خالدؓ بن ولید :۔

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵ رمضان کو ۳۰ گھوڑ سواروں[40] کے ساتھ حضرت خالدؓ کو مشرکوں کے ایک بڑے بت عزیٰ کو گرانے کے لیے بھیجا وہ بت کو مسمار کرکے مکہ واپس آگئے۔

(ب) سواع کو گرانے کے لیے عمروؓ بن عاص :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ ابن عاص کی سرکردگی میں بنو ھذیل کے بت سواع کو منہدم کرنے کے لیے ایک اور سریہ بھیجا[41] حضرت عمروؓ نے بت مسمار کر دیا اور بت کے نگراں نے اسلام قبول کر لیا۔

(ج) منات کو گرانے کے لیے سریۂ سعدؓ ابن زید :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن زید اشہلی کو منات مسمار کرنے کے لیے بھیجا[42]۔ وہ بیس گھوڑ سواروں کے ساتھ گئے اس بت کے نگراں نے مزاحمت کی اور لڑائی میں مارا گیا۔ پھر بت کو مسمار کر دیا گیا۔

سریۂ خالدؓ بن ولید بجانب جذیمہ

عزّیٰ کو مسمار کرنے کے بعد جب خالدؓ بن ولید مکہ مکرمہ تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ۳۵۰ آدمیوں پر امیر مقرر کرکے کنانہ کے ایک قبیلہ بنو جذیمہ کی طرف روانہ کیا تاکہ

---

[40] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۳۶؛ ابن سعد، الطبقات، ج ۲، ص ۱۴۵؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۲۳۶۔
[41] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۴۶۔
[42] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۴۷۔

وہ ان کو دعوتِ اسلام دیں جب حضرت خالدؓ وہاں پہونچے تو انھوں نے بتایا کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں۔[۴۳] لیکن وہ ہتھیار بند تھے حضرت خالدؓ نے ان سے ہتھیار رکھنے کو کہا جس پر انھوں نے مزاحمت کی اور ایک لڑائی پیش آئی جس کے بعد ان کو زیر کر لیا اور قیدی بنا لیا گیا۔ جب یہ قیدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے جا رہے تھے تو ان کے ایک گروہ نے مزاحمت کی جس کا دفاع کیا گیا اور وہ لوگ قتل کر دیئے گئے۔ جب حضرت خالدؓ قیدیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے تو آپؐ ان سے بہت خفا ہوئے اور فرمایا " اے اللہ میں اس سے بری ہوں جو کچھ کہ خالدؓ نے کیا ہے"۔[۴۴]

غزوہ حنین[۴۵]

ہوازن اور ثقیف :-

بلاشبہ فتح مکہ عربوں کے داخلۂ اسلام کے لیے ایک بڑا دروازہ بنی۔ لیکن اسلام کی مخالفت کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ طائف کا حکمراں قبیلہ بنو ثقیف اور ہوازن کا جنگجو قبیلہ جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان رہتا تھا اب بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ قبیلہ ہوازن بہت طاقتور سمجھا جاتا تھا اور پہاڑیوں پر رہنے کی وجہ سے وہ کبھی بھی اہل مکہ کے اقتدار میں نہیں آیا تھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لیے اچانک تشریف نہ لاتے تو عین ممکن تھا کہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے قریش کے ساتھ مل کر آپؐ سے مزاحمت کرتے۔

فتح مکہ سے ان کے اندر اضطراب و بے چینی پیدا ہو گئی اور انھوں نے اپنے غیر اسلامی طریقہائے حیات کے لیے ایک زبردست خطرہ محسوس کیا۔ اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے

---

۴۳ ابن ہشام، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۴۲۸؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ۱۴۷ - ۱۴۸؛ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ، ج ۳، ص ۶۶؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۲۳۶۔

۴۴ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۴۸۔

۴۵ ابن قیم نے اس کا نام غزوہ اوطاس لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو زاد المعاد۔ لیکن زیادہ تر مؤرخین و محدثین بشمول بخاری نے غزوہ اوطاس کو غزوہ حنین کا ذیلی غزوہ بتایا ہے جو غزوہ طائف سے پہلے وقوع پذیر ہوا۔

انھوں نے اس وقت ایک زبردست فوج تیار کی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے اور وہاں تبلیغی فرائض انجام دے رہے تھے۔ نُصَر اور جُشَم کے قبیلے بھی ان قبائل سے مل گئے، یہ لوگ مکہ کے جنوب مشرق میں اَوطاس کی پہاڑیوں پر جمع ہو گئے، جہاں سے مکہ ایک یا ڈیڑھ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے وادی حُنین میں جمع ہو گئے، اور انھوں نے اپنے تیر انداز وادی کے اطراف کی پہاڑیوں پر بٹھا دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لشکر کو اس وادی سے گذرنا ناگزیر تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوازن و ثقیف کے لیے روانگی:۔

فتح مکہ کے تقریباً ایک ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوازن، ثقیف اور آس پاس کے دوسرے قبائل کی تیاریوں کا علم ہوا۔ اس کی اطلاع ملتے ہی آپ نے خبر رساں بھیجا تاکہ وہ ان کے حرکات و سکنات کا جائزہ لے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح صورت حال سے آگاہ کرے۔ خبر رساں جلد ہی واپس آگیا اور اس نے نہ صرف اس اطلاع کی تصدیق کی جو آپ کو ملی تھی بلکہ مزید تفصیلات بھی بتائیں۔[۲۶]

بغیر کسی تاخیر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو منتشر کرنے کے لیے ایک فوج جمع کی۔ یہ فوج دس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ جن میں دو ہزار وہ اہل مکہ بھی شامل تھے جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔[۲۷] اس لشکر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادیٔ حُنین کی طرف کوچ کیا جہاں قبیلہ ہوازن کے لوگ ایک بڑی جماعت کے ساتھ اکٹھا تھے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس غزوہ میں مسلمانوں کو اپنی تعداد پر غیر معمولی اعتماد تھا یہاں تک کہ کچھ تو مسلم اپنی تعداد پر گھمنڈ کرنے لگے تھے جو اللہ کو پسند نہیں تھا۔ قرآن اس کو اس طرح بیان کرتا ہے:۔

---

[۲۶] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۴۳؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۵۰؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۷۳؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۸۱۲۔

[۲۷] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۴۴؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۳؛ ابن عبد البر، العقد، ص ۲۳۸

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْــٴًـا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۚ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَ عَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ (سورہ توبہ آیت ۲۶،۲۵)

ترجمہ: "تم کو اللہ تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت سے موقعوں میں (کفار پر) غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت پر غرور ہوگیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہوگئی پھر (آخر) تم پیٹھ دے کر بھاگ اٹھے۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسولؐ (کے قلب) پر اور دوسرے مومنین (کے قلوب) پر اپنی طرف سے تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لیے) لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی (دنیا میں) سزا ہے۔"

میدانِ جنگ :۔

قبیلہ ہوازن کے لوگ اپنی تیراندازی کے لیے مشہور تھے جنگی نقطۂ نظر سے بھی وہ محفوظ مقام پر تھے انھوں نے اپنے بہترین تیراندازوں کو آس پاس کی پہاڑیوں پر متعین کردیا تھا جیسے ہی مسلمان فوجیں آگے بڑھیں ان کے تیراندازوں نے چاروں طرف سے تیروں کی بارش شروع کردی اور ان کے فوجی دستوں نے سامنے سے مسلمانوں پر حملہ کردیا۔ مکہ کی امدادی افواج جن میں نومسلم شامل تھے حضرت خالدؓ ابن ولید کے زیر کمان سب سے آگے تھی۔ اس لیے سب سے پہلے ان کو ہی اس اچانک حملہ کا سامنا کرنا پڑا وہ دشمنوں کے تیروں کے سامنے نہیں ٹک سکے اور پیچھے بھاگنا شروع کیا۔ جس سے مسلمانوں کی صفوں میں زبردست کھلبلی مچ گئی بدحواسی کے عالم میں ایک دستہ دوسرے دستہ پر گرنے لگا یہاں تک کہ انصار و مہاجرین کے دستے نے بھی میدان چھوڑنا شروع کردیا اور زبردست انتشار پیدا ہوگیا۔

جب مسلمانوں میں انتشار کی یہ کیفیت تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر

بھی صحابہؓ کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ اپنی جگہ پر مضبوطی سے جمے رہے۔ ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں نے جب مسلمانوں کو بھاگتا ہوا دیکھا تو پہاڑیوں کے مورچوں سے انھوں نے نیچے اترنا شروع کیا۔ ان میں سے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے قریب آگئے کہ آپ پر آسانی سے حملہ کر سکتے تھے۔

فتح :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزم و استقلال کی چٹان تھے، آپ اللہ جل شانہٗ کی پناہ میں تھے اور آپ پکار پکار کر فرما رہے تھے "میں نبی ہوں! اس میں کوئی شبہ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"[۴۸] حضرت عباسؓ جو آپ کے ساتھ تھے پکار پکار کر کہہ رہے تھے "اے انصار! وہ انصار جنھوں نے مسلمانوں کی مدد کی اور ان کو پناہ دی۔ اے مہاجرین! وہ لوگ جنھوں نے پیڑ کے نیچے بیعت کی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اندر موجود ہیں۔ ادھر آؤ۔"

ان سحر آفریں الفاظ کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ انھوں نے میدان سے بھاگتے ہوئے لوگوں کے دل و دماغ میں ایک نئی روح پھونک دی اور انھوں نے بلند آواز میں کہا لبیک۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھے۔ بہت سے مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ چھوڑ دیئے اور دشمن پر پوری طاقت سے بھرپور حملہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی لے کر دشمن کی طرف یہ کہتے ہوئے پھینکا، تمہارا چہرہ خاک آلود ہو[۴۹] مٹی پھینکنے کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ دشمن نے میدان چھوڑنا شروع کر دیا۔ ان میں کا ایک گروہ پہلے ہی بھاگ چکا تھا اور باقی کچھ مزاحمت کے بعد بھاگنا شروع ہو گئے۔ ان کا علمبردار بھی مارا گیا۔ علمبردار کو مرتا ہوا دیکھ کر باقی لوگ بھی میدان جنگ میں اپنی عورتیں، بچے، اور جانور چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو میدان جنگ میں اس لیے لائے تھے تاکہ

---

[۴۸] ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۴، ۷۶؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۲۹؛ صحیح بخاری، کتاب المغازی۔

[۴۹] ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۵۱۔ نوٹ: مٹی کے پھینکنے کا تذکرہ ان کتابوں میں بھی ہے ابن عبدالبر الدرر، ص ۲۴۰؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۷۸۔

ان کی موجودگی میں ان کے اندر زیادہ جوش وخروش پیدا ہو۔ مسلمانوں کو بڑی تعداد میں مال غنیمت ملا۔ جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے[۵۰]:

(۱) چوبیس ہزار اونٹ۔

(۲) چالیس ہزار بھیڑیں۔

(۳) چار ہزار اوقیہ چاندی۔

(۴) چھ ہزار قیدی۔

غزوۂ اوطاس

قیدیوں کو وادی جعرانہ میں رکھا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیز مسلمان بھاگتے ہوئے دشمن کے تعاقب میں گئے۔ مسلمانوں نے ان کو اوطاس کے مقام پر جا لیا۔ پھر ایک جنگ لڑی گئی جس میں دشمن کو شکست ہوئی[۵۱]۔ اس لڑائی میں دشمن کے کافی لوگ مارے گئے۔ ان کا سردار مالک ابن عوف اور باقی ماندہ لوگ طائف بھاگ گئے۔ طائف ایک فصیل بند شہر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کر لیا[۵۲]۔

محاصرۂ طائف

احتیاطاً قبیلہ ہوازن نے طائف میں رسد کی ایک بڑی مقدار جمع کر لی تھی۔ انھوں نے شہر پناہ کے چاروں طرف جگہ جگہ زبردست فوجی چوکیاں قائم کر دی تھیں۔ محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا لیکن اس دوران دشمن شہر سے باہر نکل کر نہیں آیا تاکہ مسلمان ان سے جنگ کر سکیں۔ وہ مختلف اوقات میں شہر پناہ کے اندر سے مسلمانوں پر تیروں کی بارش کرتے رہے۔

---

۵۰ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۵۲۔

۵۱ ابن کثیر، السیرۃ — ج ۳، ص ۶۴۰؛ صحیح بخاری، باب غزوۂ اوطاس۔

۵۲ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۸۳؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۵۸۔

جس سے کچھ مسلمان شہید ہو گئے اور ایک اچھی تعداد زخمی بھی ہوئی۔ جب محاصرے نے طول کھینچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا جس میں یہ طے پایا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے اور فی الحال دشمن کو اسی کے حال پر چھوڑ دیا جائے[۵۳] محاصرہ کو ختم کرنے سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس غزوہ کا اور اسی طرح دوسرے غزوات کا مقصد اسلامی سلطنت کی سرحدوں کو بڑھانا نہیں تھا اور نہ ہی دوسروں کی زمین پر قبضہ کرنا تھا بلکہ ان غزوات کا مقصد تبلیغ اسلام کی راہ ہموار کرنا اور دشمنوں کے حملے سے اسلام کی حفاظت کرنا تھا۔ محاصرہ اٹھانے کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس لوٹ رہے تھے تو کچھ صحابہؓ نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ اہل طائف کو بد دعا دیں۔ لیکن آپؐ نے بد دعا دینے کے بجائے ان کے حق میں یہ دعا دی "اے اللہ تو ثقیف کے قبیلوں کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھیج دے"[۵۴] یہ دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں کے مقاصد کو صاف طور پر ظاہر کرتی ہے اور آپؐ کے حسن اخلاق کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی :۔

طائف سے مکہ واپسی کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادئ جعرانہ میں رکے جہاں قیدیوں اور مالِ غنیمت کو رکھا گیا تھا۔ آپؐ نے قرآنی احکام کے مطابق مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا رکھا گیا اور باقی مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہؓ نے پالا پوسا تھا۔ آپؐ کے دل میں ہمیشہ سے ان کے لیے اور ان کے خاندان کے لیے ایک فطری محبت تھی۔ قیدیوں میں آپؐ کی رضاعی بہن شیما یعنی حضرت حلیمہؓ کی صاحبزادی بھی تھیں۔ اُن کو دیکھ کر آپؐ فرطِ محبت میں کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر ان کے لیے بچھا دی[۵۵]۔ آپؐ نے ان کے ساتھ بہت ہی رحمدلی کا

---

۵۳ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۵۷۔ مزید ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، باب غزوۂ طائف؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ج ۴، ص ۳۴۵۔

۵۴ ابن قیم زاد المعاد، ج ۱، ص ۴۵۷؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۳۵۰۔

۵۵ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۵۸۔

برتاؤ کیا گویا کہ وہ آپؐ کی سگی بہن ہوں۔ آپؐ نے ان سے مدینہ منورہ چلنے کو کہا لیکن انھوں نے اپنے گھر ہی جانا پسند کیا۔ ان کو اور ان کے خاندان والوں کے لیے بہت سے تحائف بھی آپؐ نے عطا فرمائے۔

دشمنوں کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ جنگی قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ ظہر کی نماز کے بعد آپؐ نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ رحم کا مظاہرہ کریں اور ان کے حصّہ میں جو جنگی قیدی آئے ہیں ان کو آزاد کردیں[۵۴]۔ سب لوگ اس بات پر راضی ہو گئے۔ اور فوراً چھ ہزار قیدی رہا کر دیئے گئے۔ یہ واقعہ بعض مغربی مصنفین (مستشرقین) کے اس الزام کی تردید کرتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلموں کے ساتھ خاص فیاضی کا معاملہ کیا تاکہ ان کی تالیف قلوب ہو۔ اور وہ اسلام کی طرف زیادہ مائل ہوں اس سے انصار کافی کبیدہ خاطر ہوئے خاص طور سے ان کے نوجوان غیر مطمئن نظر آئے۔ وہ آپس میں چہ می گوئیاں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے ساتھ جانبداری برتی ہے۔ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے اور قریش مالِ غنیمت سے لدے ہوئے ہیں[۵۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انصار کو تاریخی خطبہ :-

انصار کی چہ می گوئیاں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک چرمی خیمہ میں جمع کیا اور معاملہ کی تفتیش کی۔ جب آپؐ کو معلوم ہوا کہ ان کا جو قول آپؐ تک پہونچایا گیا تھا وہ صحیح ہے تو آپؐ نے ان کے سامنے ایک ایسی تقریر کی جس کی نظیر فن بلاغت میں نہیں مل سکتی۔ آپؐ نے فرمایا :-

"اے انصار! تمہارے دل میں یہ کیا ئی بات آگئی ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ

---

[۵۴] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۸۹ ؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۸۷ ؛ ابن عبد البر الدرر، ص ۲۴۵۔

[۵۵] شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۵۴۳ ؛ صحیح بخاری، باب غزوۃ الطائف۔

پہلے تم گمراہ تھے پھر اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت دی؟ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمہیں آپس میں بھائی بنایا۔ تم مفلس تھے اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں دولتمند کیا۔" ہر سوال کے جواب میں انصار کہتے جاتے تھے بالکل صحیح ہے اللہ اور اس کے رسول کا ہم سب پر بہت فضل و احسان ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے انصار سے کہا "اے انصار اگر تم اس طرح جواب دو تو غلط نہ ہوگا۔ اے محمدؐ! جب دوسرے لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی۔ جب دوسرے لوگوں نے تجھے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی۔ تو مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح تیری مدد کی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا "اے انصار! کیا تمہیں پسند نہیں ہے کہ جب دوسرے لوگ اپنے گھروں کو جائیں تو بھیڑ اور بکریاں اپنے ساتھ لے جائیں اور تم اپنے گھروں کو جاؤ تو محمدؐ کو اپنے گھر لے جاؤ۔ اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے۔ اگر سب لوگ ایک راستہ اختیار کریں اور انصار دوسرا راستہ اختیار کریں تو میں اسی راستہ پر چلوں گا جس پر انصار چلے تھے۔"[۵۵]

یہ خطبہ سن کر انصار کی چیخیں نکل گئیں اور وہ رونے لگے۔ آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں اور وہ کہتے جاتے تھے "ہم کو صرف محمدؐ درکار ہیں"۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفائی میں کہا کہ مکہ کے لوگ نومسلم ہیں اور جو کچھ ان کو دیا گیا ان کے حق کے طور پر ان کو نہیں دیا گیا ہے بلکہ تالیفِ قلب کے طور پر دیا گیا ہے تاکہ وہ اسلام کی فیاضی سے واقف ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقریر سے انصار کے تمام شکوک و شبہات دور ہوگئے جو ان کو آپؐ کے قریش اور دوسرے اعرابی قبائل کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کی وجہ سے ہوئے تھے۔ یہ تقریر صاف ظاہر کرتی ہے کہ درحقیقت زندگی کی قدرشناسی محبت میں ہے نہ کہ دولت میں

---

۵۵ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۴۹۹؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۹۳؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۲۵۰؛ صحیح بخاری، باب غزوۃ الطائف؛ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر۔

وہ شخص جس سے اس کے لوگ محبت کرتے ہیں اس کے پاس دنیوی دولت سے بڑی ایک دولت ہے ایسی دولت جو سونے اور چاندی سے نہیں خریدی جا سکتی ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ جعرانہ :۔

جعرانہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لا رہے تھے تو آپ نے ایک اور عمرہ ادا کیا۔ اور مکہ میں عتاب ابن اسید کو اپنا نائب مقرر کیا، معاذ ابن جبل کو معلم۔ اور خود مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے[۵۹]

فتح مکہ اور فتح حنین کے اثرات :۔

مکہ پورے جزیرۃ العرب کا روحانی مرکز تھا۔ ہر سال ہزاروں لوگ جزیرۃ العرب کے مختلف حصوں سے وہاں حج کے لیے آتے تھے ۔ اس وجہ سے قریش ایک بہت ہی با اثر و باعزت حیثیت کے حامل تھے ۔ چونکہ قریش اسلام کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور اس مذہب کو بہر صورت صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتے تھے اس لیے عرب کے بیشتر قبائل اسلام قبول کرنے میں ہچکچا رہے تھے، وہ قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک فیصلہ کن فتح کے منتظر تھے اور اس انتظار میں تھے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قوم بھی اس مذہب کو قبول کرتی ہے یا نہیں ۔ بالآخر یہ مبارک وقت آ ہی گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ فتح ہوا اور آپ کے بے مثال رحم و کرم کے مظاہرہ نے اہل مکہ کے دلوں کو بھی فتح کر لیا۔ آپ کی اس رحمت نے نہ صرف اہل مکہ کو بلکہ پورے جزیرۃ العرب کو ڈھانپ لیا۔ اور لوگ جوق در جوق اللہ کے اس عظیم نبی کی خدمت میں آکر اس کی نبوت و رسالت کا اقرار کرنے لگے۔ جو تن تنہا برسوں تک ان سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرانے کی جدوجہد کر رہا تھا اور اس کی دعوت دے رہا تھا۔ جو متعدد جنگوں اور بے شمار سرایہ کے باوجود اپنے مقام پر اٹل رہا۔

---

۵۹ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۰۰ ؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۹۵؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۲۵۱۔

بالآخر قبیلہ در قبیلہ اسی ذات عالی کی طرف کھنچ کھنچ کر آیا تاکہ صراط مستقیم کی ہدایت ملے ۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے ۔

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ، اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ○ (سورہ نصر)

ترجمہ : " (اے محمدؐ) جب اللہ کی مدد اور (مکہ کی) فتح ہو گئی اور تو نے (لوگوں کو) دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین (اسلام) میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں ، تو تو (اب) اپنے پروردگار کی پاکی بیان کر اور حمد کر ۔ اور اس سے استغفار کر ۔ بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے " ۔

عمومی طور سے اسلام فتح مکہ کے بعد ہی پھیلا ۔ امام بخاری تحریر کرتے ہیں " عرب قریش کے اسلام کے انتظار میں تھے اور یہ کہا کرتے تھے ، کہ محمدؐ اور اس کی قوم کو تنہا چھوڑ دو اگر وہ فتحیاب ہوتا ہے تو وہ ایک سچا نبیؐ ہے ۔ اس لیے جب مکہ فتح ہو گیا تو تمام قبائل اسلام قبول کرنے میں سبقت کرنے لگے "[60]

ایک معتمد سیرت نگار ابن ہشام تحریر کرتے ہیں " اسلام لانے کے بارے میں عرب قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چل رہی لڑائی کے انجام کے منتظر تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش کو تمام قبائل کے لوگ اپنا رہنما تسلیم کرتے تھے ۔ انھیں خانہ کعبہ کا متولی مانتے تھے ، قریش در حقیقت مشہور پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد تھے ۔ اور قریش ہی اللہ کے نبی کی مخالفت اور آپ کے خلاف ہر لڑائی میں پیش پیش رہتے ۔ لیکن جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش نے اسلام قبول کر کے دوستی و صداقت کا مظاہرہ کیا ۔ تو ان قبائل نے دیکھا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے اس لیے وہ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے جیسا کہ قرآن حکیم نے سورہ النصر میں اس بات کا انکشاف کیا ہے "[61]

---

[60] صحیح بخاری ، فتح مکہ ۔

[61] ابن ہشام ، السیرۃ النبی ، ج ۲ ، ص ۵۶۰ ۔

اس بات کا اندازہ سپاہیوں کی اس تعداد سے لگایا جاسکتا ہے۔ جس کو ہم غزوہٗ حنین اور غزوہٗ تبوک کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد دیکھتے ہیں۔ غزوۂ تبوک جو غزوہ حنین کے ایک سال بعد ۹ھ میں پیش آیا۔ اس میں مسلمان سپاہیوں کی تعداد غزوہ حنین کے مقابلہ میں تین گنی زیادہ تھی۔ غزوہ حنین میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی جبکہ غزوہ تبوک میں ان کی تعداد ۳۰ ہزار سے بھی زیادہ تھی۔

۸ھ کے متفرق واقعات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ جن کو قریش کے دو آدمیوں نے زخمی کر دیا تھا جبکہ وہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آ رہی تھیں، اسی سال جب آپؐ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ واپس آئے تو انتقال کر گئیں، حضرت زینبؓ اس زخم کی وجہ سے مستقل بیمار رہیں۔

حضرت عثمانؓ کی دوسری بیوی حضرت اُم کلثومؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور صاحبزادی تھیں، اسی سال انتقال کر گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اب ساٹھ سال سے زیادہ ہو گئی تھی۔ لیکن آپؐ کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ اللہ کے فضل سے ماریہؓ کے بطن سے آپؐ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ حضرت ماریہؓ کو مصر کے بادشاہ نے آپؐ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تھا۔ آپؐ لڑکے کی پیدائش سے بہت خوش ہوئے اور اس کا نام اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا۔ آپؐ نے اس کی پیدائش پر (بطور صدقہ) نقدی تقسیم کی، اور ایک دایہ اس کی نگرانی کے لیے مقرر کی۔ حضرت ماریہؓ کو ایک الگ مکان رہنے کے لیے دیا گیا۔ حضرت ماریہؓ کے ساتھ اس میلان کو دیکھ کر آپؐ کی بقیہ

ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۹۵۔

ازواج مطہرات کچھ آزردہ خاطر ہوئیں۔ آپؐ حضرت ماریہؓ کے پاس روزانہ جاتے کچھ دیر وہاں بیٹھتے اور بچے کی دیکھ بھال کرتے۔ ان تمام باتوں کی وجہ آپؐ کے اور آپؐ کی بیویوں کے درمیان کچھ تناؤ سا پیدا ہوگیا جس کی تفصیل ہم اگلے باب میں بیان کریں گے۔

باب ۱۴

ہجرت کا نواں سال

۹ھ کے شروع میں پیش آنے والے بعض چھوٹے سرایا

(۱) سریۂ عیینہ ابن حصن بجانب بنی تمیم :-

ماہ محرم ۹ھ میں عیینہ ابن حصن الفزاری کی امارت میں ۵۰ آدمیوں کا ایک دستہ بنی تمیم کی طرف بھیجا گیا[1] مسلمانوں نے دشمن پر حملہ کیا۔ ایک معمولی لڑائی پیش آئی جس میں مسلمان فتح یاب ہوئے اور انھوں نے ۱۱ مردوں، ۱۱ عورتوں اور ۳۰ نوجوانوں کو قیدی بنا لیا۔ مالِ غنیمت میں انھیں کچھ مویشی ملے۔ ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ لایا گیا۔ قیدیوں کو رملہ بنت حارث کے مکان میں رکھا گیا۔ ظہر کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے مسجد کے فرش پر بیٹھے اور فیصلہ فرمایا کہ ان سب کو آزاد کر دیا جائے۔ ظہر کی نماز کے وقت ایسا ہوا کہ بنو تمیم کے ان لوگوں میں سے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرات کے سامنے جمع ہو گئے تھے اور آپؐ سے قیدیوں پر رحم کرنے کے لیے چیخنا چلانا شروع کر دیا تھا۔ ان کے چیخنے چلانے کے خلاف مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی :-

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (سورہ حجرات ۴۹ آیت ۴-۵)

ترجمہ :- جو لوگ حجروں کے باہر آپؐ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر کو عقل نہیں اور

[illegible]

اگر یہ لوگ ذرا صبر اور انتظار کرتے یہاں تک کہ آپؐ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اور اللہ غفور الرحیم ہے"۔

(۲) سریہ قطبہؓ بن عامر بجانب خثعم :۔

ماہِ صفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۰ آدمیوں کو قطبہؓ ابن عامر ابن حدیدہ کی سرکردگی میں خثعم بھیجا۔ اس سریہ میں ایک معمولی لڑائی پیش آئی جس میں دونوں طرف کے آدمی زخمی ہوئے۔ بالآخر دشمن پر فتحیابی ہوئی اور دشمن کے کچھ آدمی مارے بھی گئے۔ مسلمان مالِ غنیمت اور کچھ قیدیوں کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آگئے۔

(۳) سریہ ضحاکؓ ابن سفیان بجانب بنی کلاب :۔

ماہ ربیع الاوّل ۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا دستہ بنی کلاب کے قرطا قبیلہ کی جانب بھیجا[۲]۔ اس کے امیر ضحاکؓ ابن سفیان تھے۔ مسلمان وہاں گئے اور وہاں کے رہنے والوں کو اسلام کی طرف بلایا۔ انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لڑائی پر آمادہ ہو گئے لیکن شکست کھائی۔

(۴) سریہ علقمہؓ ابن مجزز حبشیوں کے دفاع میں :۔

ربیع الآخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حبشیوں کی ایک جماعت بحر احمر پار کر کے جدہ کے پاس کچھ عربوں سے آملی ہے تاکہ آپؐ پر حملہ کریں۔ آپؐ نے علقمہ ابن مجزز کی امارت میں ۳۰۰ آدمیوں کو ان سے مقابلہ کے لیے بھیجا[۳]۔ یہ لشکر بحر احمر کے کنارہ ایک جزیرہ پر پہونچ گیا جس کو دشمنوں نے اپنا اڈہ بنا لیا تھا۔ مسلمانوں کی آمد کی اطلاع پاتے ہی دشمن بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

---

[۲] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۲۔
[۳] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۳۔

(۵) حضرت علیؓ ابن طالب کی سرکردگی میں بنوطی کی طرف ایک تبلیغی مہم:

ماہ ربیع الآخر میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی قیادت میں ڈیڑھ سو آدمی فُلس کے بُت خانہ کو ڈھانے کے لیے بھیجے گئے۔[۴] اس کا تعلق بنی طے سے تھا۔ بنی طے قبیلے کے کچھ لوگ مشرکین میں سے تھے اور کچھ عیسائی تھے۔[۵] حضرت علیؓ نے اس مہم کو بہت کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔ اور مالِ غنیمت نیز کافی قیدیوں کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔

قیدیوں میں عرب کے مشہور عیسائی اعرابی حاتم طائی جو اپنی سخاوت میں مشہور تھا کی بیٹی بھی تھی۔ حاتم کا کئی سال پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ اس کا لڑکا عدی حضرت علیؓ کی آمد کے بارے میں سن کر ملک شام بھاگ گیا تھا۔ جب حاتم طائی کی لڑکی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے نہ صرف اس کو معاف کر دیا بلکہ سواری کے لیے اونٹ اور ایک پوشاک بھی تحفہ میں دی۔ آپؐ نے اس کو اپنے بھائی کو تلاش کرنے کے لیے شام جانے کی بھی اجازت دیدی وہ ایک کارواں کے ساتھ شام گئی۔ اور پھر اپنے بھائی کو لے کر رحمت للعالمینؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بے مثال کردار دیکھ کر عدی نے اسلام قبول کر لیا۔[۶] آپؐ نے ان کو دوبارہ ان کے قبیلہ کا سردار بنا دیا۔

(۶) سریۂ عکاشہؓ ابن محصن :-

ابن سعد نے عکاشہؓ ابن محصن کا ایک سریہ اور بیان کیا ہے[۷] جو ماہ ربیع الآخر میں جناب

---

[۴] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۴؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۱۱ — ۱۱۲
نوٹ: طبری نے دو بت خانوں کے نام لکھے ہیں۔ رَسُوب اور مُخذَم۔

[۵] ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۱۴۔
نوٹ: طبری نے "رکوسیہ" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا مذہب مشرکین اور عیسائیوں کے بیچ میں ایک مذہب تھا۔ ملاحظہ ہو حاشیہ علی تاریخ الرسل والملوک الطبری، ص ۱۱۴۔

[۶] ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک۔ ج ۳، ص ۱۱۲۔

[۷] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۴۔

کی طرف بھیجا گیا تھا۔ ابن سعد نے اس کی تفصیلات درج نہیں کی ہے۔

واقعۂ ایلاء

۹ھ کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ گھریلو تناؤ کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں آپؐ نے قسم کھائی کہ آپؐ ایک مہینہ تک اپنی ازواج کے پاس نہیں جائیں گے۔ آپؐ نے ان کو تنہا چھوڑ دیا۔ اس دوران نمازوں کے بعد آپؐ اپنے نجی کمرہ میں بغیر بستر کی چارپائی پر آرام فرماتے۔ اس عرصہ میں آپؐ لوگوں سے بہت کم ملتے جلتے تھے۔ کچھ مؤرخین کے مطابق آپؐ نے یہ قسم بھی کھائی تھی کہ آپؐ شہد نہیں کھائیں گے۔ مسلمان یہ سمجھے کہ آپؐ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ آپؐ ان کو کچھ وقت دینا چاہتے تھے تاکہ وہ آپسی رشک و حسد کو چھوڑ دیں اور ان کی طبیعت نرم پڑ جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیویوں کے اس معاملہ پر کسی کو گفتگو کرنے کی بھی اجازت نہیں دی۔ مسلمان اس واقعہ سے بیحد فکرمند ہو گئے تھے۔ بڑی مشکل سے کسی طرح حضرت عمرؓ کو شرف باریابی ہوا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ آپؐ نے اپنی کسی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے۔ اس کی اطلاع مسلمانوں کو دی گئی جو اصل خبر معلوم کرنے کے لیے بے چین تھے۔ اس موقعہ پر اللہ نے سورہ تحریم نازل فرمائی۔ جو ان آیات سے شروع ہوتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

(سورہ تحریم آیت ۱،۲)

ترجمہ: "اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپؐ کے لیے حلال کیا ہے آپؐ (قسم کھا کر) اس کو اپنے اوپر کیوں حرام فرماتے ہیں۔ پھر وہ بھی اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لیے

ش فتح الباری، ج ۹، ص ۲۵۰؛ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۴۷۵۔

تمھاری قسموں کا کھولنا (قسم توڑنے کے بعد اس کے کفارہ کا طریقہ) مقرر فرمایا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔"

مؤرخین و محدثین نے واقعہ ایلاء کی تشریحات[۹] مختلف انداز میں کی ہیں۔ امام بخاری کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی حضرت زینبؓ کے پاس کئی دن تک شہد تناول فرمایا۔ حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا۔ شہد آپؐ کو بہت مرغوب تھا۔ اس کی وجہ سے دوسری بیویوں کے پاس جانے میں تاخیر ہو جاتی۔ حضرت عائشہؓ کو اس پر رشک ہوا اور انھوں نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یا تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا کہ آپؐ کے منھ سے مغافیر کی بو آرہی ہے (مغافیر کے پھولوں سے مکھیاں شہد کی رس چوستی ہیں۔) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ میں شہد نہیں کھاؤں گا۔ جس پر قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات نازل ہوئی تھیں۔

بعض دوسرے مؤرخین[۱۰] کے مطابق ایک دن جب حضرت حفصہؓ اپنے حجرہ میں موجود نہیں تھیں تو ان کے حجرہ میں حضرت ماریہؓ قبطیہ آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ وقت گذارا اسی درمیان حضرت حفصہؓ بھی آگئیں۔ اور حضرت ماریہؓ کی وجہ سے ان کو حجرہ میں داخل ہونے کے لیے انتظار کرنا پڑا۔ جب حضرت ماریہؓ باہر نکل آئیں تو وہ اپنے حجرہ میں داخل ہوئیں۔ اس واقعہ پر حضرت حفصہؓ بہت زیادہ ناراض ہوئیں اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم کھانے پر آمادہ کیا کہ آپؐ ایک مقررہ مدت تک حضرت ماریہؓ سے نہیں ملیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ وعدہ کر لیا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ وہ اس واقعہ کو راز میں رکھیں گی اور کسی سے نہیں کہیں گی۔ لیکن حضرت حفصہؓ اس راز کو نہیں چھپا سکیں اور حضرت عائشہؓ سے اپنی اس کامیابی کو فخریہ بیان کیا۔ ان مؤرخین کے مطابق سورۂ تحریم کی مندرجہ ذیل آیتیں بھی حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں:۔

---

۹ صحیح بخاری، کتاب الطلاق؛ صحیح مسلم؛ سیرۃ النبیؐ از شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۵۴۸۔

۱۰ فتح الباری، ج ۸، ص ۵۶۵؛ سیرۃ النبیؐ از شبلی نعمانی، ج ۱، ص ۵۵۰ - ۵۵۹؛ مزید ملاحظہ ہو تاریخ طبری اور تفسیر ابن کثیر۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَاَظْھَرَہُ اللّٰہُ
عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ ھٰذَا
قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ○ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا وَاِنْ تَظٰھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ
وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ ○ عَسٰی رَبُّہٗٓ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗٓ اَزْوَاجًا خَیْرًا
مِّنْکُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْکَارًا ○ (سورہ تحریم آیت ۳تا۵)

ترجمہ:۔ "اور جبکہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی کسی بیوی سے ایک بات چپکے سے فرمائی پھر جب اس بیوی نے وہ بات (دوسری بیوی کو) بتلا دی۔ اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے (بذریعۂ وحی) اس کی خبر کر دی تو پیغمبر نے اس ظاہر کر دینے والی بیوی کو تھوڑی سی بات کو جتلا دی اور تھوڑی سی بات کو ٹال گئے۔ سو جب پیغمبر نے اس بیوی کو جتلائی تو وہ کہنے لگی کہ آپ کو اس کی کس نے خبر کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بڑے جاننے والے، خبر رکھنے والے (خدا نے) خبر کر دی۔ (اے پیغمبر کی دونوں بیویوں) اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو تمہارے دل مائل ہو جائیں گے اور اگر (اسی طرح) پیغمبر کے مقابلہ میں تم دونوں کاروائیاں کرتی رہیں تو (یاد رکھو) پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبرئیل ہے اور نیک مسلمان ہیں اور (ان کے علاوہ) فرشتے (آپ کے) مددگار ہیں۔ اگر پیغمبر تم لوگوں کو طلاق دے دیں تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیویاں دے دے گا۔ جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں ہوں گی۔ (کچھ) بیوائیں (اور کچھ) کنواریاں۔"

اوپر کی آیات میں "تم دونوں" حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہما کے لیے آیا ہے جنہوں نے مندرجہ بالا منصوبہ بنایا تھا۔ واقعہ ایلا سے ان دونوں کے دل اللہ سے توبہ کی طرف مائل ہو گئے اور ان دونوں نے اس کی توبہ کر لی کہ آئندہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کریں گی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبیدہ خاطر ہوں۔

زکوٰۃ کی وصولیابی

اس سال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبیلوں سے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا باضابطہ زکوٰۃ وصول کرنے کا نظام قائم کیا۔ آپؐ نے بہت سے محصّلین زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمائے۔ زکوٰۃ بیت المال (پبلک خزانہ) کا ایک بڑا ذریعہ آمدنی تھا۔ بیت المال کا نظم و نسق مرکز کے زیرِ اہتمام تھا۔ جزیہ کے احکامات بھی اسی سال نازل ہوئے۔

غزوۂ تبوک [۱۱]

فتح مکہ کے بعد اسلام جزیرۃ العرب کے وسیع و عریض خطے میں تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع ہو گیا۔ اس نے لوگوں کے قلوب کو متاثر کیا اور لوگ پرامن طریقہ سے جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ پڑوس کے عیسائی ممالک خصوصاً عظیم رومی سلطنت اسلام کی اس غیرمعمولی فتح و کامیابی کو انتہائی اضطراب و تشویش سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اسلام کے اس تیزی سے پھیلنے پر حسد کرنے لگے تھے۔ کیونکہ ان کو اسلام کی بڑھتی ہوئی ہر دلعزیزی اور طاقت میں خود اپنے لیے زبردست خطرہ نظر آ رہا تھا۔ ان حالات میں انھوں نے عرب پر ایک زبردست حملہ کا ارادہ کیا تاکہ وہ اسلام کی اس ترقی کو روک سکیں۔ اس مقصد کے لیے ھرقل کی ہدایات پر رومیوں کی ایک زبردست فوج جمع ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ رومی اور ان کے اتحادی عیسائی مسلمانوں سے لڑائی کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔[۱۲] اسلام کے دفاع کے لیے کوئی اقدام کرنا ضروری تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھنا نہیں چاہتے تھے کہ آپؐ کے ملک پر غیرملکی حملہ کریں۔ یہ سخت گرمی کا موسم

---

[۱۱] تبوک ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ منورہ اور دمشق کے درمیان پڑتا ہے۔ آج کل یہ مملکتِ سعودی عرب کی ایک بڑی چھاؤنی ہے اور مدینہ منورہ سے تقریباً ۷۰۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

[۱۲] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۵؛ محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۳، ص ۶۳-۶۴۔

تھا، فصلیں بہت اچھی تھیں اور پکنے کی قریب تھیں۔ اس سے ایک سال قبل کی فصل خراب ہو چکی تھی اس لیے لوگوں کے پاس وافر مقدار میں کھانے کا سامان جمع نہ ہو سکا تھا۔ رومیوں کی چڑھائی کی خبریں دن بدن نت نئے طریقے سے پہونچ رہی تھیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے دفاع کے لیے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ آپ نے اپنے قاصد تمام حلیف قبائل کے پاس بھی بھجوائے اور ان سے کہا کہ وہ مدینہ میں آ کر لشکر کے ساتھ شامل ہوں۔

سفر کی سختیاں:۔

شام کا سفر بہت لمبا تھا۔ گرمی کے موسم میں ریگستان عرب میں سفر کرنا بہت دشوار تھا۔ اس سال گرمی اپنے شباب پر تھی۔ بہت سے غریب صحابہؓ ایسے بھی تھے جن کے پاس سفر کے لیے کوئی سواری نہیں تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی ان کے لیے سواری مہیا کرنے کے وسائل نہیں تھے۔ حضرت عثمان رضؓ نے اس غزوہ کی تیاری کے لیے ایک ہزار دینار کا عطیہ دیا تھا۔[۱۳] کچھ مؤرخین کے مطابق انھوں نے اس کے علاوہ دو سو اونٹ بھی دیئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اپنا تمام اثاثہ لے آئے اور غزوہ کی تیاری کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا حضرت عمر رضؓ نے اپنے کل اثاثہ کا نصف آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۰ ہزار آدمیوں اور دس ہزار گھوڑوں پر مشتمل ایک فوج تیار کی[۱۴] آپ رجب ۹ھ میں روانہ ہوئے۔[۱۵] عرب کی تاریخ میں اس وقت تک عرب کی یہ سب سے بڑی فوج تھی۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان لوگوں کو ہتھیاروں سے لیس ایک منظم رومی فوج کا سامنا کرنا تھا۔ قرآن اس سخت مشقت والے اور تکلیف دہ سفر کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ میں

---

۱۳ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۱۸؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۵۳؛ ابن خلدون، تاریخ، ج ۲، ص ۶۱۹۔
نوٹ:۔ ابن عبدالبر اور ابن خلدون کے مطابق حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار دینار ۹۰۰ اونٹ اور ۱۰۰ گھوڑے دیئے تھے۔

۱۴ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۶۔

۱۵ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۱۵؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۵؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۰۰؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۵۳۔

کرتا ہے:۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ (سورہ توبہؑ آیت ۴۲)

ترجمہ: "اگر کچھ لگتے ہاتھ ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی ہوتا تو یہ (منافق) لوگ ضرور آپؐ کے ساتھ ہو لیتے۔ لیکن ان کو تو مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی اور ابھی اللہ کی قسم کھا جائیں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ضرور ہم تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ جھوٹ بول بول کر اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔"

کچھ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت گرمی کا بہانہ بنا کر نہیں گئے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے دوسروں کو بھی آپؐ کے ساتھ جانے سے روکنے کی کوشش کی قرآن کریم مندرجہ ذیل الفاظ میں اس طرف اشارہ کرتا ہے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللّٰهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ ۗ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ۚ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝ (سورہ توبہؑ آیت ۸۱)

ترجمہ: "پیچھے رہ جانے والے خوش ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (جانے کے) بعد اپنے بیٹھے رہنے پر اور ان کو اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان کے ساتھ جہاد کرنا ناگوار ہوا۔ اور (دوسروں کو بھی) کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ (اس سے بھی) زیادہ گرم ہے۔ کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے مدینہ منورہ پر مسلمانوں کے گھر والوں اور ان کی جائیداد کی حفاظت کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو اپنا نائب مقرر کیا۔[۱۹]

---

۱۹ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۱۹؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۰۴؛ ابن عبدالبر، الدرر ص ۲۵۴؛ صحیح بخاری، غزوہ تبوک، نوٹ۔ ابن سعد کے مطابق رسول اللہؐ نے مدینہ منورہ پر محمد ابن مسلمہ کو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ ملاحظہ ہو الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۵۔ مگر زیادہ تر مؤرخین ابن سعد سے اتفاق نہیں رکھتے۔

رومیوں کا شام کی جانب پیچھے ہٹنا ۔

تقریباً ۱۵ دن کے سخت سفر کے بعد مسلمان لشکر نے تبوک نامی ایک مقام پر اپنا پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ مدینہ منورہ اور دمشق کے درمیان واقع ہے۔ وہاں پر مسلمان رومیوں کی مزید حرکات و سکنات کی اطلاع کا انتظار کرنے لگے۔ رومیوں نے پورے ملک میں اپنے جاسوسوں کا جال بچھا رکھا تھا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری کی پہلے ہی سے اطلاع مل چکی تھی ان کو یہ معلوم تھا کہ آپ موتہ میں شہید ہونے والے مسلمانوں کا بدلہ لینے ضرور تشریف لائیں گے۔ اس لیے وہ فوراً ہی اپنی سرحدوں کے اس پار چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان سے دفاع کرنا تھا نہ کہ شام پر حملہ کرنا۔ اس لیے آپ نے ان کا پیچھا نہیں کیا۔

سرحد کا ایک سردار جس کا نام یوحنہ ابن ردبہ تھا۔ اور عائلہ کا رہنے والا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی اطاعت قبول کی۔ اس نے جزیہ ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایک معاہدۂ امن کیا۔[۵۵] اس نے آپ کی خدمت میں بہت سے ہدایا اور سونا پیش کیا جو اس بات کی علامت تھی کہ وہ آپ کا باجگذار بن گیا ہے۔ کچھ اور عیسائی قبائل مثلاً جربا اور اذرح نے بھی آپ کی اطاعت قبول کر لی ۔

آپ تقریباً ۲۰ روز تبوک میں قیام پذیر رہے، پھر مدینہ منورہ واپس آگئے۔ غزوہ تبوک سے تمام عرب قبائل کو اسلام کی مادی و روحانی قوت کا پورا اندازہ ہوگیا۔ اس کے بعد جزیرۃ العرب کے تقریباً تمام حصوں سے وفود مدینہ منورہ آکر اسلام قبول کرنے لگے۔ یہاں تک کہ پورے عرب کا مذہب اسلام بن گیا۔

منافقین کے کردار کی نقاب کشائی اور عبداللہ ابن اُبی کی موت

منافقین مسلسل مسلمانوں کے راستہ کا کانٹا تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

۵۵ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۵۲۵ و ۵۲۶۔

کے تبوک روانہ ہونے سے قبل ہی اپنے لیے الگ ایک مسجد بنالی تھی وہ لوگ اس مسجد میں جمع ہوتے اور آپؐ کے خلاف خفیہ میٹنگ کرتے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد کا افتتاح کریں اور وہاں نماز پڑھیں لیکن آپؐ نے اس پروگرام کو کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کر دیا تھا[۱۸]۔ بعد میں اللہ نے وحی کے ذریعہ آپؐ کو منافقین کے ناپاک ارادوں کو اطلاع دی۔ اس مسجد کے متعلق بھی مندرجہ ذیل آیتیں نازل ہوئیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا (سورہ توبہ آیت ۱۰۷، ۱۰۸)

ترجمہ: ”اور بعض ایسے ہیں جنھوں نے ان اغراض کے لیے مسجد بنائی ہے کہ (اسلام کو) ضرر پہونچائیں اور (اس میں بیٹھ بیٹھ کر) کفر کی باتیں کریں، اور ایمان والوں میں تفریق ڈالیں۔ اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس سے قبل اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے۔ اور (یہ منافق لوگ) قسمیں کھائیں گے کہ بجز بھلائی کے ہماری اور کچھ نیت نہیں ہے۔ اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں، آپؐ اس میں کبھی (نماز کے لیے) کھڑے نہ ہوں۔“

صاف صاف الفاظ میں وحی نازل ہونے کے بعد اس سازش کے گھر کو جس کا نام منافقین نے مسجد رکھا تھا، ختم کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ڈھانے اور جلا دینے کا حکم دیا[۱۹]۔ تاکہ وہ دوبارہ اللہ اور اسلام کے خلاف استعمال نہ ہو۔ اس واقعہ کے کچھ ہی دن بعد منافقین کا سردار عبداللہ بن اُبی چل بسا۔

---

[۱۸] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۲۹؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۱۰؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۵۷۔

[۱۹] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۳۰؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۱۰؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۵۷۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ ابراہیم کا انتقال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑکے کی پیدائش پر بہت خوش ہوئے تھے مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ حضرت ماریہ قبطیہ سے آپ کے صاحبزادہ ابراہیم ابھی سترہ، اٹھارہ مہینے کے ہی تھے کہ وہ بیمار پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ابراہیم کو دیکھنے تشریف لے گئے تو وہ اپنی ماں کی گود میں حالت نزاع میں تھے۔ آپ نے ان کو اپنی گود میں لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود ہی میں انھوں نے دم توڑ دیا۔ آپ کی آنکھوں میں اس واقعہ سے آنسو آگئے لیکن آپ نے انتہائی صبر و تحمل سے کام لیا۔ اور صرف یہ فرمایا۔ "اے ابراہیم اللہ کے احکام اور اس کے وعدے سچے ہیں۔ اور ہم میں کے آخری کو ہم میں کے پہلے سے جا ملنا ہے"۔ آپ نے یہ بھی فرمایا "ہماری آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہیں۔ ہمارے دل غمزدہ ہیں لیکن ہمارے لبوں پر وہی جملہ ہے جس میں اللہ کی رضا ہے"۔

اتفاق سے جس دن ابراہیم کی وفات ہوئی اسی دن سورج گرہن بھی ہو گیا۔ عربوں کا عقیدہ تھا کہ سورج گرہن کسی عظیم الشان انسان کی موت کی علامت ہے۔ اس لیے لوگوں نے سمجھا کہ یہ ابراہیم کی موت کی وجہ سے ہوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور ایک مختصر خطبہ دیا جس میں فرمایا "چاند اور سورج اللہ کی علامتوں میں سے علامت ہیں کسی کے مرنے سے ان میں گرہن نہیں لگتا پس جب تم گرہن دیکھو تو نماز کی طرف سبقت کرو"۔ اس کے بعد آپ نے کسوف کی نماز باجماعت ادا فرمائی[۲۰]۔

حضرت ابوبکرؓ کی امارت میں حج[۲۱]

اب تک حج عربوں کے پرانے مشرکانہ طریقوں کے مطابق ادا ہوتا چلا آیا تھا۔ اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی امارت میں ۳۰۰ مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ

۲۰۔ صحیح بخاری، باب الکسوف۔

۲۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۴۳ تا ۵۵۴؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۸ و ۱۶۹؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۲۶۶ و ۲۶۷؛ ابن قیم، زاد المعاد، ج ۲، ص ۴۴؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۳۶۔

سے حج کے لئے روانہ کیا۔ آپ نے ان سے کہا کہ وہ لوگوں کو حج کا صحیح طریقہ سکھائیں۔ جب حضرت ابوبکرؓ کی امارت میں یہ قافلہ روانہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی وہ آیات نازل کیں جن میں ان مشرکین کو جنہوں نے بلا تعین مدت معاہدہ کیا تھا چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے اور آئندہ مشرکین کو خانہ کعبہ میں داخل ہونے اور حج کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے کیونکہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ حج اصل ابراہیمی ملت کے مطابق انجام پایا تھا جب یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ ابن طالب کو حکم دیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے قافلہ سے جا ملیں اور حج کے موقعہ پر یہ اعلان سب کے سامنے کر دیں۔ حضرت علیؓ نے اپنی اس ڈیوٹی کو پوری طرح انجام دیا۔ حج کے بعد تین سو آدمیوں کا یہ قافلہ مدینہ منورہ واپس آگیا۔ سورۂ برات کی ابتدائی آیتیں اس طرح ہیں۔

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝ وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (سورہ توبہ ۹، آیت ۱ تا ۴)

ترجمہ:- "اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین (کے عہد) سے دستبرداری ہے جن سے تم نے (بلا تعین مدت) عہد کر رکھا تھا۔ سو تم اس سرزمین میں چار مہینے چل پھر لو اور یہ (بھی جان رکھو) کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ (بھی جان رکھو کہ) بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کو آخرت میں رسوا کریگا۔ اور اللہ اور رسول کیطرف سے حج اکبر کے دن عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں ان مشرکین (کو امن دینے) سے دستبردار ہوتے ہیں پھر اگر تم (کفر سے) توبہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم نے (اسلام سے) اعراض

مگر وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد کیا پھر انھوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت (مقررہ) تک پورا کردو۔ بیشک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

سورۂ توبہ کی اس موقعہ پر چالیس آیتیں نازل ہوئی تھیں جن میں مندرجہ ذیل آیت بھی شامل ہے:-

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ (توبہ آیت ۲۸)

ترجمہ:۔ "اے مسلمانو مشرکین تو ناپاک ہیں اب وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔"[۲۱الف]

طبری کی ایک روایت کے مطابق اس اعلان کے بعد کفار عام طور سے مسلمان ہو گئے

مختلف عرب قبائل کے وفود

فتح مکہ کے بعد مدینہ نہ صرف مدینۃ النبیؐ بن گیا بلکہ اسلام کا دارالحکومت بھی تمام جزیرۃ العرب سے مختلف وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ آنا شروع ہو گئے[۲۲]۔ ابن اسحٰق نے ایسے صرف ۱۵ وفود کا حال لکھا ہے جبکہ ابن سعد نے ۷۰ وفود کا تذکرہ کیا ہے لیکن مصنف سیرت شامی نے ۱۰۴ وفود کا تذکرہ کیا ہے[۲۲الف]۔ حافظ ابن قیم نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان میں سے ۳۴ وفود کا ذکر کیا ہے۔ وہ خاص قبائل جن کے وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے۔ ان کے نام حسبِ ذیل ہیں:۔

مزینہ؛ اسد؛ تمیم؛ عبس؛ فزارہ؛ مرہ؛ ثعلبہ؛ محارب؛ کلاب؛ رواس ابن کلاب؛ اشجع؛ بجیلہ؛ سلیم؛ ثقیف؛ ابوالقیس؛ حنیفہ؛ شیبان؛ مراد؛ زبید؛ سدی؛ خثعم؛ ازد؛

۲۱الف۔ ابن جریر طبری، حوالہ مذکورہ؛ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۱، ص ۵۷۱ و ۵۷۲۔

۲۲۔ تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ج ۲، ص ۵۶۰ تا ۵۹۸؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ۱، ص ۲۹۱ تا ۳۵۹؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۱۵ تا ۱۲۵؛ اور ص ۱۳۰ تا ۱۴۵؛ ابن عبدالبر، الدرر ص ۲۶۹

۲۲الف۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۲، ص ۳۶

غمید، اسلم، جزام، مہرہ، حمیر، نجران، عنس وغیرہ

یہ وفود مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ قیام کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ سے اسلامی تعلیمات حاصل کرتے۔ کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ میں سے کسی کو وفد کی مہمانی کرنے اور اسلام سکھانے کو فرماتے۔ مندرجہ ذیل سطور میں تین اہم وفود کی تفصیلات دی جا رہی ہیں۔

(۱) وفد ثقیف :-

ایک اہم وفد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا وہ طائف کے قبیلۂ ثقیف کا تھا۔ یہ وفد رمضان سنہ ۹ھ میں آیا[۲۳] جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس ہی تشریف لائے تھے۔ اس سے پہلے قبیلۂ ثقیف کے سردار عروہ سنہ ۸ھ میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ طائف سے واپس لوٹ رہے تھے آپؐ سے اتنا متاثر ہوئے تھے کہ اسلام قبول کر لیا تھا اور آپؐ سے طائف واپس جا کر تبلیغ اسلام کی اجازت چاہی تھی۔ طائف جا کر انھوں نے اپنے ایمان کا اعلانِ عام کیا اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ طائف کے لوگ اس کو برداشت نہیں کر سکے اور ان کے اوپر سنگ باری کی اور تیر برسائے یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔ مرتے وقت انھوں نے اللہ کے راستے کی اس موت پر اس کا شکر ان الفاظ میں ادا کیا: "یہ ایک تحفہ ہے جس سے اللہ نے مجھے شرف بخشا ہے۔ اور ایک شہادت ہے جس کی طرف اللہ مجھے کھینچ کر لایا"[۲۴]۔ حضرت عروہؓ نے یہ الفاظ اپنی موت کے وقت کہے جس کا ان کے ساتھیوں پر بہت اثر ہوا ان کی شہادت کا یہ خون رنگ لایا اور بعد میں ان کے قاتلین نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عروہ کی شہادت کے بعد قبیلۂ ثقیف کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ ہم تمام عربوں سے جنگ نہیں کر سکتے اب تقریباً پورے عرب نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

۲۳؎ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۳۷؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۹۷۔

۲۴؎ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۳۷؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۹۹؛ ابن اسحاق،

عبد یالیل جوان کا ایک سردار تھا اس نے دوسرے سرداروں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کیا کروہ پانچ آدمیوں کے ایک وفد کے ساتھ مدینہ منورہ جائے گا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے تو آپ نے ان کے لیے مسجد کے صحن میں خیمہ لگوایا۔ انھوں نے اسلام قبول کرلیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بت "لات" کو توڑنے کے لیے کچھ مہلت مانگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار فرمایا۔ بہر حال وہ اس پر راضی ہو گئے کروہ اس بت کو خود نہیں توڑیں گے بلکہ کوئی دوسرا شخص اس کو توڑ دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان ابن حرب اور مغیرہ ابن شعبہ کو اس مہم کے لیے روانہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن ابوالعاص کو ان کا امیر مقرر کیا حالانکہ وہ ان سب میں سب سے زیادہ کم سن تھے۔ ان کے امیر بنانے کی وجہ ان کے اندر اسلامی تعلیمات اور قرآن کو سیکھنے کا جذبہ تھا۔[۲۵]

(۲) وفد بنو تمیم :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اور اہم وفد بنو تمیم کا آیا۔ ان کو اپنے شعراء پر بہت ناز تھا۔ جب وہ آئے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "اے محمدؐ! ہم تم سے فخر میں غلبہ حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں اس لیے ہمارے شاعر و خطیب کو اجازت دو"[۲۶] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے تمہارے خطیب کو اجازت دی" ان کی طرف سے ان کا خطیب عطارد ابن حاجب کھڑا ہوا اور اس نے ایک خطبہ پڑھا۔ جب وہ اپنا خطبہ ختم کر کے بیٹھ گیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت ابن قیس (جو بنو خزرج سے تھے) کو حکم دیا وہ کھڑے ہو کر اس کی تقریر کا جواب دیں۔ اس کے بعد ان کا شاعر زبرقان کھڑا ہوا اور اس نے کچھ اشعار پڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے

---

۲۵ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۶۰؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۱۱۵؛ ابن عبدالبر، الدرر ص ۲۷۱

۲۶ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۶۲؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۱۱۶؛ ابن اسحٰق سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، (انگریزی ترجمہ از گلوم)، ص ۶۲۸۔

حضرت حسانؓ ابن ثابت نے اس کے اشعار کا جواب دیا۔ جب حضرت حسانؓ اس کے اشعار کا جواب دے چکے تو بنو تمیم کے قبیلہ کا اقرع ابن حابس کھڑا ہوا۔ اور اس نے کہا "اس باپ کی قسم یہ آدمی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ہیں جنھیں توفیق الٰہی حاصل ہے۔ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر، ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر اور ان کے الفاظ ہمارے الفاظ سے شیریں ہیں"[۲۶ الف]۔ جب لوگ اس مقابلہ سے فارغ ہوگئے تو بنو تمیم کا وفد اسلام لے آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قیمتی تحائف عطا کیے۔

(۲) وفد بنو عامر[۲۷]:۔

بنو عامر کا ایک وفد اپنے تین سرداروں کے ساتھ آیا۔ جن کے نام یہ ہیں۔ عامر ابن طُفیل، اُربد بن قیس، اور جبار بن سُلمٰی۔ عامر ابن طفیل کا ارادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے سے قتل کرنا تھا۔ اس نے اربد کے ساتھ مل کر یہ منصوبہ بنایا تھا لیکن اُربد نے اس کی بات قبول نہیں کی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچنے پر ایمان لے آئے۔ عامر جب اپنے وطن واپس آرہا تھا تو راستے میں طاعون میں مبتلا ہوکر مرگیا[۲۸]۔

اس وقت تک عرب کی جو اہم شخصیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور اسلام قبول کیا ان میں مندرجہ ذیل حضرات قابلِ ذکر ہیں۔

عدی ابن حاتم (قبیلہ طی کے عیسائی سردار)؛ فروہ ابن مُسیک المرادی (قبیلہ کندہ کے)؛ عمرو ابن معدیکرب (قبیلہ بنو زبید)؛ اشعث ابن قیس (قبیلہ کندہ)؛ صرد ابن عبداللہ ازدی (قبیلہ ازد کے ایک سردار)؛ حمیر کے بادشاہ؛

---

۲۶ الف۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۵۶۲۔

۲۷۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۵۶۷-۵۶۳؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک ج ۳، ص ۱۴۴۔

۲۸۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۵۶۸؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳ ص ۱۴۵؛ ابن عبدالبر، الدرر ص ۲۷۰۔

حارث ابن عبد کلال، نعیم ابن عبد کلال اور نعمان (جو ذو رعین ، معافر اور ہمدان کا شاہ تھا)، فروہ ابن عمرو جذامی (قبیلۂ نفاثہ)۔

ان کے اسلام قبول کرنے کی تفصیلات سیرت ابن ہشام اور دوسری کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

۹ھ کے متفرق واقعات

بذریعہ وحی سود کو حرام کر دیا گیا۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اسی سال انتقال ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

باب ۱۵

ہجرت کا دسواں اور گیارہواں سال

حضرت خالدؓ کی نجران اور حضرت علیؓ کی یمن کی طرف روانگی

نجران کے کافی عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن پھر بھی کچھ ایسے لوگ تھے جو اسلام قبول کرنے سے رہ گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو ایک تبلیغی مہم پر نجران کے لیے روانہ کیا۔[1] انھوں نے نجران میں تبلیغ کا کام کیا اور وہاں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہاں کے لوگوں نے ایک وفد مدینہ منورہ نہ بھیج دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کی بڑی عزت اور خاطر و مدارات کی۔

یمن میں ابھی تک مشرکین باقی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان سنہ ۱۰ھ[2] میں تین سو گھوڑ سواروں کے ساتھ حضرت علیؓ کو وہاں کے لیے روانہ کیا۔ جب حضرت علیؓ یمن پہونچے تو انھوں نے اہلِ یمن کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر وہ ان سے جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ ایک چھوٹی سی لڑائی ہوئی جس میں مشرکین شکست کھا گئے اور بالآخر انھوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اور ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جو آپؐ کی وفات سے کچھ قبل مدینہ منورہ میں آپؐ

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص، ۱۶۹؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۲۶۔
مزید ملاحظہ ہو۔ السیرۃ النبویہ، از ابن ہشام، ج ۲، ص ۶۴۱۔

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۶۹؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۳۱۔
نوٹ:۔ (۱) ابن ہشام نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے مگر کوئی تاریخ نہیں لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۱۔
(۲) حضرت علیؓ کو دو بار یمن بھیجا گیا تھا: ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۱؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۶۹۔

سے ملا۔ حضرت علیؓ یمن میں ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ تک رہے۔

حجۃ الوداع

غزوہ تبوک کے بعد فوجی مہمات کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ پھر ایک ہی سال کے اندر ہی پورے جزیرۂ عرب پر اسلام کا غلبہ ہوگیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اب مدینہ میں مقیم ہوکر چاروں طرف سے آنے والے لوگوں اور وفود کا استقبال کرنے اور ان کو اسلام کی تعلیم دینے میں مشغول ہوگئے۔ جب قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیتیں نازل ہوئیں تو آپؐ کو اس بات کا احساس ہوگیا کہ اب آپؐ کا مشن اپنے اختتام تک پہونچنے والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ٥ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ
اَفْوَاجًا ٥ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ٥ (سورہ نصر)

ترجمہ: " (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب خدا کی مدد اور (مکہ کی) فتح آپہونچی اور آپؐ نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں تو اب آپؐ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجیے، اور اس سے استغفار کی درخواست کیجیے۔ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

فرضیت حج کے بعد ابھی تک آپؐ نے کوئی حج ادا نہیں کیا تھا۔ حج کی فرضیت سنہ ۹ھ میں ہوئی تھی جس میں آپؐ نے بنفس نفیس شرکت نہیں کی تھی بلکہ حضرت ابوبکرؓ کو اپنے نائب کی حیثیت سے امیر حج بنا کر بھیجا تھا۔

سنہ ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا، جس کا عام اعلان کیا گیا۔ آپؐ نے عرب کے مختلف حصوں میں قاصدین بھیجے کہ لوگ آپؐ کے ساتھ اس حج میں شرکت کریں۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپؐ کے ساتھ اس مقدس سفر میں شرکت کے لیے مدینہ منورہ آنا شروع ہوگئے۔ شہر مدینہ کے باہر حاجیوں کے لیے خیمے لگوائے گئے۔ عرب کے کونے کونے سے

نوٹ:۔ حاشیہ ﷺ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے۔

مرد و عورت اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فریضۂ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کر سکیں۔ حاجیوں کی کل تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ (عرفات کے دن حاجیوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ ۲۶ ذی قعدہ سنہ ۱۰ھ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ تقریباً ۶ میل چلنے کے بعد مقام ذوالحلیفہ پر آپؐ نے احرام باندھا۔ تمام صحابہؓ نے آپؐ کی اقتدا کی۔ احرام باندھنے کے بعد آپؐ نے لبیک کی صدا لگائی۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ۔ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ
اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

ترجمہ: "اے اللہ ہم تیرے سامنے حاضر ہیں، اے اللہ ہم تیرے سامنے حاضر ہیں، ہم تیرے سامنے حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں۔ سب تعریفیں، سب نعمتیں تیرے ہی لیے ہیں اور سلطنت بھی تیرے ہی لیے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔"

یہ الفاظ ہزاروں آدمیوں نے دہرائے اور پورا صحراء ان کی آواز سے گونج اٹھا۔ ۵ ذی الحجہ (کچھ روایتوں کے مطابق ۴ ذی الحجہ) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ پہونچے۔ کعبۂ مشرفہ کا طواف کرنے کے بعد آپؐ نے دو رکعت نماز مقام ابراہیم پر ادا کی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى

ترجمہ: "اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔"

اس کے بعد آپ کوہ صفا پر پہونچے تو یہ آیت پڑھی

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

ترجمہ: "صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔"

وہاں سے کعبہ نظر آیا تو آپؐ نے یہ الفاظ فرمائے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِیْ

---

۴۳ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۰۱؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۰۱؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۱۴۸؛ ابن عبدالبر، الدرر، ص ۲۷۵۔

وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (ابوداؤد)

ترجمہ: "اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے سلطنت اور تمام تعریفیں ہیں۔ وہ مارتا اور جلاتا ہے۔ اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندہ کی مدد کی اور تن تنہا تمام لشکروں کو شکست دی"

اس کے بعد آپؐ نے سعی فرمائی۔ آپؐ نے ان لوگوں کو جن کے پاس قربانی کے جانور نہیں تھے عمرہ پورا کر کے احرام اتارنے کا حکم دیا۔ اسی درمیان حضرت علیؓ بھی یمن کے ایک وفد کے ساتھ آپؐ سے آملے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ۸ ذی الحجہ تک قیام فرمایا۔ اور ۸ ذی الحجہ کے روز آپؐ مکہ مکرمہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہوئے جہاں آپؐ نے رات گذاری اور دوسرے دن ۹ ذی الحجہ کی صبح کو عرفات کے لیے روانہ ہو گئے۔

آپؐ کا تاریخی خطبہ:۔

میدانِ عرفات میں جب دوپہر ڈھل گئی تو آپؐ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہوئے اور اونٹنی پر بیٹھ کر خطبہ دیا۔ اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا۔ پورا خطبہ کسی ایک سیرت یا حدیث کی کتاب میں نہیں ملتا مختلف کتابوں میں مختلف حصے ملتے ہیں جن کو مندرجہ ذیل سطور میں تحریر کیا جا رہا ہے:۔

الا کل شیٔ من امر الجاھلیہ تحت قدمی موضوع (الدرر، صحیح بخاری، صحیح مسلم)	سن لو! جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔
لا فضل لعربي علی عجمي ولا لعجمي علی عربي	کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں۔ تم سب آدمؑ

سے ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۰۳ و ۶۰۴؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۳، ص ۱۵۰ تا ۱۵۲؛ ابن عبد البر، الدرر، ص ۲۸۲ و ۲۸۳؛ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۲، ص ۱۲۴ و ۱۲۵۔
مزید ملاحظہ ہو: البدایۃ والنہایہ، شرح المواہب اللدنیہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، حجۃ الوداع و عمرات النبی - از شیخ محمد زکریا کاندھلوی۔

كلكم من آدم وآدم من تراب (عقد الفريد اس کا کچھ حصہ مسند احمد اور بیہقی میں بھی ہے) كل مسلم أخو المسلم (طبری وابن ماجہ) ارقاكم ارقاكم اطعموهم بما تاكلون واكسوهم بما تلبسون (الطبقات الكبرىٰ ابن سعد) ودماء الجاهلية موضوعة وان اول دم اضعه من دمائنا دم ابن ربيعة ابن الحارث (صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد) وربا الجاهلية موضوع واول الربا اضع من ربانا ربا عباس ابن عبد المطلب (صحیح مسلم، سنن ابوداؤد)

وَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ (صحیح مسلم، سنن ابو داؤد) ان لكم على نسائكم حقا ولهن عليكم حقا (سیرۃ ابن ہشام، تاریخ طبری وغیرہ) ان دماءكم واموالكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا في بلدكم هذا (صحیح بخاری، مسلم اور سنن ابوداؤد) واني تركت فيكم ما لن تضلوا بعده ان اعتصمتم به كتاب الله (صحیح بخاری، مسلم) ان الله عزوجل قد اعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث الولد للفراش وللعاهر الحجر وحسابهم على الله. من ادعى الى غير أبيه او تولى غير مواليه فعليه لعنة الله

کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے تمہارے غلام، تمہارے غلام! (یعنی غلاموں کے ساتھ انصاف کرو) ان کو وہ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہ پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔ جاہلیت کے تمام خون (انتقام خون) باطل کر دیئے گئے ہیں۔ اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون ربیعہ ابن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔ آج کے دن جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے۔ اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود عباس ابن مطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔ (اے لوگو) عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت اسی طرح حرام ہے جیسے آج کے دن کی حرمت اور آج کے مہینے کی حرمت اور اس شہر کی حرمت۔ میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ وہ اللہ کی کتاب ہے! اللہ عزوجل نے ہر حقدار کو (وراثت کے قوانین کے ذریعہ) اس کا حق دے دیا ہے اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں۔ بچہ اس کا ہے

الا لا یحل لامرأۃ ان تعطی من مال زوجہا شیئا الا باذنہ۔ الدین مقضی، والعاریۃ مؤداۃ والمنحۃ مردودۃ والزعیم غارم (الطبقات لابن سعد، السیرۃ لابن اسحٰق، السنن لابن ماجہ وغیرہم)

جس کے بستر پر پیدا ہوا۔ زانی کے لیے پتھر ہیں اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ جو بچہ اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ کسی عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں۔ قرض واجب الادا ہے۔ جو چیز عاریۃً لی جائے اس کو ادا کرنا ضروری ہے عطیہ لوٹایا جائے۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

خطبہ کے بعد آپؐ نے مجمع کو خطاب کرکے کہا انتم مسئولون عنی فما انتم قائلون یعنی تم سے اللہ کے یہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے۔ صحابہؓ نے کہا "نشھد انک قد بلغت وادیت ونصحت" یعنی ہم گواہی دیں گے کہ آپؐ نے اللہ کا پیغام پہونچا دیا۔ اپنا فرض ادا کر دیا۔ اور نصیحت کی۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا: اللھم اشھد اللھم اشھد، اللھم اشھد۔ اے اللہ تو گواہ رہے، اے اللہ تو گواہ رہے، اے اللہ تو گواہ رہے۔ (سنن ابی داؤد، صحیح مسلم وغیرہ)

اس موقع پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی[ا]۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۝ (سورہ مائدہ[ا] آیت ۳)

ترجمہ:۔ "آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو ہم نے مکمل کر دیا۔ اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔ اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے بحیثیت مذہب قبول کیا۔"

ا صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۲، ص ۱۸۸۔

خطبہ سے فارغ ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ اور پھر آپؐ نے ظہر کی دو رکعت اور پھر عصر کی دو رکعت نماز (ایک ہی اذان سے) پڑھی۔ نماز کے بعد آپؐ ذکر و دعا میں مشغول رہے اور بعد غروب آفتاب مزدلفہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ مزدلفہ پہونچ کر پہلے آپؐ نے مغرب کی نماز ادا کی اور پھر فوراً ہی عشاء کی نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے طلوع فجر تک آرام فرمایا۔ محدثین کے مطابق یہی ایک رات ہے جس میں آپؐ نے تہجد کی نماز ادا نہیں کی۔

۱۰ ذی الحجہ کو مزدلفہ میں فجر کی نماز ادا کر کے آپؐ منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے۔ منیٰ روانگی سے قبل آپؐ نے مزدلفہ میں ہی جمرات پر پھینکنے کے لیے کنکریاں چن لی تھیں۔ منیٰ پہونچ کر پہلے آپؐ نے جمرات پر کنکریاں پھینکیں۔ بعض سیرت نگاروں کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد منیٰ میں ایک اور بلیغ خطبہ دیا۔ جس میں آپؐ نے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی بتایا کہ سال کے بارہ۱۲ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابلِ احترام ہیں۔ یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔ اس کے علاوہ آپؐ نے یوم نحر کی حرمت سے بھی آگاہ کیا اور اس دن کی فضیلت بھی بتائی نیز دوسرے شہروں پر مکہ مکرمہ کی فضیلت و برتری بھی بتائی، وغیرہ۔

اس کے بعد آپؐ قربان گاہ تشریف لے گئے، اور وہاں قربانی کی۔ اور یہ بھی فرمایا کہ قربانی کے لیے منیٰ کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ منیٰ اور مکہ کی ہر ایک گلی میں قربانی ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے ان میں سے ایک روایت کے مطابق ۶۳ اونٹ آپؐ نے خود ذبح کیے۔ اور باقی کے لیے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ (آپؐ کی طرف سے) ذبح کر دیں۔ آپؐ نے اور حضرت علیؓ نے قربانی کے گوشت میں سے کچھ پکوا کر تناول فرمایا اور باقی کے لیے حکم دیا کہ خیرات کر دیا جائے۔

قربانی سے فارغ ہو کر آپؐ نے حلق کروایا (یعنی سر منڈوایا) اور اپنے موئے مبارک اپنے ارد گرد کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد آپؐ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ پھر چاہ زمزم پر آ کر زمزم پیا۔ اور اس کے بعد منیٰ تشریف لے گئے اور وہاں ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ منیٰ میں آپؐ نے ۱۲ ذی الحجہ تک (ایام تشریق کے دوران) قیام فرمایا۔

۱۳ ذی الحجہ کو زوال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے نکل کر وادی محصب میں قیام کیا۔ اور شب اسی مقام پر گذاری۔ ۱۴ ذی الحجہ کو پچھلے پہر اٹھ کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے وہاں پہلے طواف کیا اور پھر فجر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپؐ مدینہ منورہ ۱۴ ذی الحجہ کو ہی روانہ ہو گئے۔

مکہ سے مدینہ واپس جاتے ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غدیر خُم پر پہونچے تو آپؐ نے تمام صحابہؓ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا جس میں آپؐ نے حمد و ثنا کے بعد قرآن و سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی تلقین کی اور اہل بیت کی عزت و توقیر کرنے کے لیے بھی کہا۔ اس موقعہ پر آپؐ نے حضرت علیؓ کی فضیلت ان الفاظ میں فرمائی۔

من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ ۵ (الف)

ترجمہ: "جس کو میں محبوب ہوں علیؓ بھی اسکو محبوب ہونا چاہیئے۔ اے اللہ جو علیؓ سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو علیؓ سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔"

جب آپؐ ذوالحلیفہ پہونچے تو رات وہیں بسر کی اور فجر کی نماز کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ سواد مدینہ پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو آپؐ نے تین بار تکبیر کہی اور یہ دعا پڑھی۔

لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر، آئبون تائبون، عابدون، ساجدون لربنا حامدون صدق اللّٰہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ

ترجمہ: "اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں بس اسی کی سلطنت ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم لوگ واپس آ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے۔ اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے۔ اس کی حمد کرتے ہوئے۔ اللہ نے اپنا وعدہ

---

۵ الف۔ نسائی، مسند احمد، السیرۃ النبویہ لابن کثیر ج ۴، ص ۴۱۵۔

سچا کر دکھایا۔ اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام لشکر کو تنہا شکست دی۔[۵۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعداد

بیشتر مؤرخین کے مطابق جن غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت کی تھی ان کی تعداد ۲۷ ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) غزوۂ ابوا (وَدان)؛ (۲) غزوۂ بواط؛ (۳) غزوۂ عشیرہ؛ (۴) غزوۂ بدر اولیٰ؛ (۵) غزوۂ بدر کبریٰ؛ (۶) غزوۂ بنو سلیم؛ (۷) غزوۂ سویق؛ (۸) غزوۂ غطفان؛ (۹) غزوۂ نجران؛ (۱۰) غزوۂ احد؛ (۱۱) غزوۂ حمراء الاسد؛ (۱۲) غزوۂ بنو نضیر؛ (۱۳) غزوۂ ذات الرقاع؛ (۱۴) غزوۂ بدر اخیرہ؛ (۱۵) غزوۂ دُومۃ الجندل؛ (۱۶) غزوۂ خندق؛ (۱۷) غزوۂ بنو قریظہ؛ (۱۸) غزوۂ بنو لحیان؛ (۱۹) غزوۂ ذی قرد؛ (۲۰) غزوۂ بنی مصطلق؛ (۲۱) غزوۂ حدیبیہ؛ (۲۲) غزوۂ خیبر؛ (۲۳) غزوۂ عمرۃ القضاء؛ (۲۴) غزوۂ فتح مکہ؛ (۲۵) غزوۂ حُنین؛ (۲۶) غزوۂ طائف؛ (۲۷) غزوہ تبوک۔

ان ۲۷ غزوات میں سے صرف ۹ غزوات میں جنگ ہوئی جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں: غزوۂ بدر؛ غزوۂ احد؛ غزوۂ خندق؛ غزوۂ بنو قریظہ؛ غزوۂ بنو مصطلق؛ غزوۂ خیبر؛ غزوۂ فتح مکہ؛ غزوۂ حُنین اور غزوۂ طائف۔

جہاں تک ان سرایا کا تعلق ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک نہیں تھے مؤرخین کی رائے ان کی تعداد کے متعلق مختلف ہے۔ ابن ہشام کے مطابق سرایا و بعوث کی تعداد کل ملا کر ۳۹ ہے[۵۳] ابن سعد کے مطابق چھوٹے بڑے تمام سرایا ملا کر ۴۸ ہوتے ہیں۔ ابن سعد میں ذکر کیے گئے زیادہ تر سرایا اس کتاب میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔[۵۴]

---

[۵۲] زاد المعاد، ج ۱، ص ۲۴۹۔

[۵۳] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۶۰۹۔

[۵۴] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۶۔

نبوت کے جھوٹے دعویدار

حجۃ الوداع کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے اور دوسرے قبائل کے لوگ اپنے اپنے قبیلوں کی جانب واپس چلے گئے۔ اسلام کو پھیلتا ہوا دیکھ کر آپؐ کو کافی اطمینان ہوگیا تھا۔ اب آپؐ رومیوں کے چیلنج کا جواب دینے کے بارے میں فکرمند تھے کیونکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے بظاہر ایک بڑا خطرہ بنتے جا رہے تھے۔

انہی ایام میں آپؐ کو اطلاع ملی کہ مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا ہے کہ سرزمین قریش جو آپؐ کو ملی ہے اس کا نصف حصّہ اس کے حوالے کیا جائے۔[۸] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کو جواب میں تحریر کیا "محمد الرسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے پاس۔ تمام زمین اللہ کی ہے وہ اپنے نیک بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے وہ اس کو اس کی وراثت عطا کرتا ہے اور سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی اتباع کی"۔[۹]

مسیلمہ کے علاوہ دو اور شخصوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ ان میں سے ایک نجد کا طلیحہ زاعم ابن اسد تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خائف تھا اس لیے اس نے آپؐ کی وفات کا انتظار کیا اور آپؐ کی وفات کے بعد اپنی جھوٹی نبوت کا کھلم کھلا اعلان کیا۔ دوسرا شخص یمن کا اسود عنسی تھا جس نے سحر کے ذریعہ اپنے چاروں طرف ایک مجمع جمع کر لیا تھا۔ اس نے یمن کے اس والی کو بھی قتل کر دیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا۔ اس کے بعد وہ نجران کی طرف بڑھا اور یمن کے سابق حکمراں ابن بازان کو قتل کرنے کے بعد اس کی بیوہ سے شادی کر لی۔ بعد میں ابن بازان کی بیوہ نے اسے قتل کر دیا۔

رومیوں کے خلاف لشکر کی تیاری

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جنگ ناگزیر تھی۔

---

۸ ابن جریر طبری، تاریخ، الرسل والملوک، ج ۲، ص ۱۴۹۔
۹ ایضاً۔

رومی مسلمانوں کی ترقی کو دیکھ کر اندر ہی اندر سُلگ رہے تھے۔ اگر ان کو جانباز مسلمانوں کا خوف نہ ہوتا جن کے سامنے یا تو جام شہادت ہوتا تھا یا فتح و کامیابی، تو وہ کافی عرصہ پہلے ہی مسلمانوں پر چڑھائی کر دیتے۔

اپنی حیات کے آخری ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شام کی سرحد پر مسلمانوں کے خلاف رومیوں کی تیاری کا علم ہوا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ ان سے مقابلہ کے لیے ایک لشکر تیار کیا جائے۔ حضرت اسامہ ابن زیدؓ ابن حارثہ کو اس لشکر کا امیر مقرر کیا گیا۔[۱] ان کے والد حضرت زیدؓ رومیوں کے مقابلہ میں اس سے پہلے ایک جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ اس لشکر میں انصار و مہاجرین کے جلیل القدر صحابہؓ شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ کو حکم دیا کہ وہ بلقاء تک جائیں اور دشمن کی سرزمین میں فلسطین کے اس حصہ سے داخل ہوں جو موتہ سے قریب ہے جہاں ان کے والد شہید ہوئے تھے۔

ابھی حضرت اسامہؓ کا لشکر مدینہ منورہ سے بمشکل چند میل کے فاصلہ تک ہی گیا تھا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کی خبر سُنی اس لیے وہ مدینہ کے قریب جرف کے مقام پر ٹھہر گئے تاکہ جنازہ میں شرکت کر سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور وفات

حجۃ الوداع سے واپسی کے دو ماہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پڑ گئے لیکن اس کے باوجود آپؐ تمام کام انجام دیتے رہے۔ آپؐ اُحد تشریف لے گئے اور وہاں شہداء کے لیے دعا کی۔ وہاں آپؐ نے ایک مختصر سا خطبہ بھی دیا جس میں فرمایا: ”میں تمہارے بارے میں بُت پرستی سے نہیں ڈرتا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور اس کے لیے آپس میں کشت و خون نہ کرو۔ تو پھر تم اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے قومیں

---

[۱] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۱؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۸۹؛ ابن جریر طبری تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۱۸۴۔

ہلاک ہوئیں"۔ ایک راوی کے مطابق یہ آپؐ کا آخری خطبہ تھا جو اس نے سنا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علالت کے باوجود جماعت سے نماز پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ اتنے کمزور ہو گئے کہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ اس وقت آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پیغام بھجوایا کہ وہ نماز کی امامت کریں چنانچہ کئی دن تک حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔ وفات سے چار روز پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ افاقہ محسوس کیا اور ظہر کی نماز سے پہلے غسل کیا۔ اس کے بعد آپؐ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے مسجد تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے۔ لیکن آپؐ نے انھیں اشارہ سے روک دیا۔ اور ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ کر اور دوسرے لوگ نماز کے ارکان ادا کرتے جاتے تھے۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جو آپؐ کی زندگی کا آخری خطبہ ہے۔[۱]

ان عبدا من عباد اللہ خیرہ اللہ بین الدنیا و بین ما عندہ فاختار ما عند اللہ (الحدیث)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ خواہ وہ دنیا (کی زندگی اور نعمتوں) کو پسند کرے یا اللہ کے پاس آخرت میں جو کچھ ہے اس کو۔ اس نے (اس بندہ نے) اس کو پسند کیا جو کچھ اللہ کے پاس ہے"۔

راوی کا کہنا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس جملہ کا مطلب سمجھ گئے اور انھیں معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ چنانچہ وہ رو پڑے اور بولے: نہیں نہیں بلکہ ہم لوگ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو آپؐ پر قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا۔ علی رسلك یا ابا بکر (ابوبکر سہولت سے کام لو)

اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا۔

"یہ دروازے جو مسجد میں کھل رہے ہیں ان سب کو بند کر دو مگر ابوبکرؓ کے گھر کا دروازہ

---

[۱] الف۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۱ تا ۶۴۳۔

بند نہ کرو، کیونکہ میں کسی بھی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جو دست و بازو بن کر صحبت نشین ہونے کے اعتبار سے ان سے (ابوبکرؓ سے) افضل ہو۔"

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:۔

"میں اگر بندوں میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا (مگر اللہ ہی میرا دوست ہے۔ اب جو چیز باقی رہ گئی ہے وہ) میری صحبت کا شرف اور ایمانی برادری ہے۔ یہاں تک کہ اللہ ہمیں اپنے پاس جمع فرمائے۔"[ب]

ایک روایت کے مطابق آپؐ نے یہ بھی فرمایا:۔

"اے لوگو! میں انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔ عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو جائیں گے جیسے کھانے میں نمک۔ وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے۔ وہ میرے (جسم میں) بمنزلہ معدہ کے تھے۔ جو تمہارے نفع و نقصان کا متولی ہو۔ اس کو چاہیے کہ ان میں جو نیکوکار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطا ہوئی ہے ان کو معاف کرے۔"[ش]

آپؐ نے مزید فرمایا:۔

"اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہؓ! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی! تم اللہ کے یہاں کے لیے کچھ کر لو۔ میں اللہ کے یہاں تمہارے کام نہیں آ سکتا۔"[ت]

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ تھا۔ خطبہ سے فارغ ہو کر آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد علالت نے شدت اختیار کر لی۔ بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاوّل کی صبح کو آپؐ نے کچھ افاقہ محسوس کیا اور اپنے حجرہ مبارک

[ب] یہاں تک کا خطبہ ابن ہشام میں تحریر ہے۔ ملاحظہ ہو:۔ السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۱ تا ۶۴۲۔

[ش] صحیح بخاری، فضائل اصحاب النبیؐ؛ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ج ۲، ص ۱۷۸۔

[ت] مسند امام شافعیؒ، باب استقبال القبلہ؛ کتاب الام از امام شافعیؒ؛ ابن سعد، جزء المغازی؛ شبلی نعمانی حوالہ مذکور ج ۲، ص ۱۶۹۔

کا پردہ اٹھایا۔ حضرت ابوبکرؓ بدستور لوگوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ آپؐ نمازی صفوں کو دیکھ کر مسکرائے۔ لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ آپؐ شاید نماز کے لیے باہر تشریف لائیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ وہ لوگ اپنی نماز اسی طرح پوری کر لیں۔

اسی دن دوپہر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت اچانک پھر خراب ہو گئی اور آپؐ پر غشی طاری ہو گئی۔ موت کی شدت میں بھی آپؐ اللہ کو یاد کرتے جا رہے تھے اور استغفار پڑھتے جا رہے تھے۔ سہ پہر کو آپؐ کے سینہ میں سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ اسی درمیان آپؐ کے لب مبارک ہلے اور لوگوں نے یہ الفاظ سنے

الصلوٰۃ وماملکت ایمانکم ۔۔۔[11] (نماز اور غلام)

آپؐ کے قریب ہی ایک لگن میں پانی بھرا رکھا تھا اس میں آپؐ بار بار ہاتھ ڈالتے اور گیلے ہاتھوں کو چہرہ پر مل لیتے۔ اسی درمیان آپؐ نے ہاتھ اٹھا کر انگلی سے تین بار اشارہ کیا اور تین دفعہ فرمایا:

اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ (صحیح بخاری)

ترجمہ: "سب سے اعلیٰ اور برتر رفیق اللہ کے پاس"

(نوٹ: کچھ روایتوں میں "بل الرفیق الاعلیٰ" کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۴، ص ۳۰۵)

اس طرح بارہ[12] ربیع الاول ۱۱ھ بروز دوشنبہ (مطابق ۸ جون ۶۳۲ء) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پاک عالمِ قدس میں پہونچ گئی۔

---

[11] زیادہ تر مؤرخین کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی تھی ملاحظہ ہو: محمد زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ج ۳، ص ۱۱۰؛ ابن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، ج ۲، ص ۲۰۰؛ ابن عبدالبر الدرر؛ ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۷۲؛ ابن کثیر البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۲۵۴ تا ۲۵۶۔

[12] ہجری اور عیسوی تاریخوں کے تقابلی مطالعہ کی بنیاد پر مرتب مشہور تقویم "مفتاح التقویم" از حبیب الرحمان خاں صابری (مطبوعہ ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی ۱۹۷۰ء) اور ہجری و عیسوی تاریخوں کے تقابلی مطالعہ پر مرتب کتاب مصنف ۔ اے۔ ایم۔ خالدی وغیرہ کی بنیاد پر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یکشنبہ (اتوار) کے روز پڑتی ہے جس کے مطابق عیسوی تاریخ ۷ جون ۶۳۲ء ہوتی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ ہم اس سے پہلے کا مہینہ یعنی صفر ۱۱ھ ۲۹ دن کا مانیں لیکن اگر ہم صفر ۱۱ھ ۳۰ دن کا مانیں تو بارہ ربیع الاول ۱۱ھ ٹھیک دوشنبہ (پیر) کے روز پڑے گی جس دن عیسوی تاریخ ۸ جون ۶۳۲ء ہوگی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ صَلٰوۃً کَثِیْرًا کَثِیْرًا

حضرت فضلؓ ابن عباسؓ اور اُسامہؓ ابن زید نے پردہ کیا اور حضرت علیؓ نے غسل دیا۔ حضرت عباسؓ بھی اس وقت موجود تھے۔ غسل و تکفین کے بعد جنازہ مبارک کو گھر ہی میں رکھ دیا گیا۔ لوگ جماعتیں بنا بنا کر آتے اور نمازِ جنازہ ادا کرتے۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں قبر مطہر کھودی گئی اور وہیں آپؐ کو دفن کیا گیا۔ اب اس حجرہ کا نام روضۃ النبیؐ ہے۔

اللّٰھم صل وسلم علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ صلوٰۃ کثیراً کثیراً

باب ۱۶

اخلاق، اعلیٰ کردار اور حلیۂ مبارک

اس عالم میں بہت سی عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں جن میں اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء ورسل بھی شامل ہیں اور مذہبی وسماجی مصلحین بھی لیکن کسی شخصیت کو یہ مخصوص شرف حاصل نہیں ہے جو کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپؐ کی زندگی کی تمام تفصیلات تاریخ کے اندر ۱۴ سو سال سے پوری طرح محفوظ ہیں۔ ان تفصیلات کو پڑھ کر آج بھی ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیات ہماری آنکھوں کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح موجود ہے۔ آپؐ کے منصب نبوت کی تمام تفصیلات۔ آپ کی زندگی کے ہر گوشہ کا مفصل بیان اور تمام جزئیات آپؐ کے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات، اپنے ساتھیوں (صحابہؓ) کے ساتھ معاملات روز روشن کی طرح ہمارے سامنے عیاں ہیں۔ یہ تمام تفصیلات قرآن و احادیث میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ متقدمین سیرت نگاروں اور مؤرخین نے بھی اس سلسلہ میں بیش قیمت سرمایہ فراہم کیا ہے۔ جس سے آپؐ کی حیات کی مکمل تصویر ہمارے سامنے آئی ہے۔

مغربی مؤرخین اور نقادوں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ نسل انسانی کی تمام مذہبی شخصیات اور دنیا کے تمام رہنماؤں میں صرف (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت ہی ایسی شخصیت ہے جن کی زندگی کے تمام گوشے تاریخ کے اندر پوری طرح محفوظ ہیں۔

بوس ورتھ اسمتھ لکھتا ہے:۔

"محمڈن ازم (اسلام) میں ہر چیز مختلف ہے۔ یہاں پر دھندلے اور پر اسرار (واقعات) کی جگہ ہمیں ایک تاریخ ملتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خارجی تاریخ سے پوری طرح واقف ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ساتھ ہی ساتھ جب سے آپؐ نے اپنے مشن کا اعلان کیا اس وقت سے آخری وقت تک کے حالات بھی ایک ایسی کتاب میں محفوظ ہیں جس کی اصلیت (وسچائی) کو بے مثال طریقہ سے محفوظ رکھا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ جس کے مستند ہونے پر کوئی شک وشبہ نہیں کرسکتا۔"[1]

ان راویوں کی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کو محفوظ رکھا ہے، تاریخ پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اسپرینگر تحریر کرتا ہے:۔

"دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں ہے جو پچھلے بارہ سو سال میں گذری ہو اور جس نے کسی بھی صاحب علم وفضل کی زندگی کی تفصیلات کو اس طرح محفوظ کیا ہو جس طرح انھوں نے کیا ہے۔ اگر ہم ان مسلمان راویوں کے حالات کو جمع کریں (جنہوں نے سیرت نگاروں واحادیث کے جمع کرنے میں حصہ لیا)، تو شاید ہم پانچ لاکھ ممتاز اشخاص کی زندگی کا حساب رکھ سکیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔"

پروفیسر مارگولیتھ مندرجہ ذیل الفاظ میں تبصرہ کرتا ہے:۔

"محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سیرت نگاروں کی ایک لمبی فہرست ہے جس کا ختم ہوجانا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پالینا باعث شرف وعزت ہے۔"

جان ڈیون پورٹیس نے اپنی کتاب :

"Apology for Muhammad And The Holy Qur'an"

یں لکھا ہے: "دنیا کے تمام قانون سازوں اور فاتحین میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس

---

[1] بوس ورتھ اسمتھ:

Bosworth Smith, "Muhammad And Muhammadanism" pp-.14-15.

کی زندگی کی تفصیلات محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح صحیح اور حقیقت پر مبنی ہوں"۔

مندرجہ ذیل سطور میں ہم مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو مختصراً بیان کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقے اور اعلیٰ کردار :۔

آپؐ کی سیرت کا سب سے اہم پہلو عملیت ہے۔ آپؐ نے اپنی تعلیمات پر خود بھی پوری طرح عمل کیا۔ آپؐ اپنے برتاؤ میں انتہائی رحمدل، مہربان اور نرم طبیعت تھے۔ قرآن کریم ان الفاظ میں آپؐ کی نرم مزاجی کو بیان کرتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمرانؑ، آیت ۱۵۹)

ترجمہ: "یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپؐ ان کے (صحابہؓ) کے ساتھ نرم (مزاج) ہیں اور اگر آپؐ تند خو اور سخت طبیعت کے ہوتے تو یہ (لوگ) آپؐ کے پاس سے منتشر ہو جاتے"۔

ایک دوسری جگہ قرآن کریم کہتا ہے :۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (سورہ توبہ ۹، آیت ۱۲۸)

ترجمہ: "اے لوگو! تمہارے پاس تم میں ہی کے ایک ایسے رسولؐ تشریف لائے ہیں جن کو تمہاری تکلیف نہایت گراں گذرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں جو مومنین کے ساتھ بڑے شفیق اور مہربان ہیں"۔

حضرت معاذؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نصیحت نقل کرتے ہیں جو آپؐ نے ان کو یمن کا گورنر مقرر کرنے کے بعد اس حال میں کی تھی جبکہ حضرت معاذؓ کے پاؤں رکاب میں تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "اے معاذؓ! لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا

تھا، "میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تا کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں"۔[۳]

ایک مرتبہ ایک اعرابی مسجد نبوی میں آیا اور مسجد کے صحن میں پیشاب کرنے لگا۔ لوگ بہت خفا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو چھوڑ دو۔ اور جہاں اس نے پیشاب کیا ہے وہاں ایک بالٹی پانی بہا دو (تا کہ مسجد کا صحن صاف ہو جائے۔) بیشک تم لوگ آسانی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو نہ کہ سختی کرنے کے لیے"۔[۴]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضؓ کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ اچانک ایک اعرابی آیا اور آپؐ کو کھینچنا شروع کیا یہاں تک کہ آپؐ اس کے گلے کے قریب آ گئے۔ اس نے اس زور سے کھینچا تھا کہ کپڑوں کے نشان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر آ گئے تھے۔ اس کے بعد اس اعرابی نے کہا: "اے محمدؐ! جو اللہ کا مال تیرے پاس ہے اس میں سے مجھے بھی دے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرائے اور پھر آپؐ نے اس کو کچھ عطا کیا۔[۵]

حضرت عائشہ رضؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر مسکراہٹ رہتی تھی۔ وہ مزید بیان کرتی ہیں: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی قہقہہ لگاتے ہوئے نہیں دیکھا"۔[۶]

حضرت انس رضؓ بیان کرتے ہیں: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال تک خدمت کی اس دوران نہ تو آپؐ نے مجھے کبھی جھنجھوڑا اور نہ ہی آپؐ نے کبھی میرے لیے سخت الفاظ استعمال کیے"۔[۷]

حضرت جابر رضؓ روایت کرتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کبھی کوئی چیز مانگی

۳۔ موطا امام مالک، مسند احمد، مشکوٰۃ۔
۴۔ صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔
۵۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔
۶۔ صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔
۷۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

جاتی تو وہ انکار نہیں فرماتے۔"[۸]

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں! "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ہی کسی کو بُرا کہا اور نہ ہی کسی کو گالی دی! اور نہ ہی کسی کو سخت و سست کہا، اگر کبھی آپ کو غصہ آجاتا تو آپ صرف اتنا فرماتے! "تیری پیشانی خاک آلود ہو۔"[۹]

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی گئی کہ آپ مشرکین کے لیے بد دعا کریں، آپ نے فرمایا! "میں لوگوں کو بد دعا دینے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ انسانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"[۱۰]

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں! "اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا اختیار دیا جاتا تو آپ اس میں سے زیادہ آسان چیز کو اختیار کرتے بشرطیکہ وہ (دینی نقطہ نظر سے) قابلِ اعتراض نہ ہو۔ آپ نے اپنے ذاتی انتقام کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا لیکن اگر کبھی کسی نے اللہ کی عائد کردہ ممنوعات کی خلاف ورزی کی تو آپ اس سے سختی سے پیش آتے۔"[۱۱]

ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ نقل کرتی ہیں! "جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے مصافحہ کرتے تو آپ اس وقت تک اپنے ہاتھ نہیں کھینچتے تھے جب تک کہ وہ دوسرا شخص خود ہی اپنا ہاتھ نہ کھینچے۔ اور آپ اپنا منہ اس وقت تک نہیں پھیرتے جب تک کہ وہ دوسرا شخص خود ہی اپنا منہ نہ پھیرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی نے اس طرح بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے پاؤں دوسرے کی طرف پھیلے ہوئے ہوں۔"[۱۲]

حضرت عبداللہؓ ابن حارث بیان کرتے ہیں! "میں نے کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکراتا ہوا نہیں دیکھا۔"[۱۳]

---

۸ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔
۹ صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔
۱۰ صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔
۱۱ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، مشکوٰۃ۔
۱۲ صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔
۱۳ جامع ترمذی، مشکوٰۃ۔

جب حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب حبشہ سے واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپؐ نے ان سے معانقہ کیا اور انتہائی مسرت سے فرمایا: "میں نہیں جانتا کہ مجھے جعفرؓ کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا فتح خیبر سے"[۱۴] ان کی واپسی فتح خیبر کے موقع پر ہوئی تھی۔

جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے مکان پر تشریف لے جاتے تو آپؐ دروازہ کے عین سامنے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ اس کے دائیں یا بائیں کھڑے ہوتے (اس زمانہ میں زیادہ تر دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے آپؐ کا یہ عمل اس وجہ سے تھا تاکہ اہل خانہ کی بے پردگی نہ ہو) اس کے بعد آپؐ دو یا تین بار فرماتے "السلام علیکم"[۱۵] ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعدؓ بن عبادہ کو دیکھنے تشریف لے گئے، جب آپؐ حضرت سعدؓ کے پاس سے واپس لوٹ رہے تھے تو حضرت سعدؓ نے اپنے لڑکے قیسؓ کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کے ساتھ آپؐ کے گھر تک جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس سے کہا کہ وہ آپؐ کے ساتھ آپؐ کے ہمراہ اونٹ پر سوار ہو جائے لیکن احتراماً اس نے اونٹ پر سوار ہونے سے گریز کیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ "یا تو اونٹ پر سوار ہو جاؤ ورنہ اپنے گھر واپس چلے جاؤ"[۱۶] قیسؓ مجبوراً اپنے گھر واپس لوٹ گئے۔

ایک یہودی عالم کے کچھ دینار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنے قرض کا مطالبہ کرنے لگا۔ اس وقت آپؐ کے پاس اُسے دینے کے لیے کچھ نہیں تھا یہودی نے کہا: "اے محمدؐ! میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک کہ تم مجھے میرا قرضہ واپس نہ کر دو" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا کیں۔ ان تمام اوقات میں قرض خواہ آپؐ کے پاس بیٹھا رہا۔ یہ دیکھ کر صحابہؓ نے اس کو دھمکیاں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے بھگانے ہی والے تھے کہ آپؐ نے فرمایا "میرے رب نے مجھے معاہد پر یا کسی بھی شخص پر ظلم کرنے سے منع کیا ہے"۔

---

۱۴ شرح السنہ جیسا کہ مشکوٰۃ میں دیا گیا ہے۔
۱۵ سنن ابی داؤد، مشکوٰۃ۔
۱۶ سنن ابی داؤد (کتاب الآداب)۔

جب صبح ہوئی تو یہودی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ میں اپنا آدھا مال اللہ کے راستے میں دیتا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے آپ سے اس طرح کا برتاؤ صرف اس لیے کیا تاکہ آپؐ کی ان خصوصیات کی تصدیق ہو سکے جو توریت میں درج ہیں۔"[۱۷]

اللہ کی مخلوق کے ساتھ آپؐ کی مہربانی و شفقت:۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق خدا کے ساتھ مہربانی و شفقت کے برتاؤ میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ حضرت جابر ابن عبداللہؓ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو دوسرے لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔" (بخاری و مسلم)

حضرت نعمانؓ ابن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم مومنین کو ایک دوسرے پر مہربان، ایک دوسرے سے محبت کرنے والا اور ایک دوسرے کا خیر خواہ پاؤ گے۔ وہ ایک جسم کی طرح ہیں جس طرح اس کے کسی حصہ میں تکلیف ہو تو تمام جسم اس سے متاثر ہوتا ہے اور بخار میں مبتلا ہو کر تمام رات بھر جاگتا ہے۔"[۱۸]

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو اللہ کی مخلوق پر مہربانی و رحمدلی کرتے ہیں اللہ ان پر مہربانی و رحمدلی کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔"[۱۹]

حضرت ایوب ابن موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے اپنے والد سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: "کسی والدین کا اپنے بچہ کے لیے اس سے بہتر عطیہ نہیں کہ وہ اس کو اچھے اخلاق کی تربیت دیں۔"[۲۰]

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک مسلمان

---

۱۷ بیہقی، جیسا کہ مشکوٰۃ میں دیا گیا ہے۔
۱۸ صحیح بخاری؛ صحیح مسلم۔
۱۹ سنن ابی داؤد؛ جامع ترمذی؛ مشکوٰۃ۔
۲۰ جامع ترمذی؛ بیہقی؛ مشکوٰۃ۔

محبت وشفقت کی علامت ہے. اس کے اندر کوئی خیر نہیں جس کے اندر اپنے مسلمان بھائی کے لیے کوئی ہمدردی نہ ہو اور نہ ہی دوسرے مسلمان اس سے ہمدردی رکھتے ہوں۔" (احمد، بیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمدلی کے متعلق قرآن اعلان کرتا ہے۔

وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ (سورہ توبہ ۹، آیت ۶۱)

ترجمہ:۔" اور آپ ان لوگوں کے لیے رحمت ہیں جو تم میں سے ایمان لائے"۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورہ توبہ ۹، آیت ۱۲۸)

ترجمہ:۔" آپ مؤمنین کے ساتھ بڑے شفیق و مہربان ہیں"۔

رشتہ داروں میں حضرت علیؓ سے زیادہ قریب کوئی نہیں تھا۔ وہ بیان فرماتے ہیں:۔

" آپ اچھی طبیعت کے حامل تھے اور نرم دل تھے، آپ نے کبھی کوئی سخت لفظ ادا نہیں کیا اور نہ ہی کسی کی عیب جوئی کی۔ اگر آپ کسی کی درخواست کو نامنظور فرماتے تو خاموش رہتے۔ آپ نے کسی سے " نا" کہہ کر اس کو مایوس نہیں کیا۔ بلکہ خاموشی اختیار کی اور لوگ اس خاموشی کا مطلب سمجھ جاتے تھے۔ چونکہ آپ رحمدل تھے اس لیے ہمیشہ آپ نے دوسرے کی مصیبت میں اس کو دلاسہ دیا"۔ حضرت علیؓ مزید روایت کرتے ہیں:" آپ بہت زیادہ سخی، صادق، اور اچھی طبیعت کے تھے۔ جو آپ کی صحبت میں آتا وہ خوش ہوتا۔ جو آپ کو پہلی مرتبہ دیکھتا اس پر آپ کا رعب پڑتا لیکن بعد میں وہ آپ سے محبت کرنے لگتا"[۲۱]

آپ کی محبوب بیوی حضرت عائشہؓ بجا طور پر آپ کی توجہ کا سب سے زیادہ دعویٰ کر سکتی تھیں۔ اس لیے وہ آپ کے ذاتی حالات سے جتنا واقف تھیں شاید ہی کوئی دوسرا اتنا واقف ہو۔ وہ اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ:" آپ نے کسی کی ملامت نہیں کی بلکہ برائی کرنے والوں کو بھی ہمیشہ معاف کیا۔ آپ ہمیشہ برائیوں سے نفرت کرتے رہے اور اپنی ذاتی تکلیف پر کبھی انتقام نہیں لیا۔ آپ نے نہ تو کبھی کسی غلام کو پیٹا اور نہ کسی ملازم کو یہاں تک کہ کسی جانور کو بھی نہیں۔ آپ نے کبھی جائز درخواستوں کو نامنظور نہیں کیا"[۲۲]

۲۱۔ شمائل ترمذی،

۲۲۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد (کتاب الادب)

حضرت ہندؓ جو آپؐ کے سوتیلے لڑکے اور حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کے لڑکے تھے کی پرورش آپؐ ہی کے زیرِ نگرانی ہوئی۔ وہ گواہی دیتے ہیں، "آپؐ رحمدل اور نرم خو تھے آپؐ نے نہ تو کسی کو مایوس کیا اور نہ ہی کسی کو حقیر سمجھا معمولی سے معمولی احسان پر بھی آپؐ نے شکریہ ادا کیا۔ آپؐ نے کبھی کسی چیز کی ناقدری نہیں کی۔ آپؐ کی خدمت میں جو کچھ پیش کیا گیا وہ آپؐ نے بخوشی قبول فرمالیا۔ آپؐ نے کبھی اپنے ذاتی دشمنوں سے بدلہ نہیں لیا۔ لیکن اگر کسی نے حق (اسلام) کی مخالفت کی تو آپؐ نے پوری شدت سے اس کا مقابلہ کیا"[۲۳]

آپؐ کے اخلاق و مہربانی اور رحمدلی کے سلسلہ میں یہ ان لوگوں کی شہادت ہے جو آپؐ سے بہت قریب رہے۔

جانوروں کے ساتھ رحمدلی کے برتاؤ کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثال تھے۔ آپؐ نے فرمایا! "اللہ نے ہر چیز کے ساتھ مہربانی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو اور جب تم قربانی کرو تو اچھے طریقے سے قربانی کرو۔ قربانی کرنے والے کو چاہیے کہ اپنی چھری تیز کرے اور قربانی کے جانور کو سہولت پہونچائے"[۲۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیل کی خاطر جانوروں کو مارنے سے منع فرمایا[۲۵]۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گذر رہے تھے آپؐ نے دیکھا کہ ایک اونٹ کا پیٹ اس کی کمر سے لگا ہوا ہے اس پر آپؐ نے فرمایا! "ان جانوروں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ جب یہ تندرست ہوں تو ان پر سواری کرو اور تندرستی کی حالت ہی میں ان کو چھوڑ دو"[۲۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک

اگر کوئی شخص دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے عملی پیکر کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ

۲۳۔ شمائل ترمذی۔
۲۴۔ صحیح مسلم بہ مشکوٰۃ۔
۲۵۔ صحیح مسلم بہ مشکوٰۃ۔
۲۶۔ سنن ابی داؤد بہ مشکوٰۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرے ۔ آپؐ نے ایک یا دو موقعوں پر نہیں بلکہ ان گنت مواقع پر اپنے دشمنوں کے ساتھ جس حسن سلوک کا معاملہ فرمایا ہے اس کی مثال ہمیں کہیں نہیں ملتی ۔ مندرجہ ذیل سطور میں اس طرح کے چند واقعات بطور نمونہ تحریر کیے جاتے ہیں ۔

ابو سفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا بدترین دشمن تھا جنگ بدر ، احد اور احزاب اُسی کے اکسانے کے نتیجہ میں ہوئی تھیں ۔ اس کی تلوار نے بے شمار مسلمانوں کا خون بہایا تھا یہ وہی شخص تھا جس نے کئی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی تھی ۔ اس نے اسلام کی ترقی کی ہر مرحلہ پر مخالفت کی ۔ وہی ابو سفیان فتح مکہ کے موقعہ پر رحمت للعالمین کی خدمت میں لایا جاتا ہے ۔ اس کے جرائم کا ریکارڈ اتنا بھیانک تھا کہ وہ سخت سے سخت ترین سزا کا مستحق تھا ۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انتقامات کو نظر انداز کر کے نہ صرف اس کو معاف کر دیا بلکہ ان کو شرف صحابیت سے نوازا اور ان کے مکان کو فتح مکہ کے موقعہ پر جائے امان قرار دیا ۔

ہندہ ابو سفیان کی بیوی تھی یہ وہی عورت تھی جو قریش کی دوسری عورتوں کے ساتھ جنگ میں جا کر رجزیہ اشعار پڑھتی اور کافروں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتی تھی ۔ جس نے جنگ احد میں آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کے لاش کی بے حرمتی کی ان کے کلیجہ اور دل کو کچا چبایا اور ان کے کان و ناک کا ہار بنایا ۔ یہی ہندہ نقاب ڈال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہچان لیا لیکن کچھ نہیں فرمایا بلکہ اس کی غلطیاں معاف کر کے بیعت کر لی ۔ وہ آپؐ کے اس حسن اخلاق سے متاثر ہو کر بول اٹھتی ہے : " محمدؐ ! آج سے پہلے آپؐ کے خیمے سے زیادہ مبغوض میری نگاہ میں کوئی دوسرا خیمہ نہیں تھا لیکن آج آپؐ کے خیمہ سے زیادہ محبوب میری نگاہ میں کوئی اور خیمہ نہیں"[۱]

وحشی حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا ۔ فتح مکہ کے بعد وہ بھاگ کر طائف چلا گیا اور کچھ دنوں کے بعد وہ طائف سے کسی اور مقام پر بھاگ گیا لوگ اس سے کہتے تھے ! وحشی تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہچانا نہیں ہے ۔ آپؐ کے دروازہ کے علاوہ تمہارے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں ۔ بالآخر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ وحشی کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی یاد میں بھر آئیں مگر پھر بھی آپؐ نے اسے

---

[۱] صحیح بخاری (ذکر ہندہ)

معاف کردیا اور اس کا اسلام قبول کرلیا۔ البتہ آپؐ نے صرف اتنا فرمایا! "تم میرے سامنے نہ آیا کرنا کیونکہ تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے چچا کی یاد آجاتی ہے"۔[۲۸]

ہبار ابن اسود وہی شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب بیٹی حضرت زینبؓ کی موت کا سبب بنا۔ فتح مکہ کے بعد وہ فارس بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن بعد میں اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور رحمت عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا، "میں فارس بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے آپؐ کی رحمدلی اور عفو ودرگذر یاد آیا۔ مجھے اپنے تمام قصوروں کا اعتراف ہے"۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف فرمادیا۔[۲۹]

جنگ بدر کے بعد عمیرؓ ابن وہب زہر میں بجھی ہوئی ایک تلوار لے کر مدینہ منورہ آیا تاکہ آپؐ کو دھوکہ سے قتل کردے۔ اُس کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا گیا لیکن آپؐ نے اس کو معاف فرمادیا۔[۳۰]

صفوان ابن امیہ وہی شخص ہے جس نے عمیرؓ ابن وہب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر آمادہ کیا تھا اور یہ وعدہ کیا تھا کہ "اگر وہ قتل کردیا جاتا ہے تو اس کے بعد اس کے خاندان کی پرورش وہ خود کرے گا"۔ فتح مکہ کے بعد وہ جدہ کے راستہ میں بھاگ گیا۔ عمیرؓ رحمت عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں: "صفوان اپنے جرم کی سزا کے خوف میں قریب ہے کہ اپنے آپ کو سمندر کی لہروں کے حوالے کردے"۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "وہ مامون ہے" نہ صرف یہ بلکہ آپؐ نے عمیرؓ کو اپنا عمامہ صفوان کی معافی کی نشانی کے طور پر مرحمت فرمایا۔[۳۱]

فتح خیبر کے بعد ایک یہودی عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دعوت پر مدعو کیا۔ اس نے غدارانہ طور پر آپؐ کے کھانے میں زہر ملادیا۔ بذریعہ وحی آپؐ کو اس کی اس سازش کی اطلاع ہوگئی۔ اس عورت نے آپؐ سے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا لیکن نبی رحمتؐ نے اس کو معاف فرمادیا۔[۳۲] اس کے زہر کے اثر سے تین دن کے بعد جب ایک صحابیؓ کی موت واقع ہوئی تو

۲۸ صحیح بخاری۔
۲۹ السیرۃ النبویہ لابن ہشام؛ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابن اسحاق
۳۰ تاریخ الرسل والملوک، للطبری؛ سیرۃ النبیؐ از شبلی نعمانی
۳۱ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ۔
۳۲ صحیح بخاری، ابن ہشام؛ السیرۃ النبویہ۔

اس کو اس قتل کے جرم میں شریعت اسلامی کے مطابق سزائے موت دی گئی۔

ایک دفعہ آپؐ ایک غزوہ کے بعد نجد سے مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے اسی دوران ایک دوپہر آپؐ اکیلے درخت کے سائے کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ صحابہؓ آپؐ سے کچھ فاصلے پر تھے آپؐ کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی۔ ایک اعرابی گھات لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے آپؐ کی تلوار درخت سے اتار لی، اور نیام سے باہر نکال کر آپؐ سے کہا: "محمدؐ! تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی اطمینان سے جواب دیا۔ "اللہ" وہ اعرابی یہ سنتے ہی خوف زدہ ہوگیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اسی اثنا میں صحابہؓ وہاں آگئے۔ اب تلوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔ وہ کافر خوف سے کانپ رہا تھا آپؐ نے اس سے فرمایا "اب بتاؤ تمھیں محمدؐ سے کون بچائے گا" وہ آپؐ کی خوشامد کرنے لگا۔ نبی رحمتؐ نے فرمایا "ڈرو نہیں" آپؐ نے اس سے بدلا نہیں لیا[۴۲]۔ اور معاف کر دیا۔

ابو عبد یالیل نے طائف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف پہونچائی تھی اس نے اور اس کے خاندان کے لوگوں نے آپؐ کا مذاق اڑایا تھا۔ اور شہر کے اوباشوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا تھا جنھوں نے آپؐ پر پتھر برسائے۔ یہاں تک کہ آپؐ زخموں سے چور ہو گئے تھے اور آپؐ کی ٹانگوں سے خون نکل کر جوتے میں جم گیا تھا۔ وہی عبد یالیل جب آپؐ کی خدمت میں ایک وفد کے سردار کی حیثیت سے طائف سے مدینہ آیا تو آپؐ نے اس کا گرمجوشی سے استقبال کیا اور مسجد کے احاطہ میں دائیں جانب ان کے لیے ایک خیمہ نصب کرایا اور ہر رات رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی دیکھ بھال کرنے لیے جاتے تھے۔ نبیؐ رحمت کے اس کریمانہ برتاؤ اور اخلاق سے وہ لوگ بید متاثر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

مذکورہ بالا واقعات تو صرف آپؐ کے اخلاق حسنہ مہربانی و رحمدلی کی لمبی فہرست میں سے ایک مختصر سی جھلک ہیں جو آپؐ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ اختیار کیا۔ کیا یہ کرم و درگزر دشمن کے ساتھ رحمدلی و مہربانی کی ایک انوکھی اور زندہ مثال نہیں۔ جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔

۴۲۔ سنن ابی داؤد، مشکوٰۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ کے پکے اور امین تھے :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سچ بولتے آپؐ نے کبھی جھوٹی بات نہیں کی۔

نبوت سے پہلے ہی آپؐ کو مکہ میں "صادق" و "امین" کا خطاب دیا گیا تھا،

ایک مرتبہ آپؐ نے عبداللہ ابن ابی حمسہ سے کسی خاص مقام پر اور خاص دن میں حاضر ہونے کا وعدہ کیا۔ وعدہ کے مطابق وہ اس مقام پر آپؐ سے ملاقات کرنا بھول گیا۔ تین دن کے بعد اچانک اس کو یاد آیا اور اس مقام پر گیا۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن سے اسی مقام پر اس کا انتظار کر رہے ہیں۔[۳۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جائز چیزوں میں ایفاء عہد کو مومنوں پر واجب قرار دیا ہے۔ آپؐ نے جب بھی کسی شخص یا قوم سے کوئی وعدہ یا معاہدہ کیا تو ہمیشہ آپؐ اس کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ خواہ اس کی خاطر آپؐ کو اور مسلمانوں کو کتنی ہی تکلیف برداشت کیوں نہ کرنی پڑی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک امانت داری ایک انتہائی اہم اور انسان کے اعلیٰ صفات میں سے ہے۔ آپ جن بری باتوں سے پناہ مانگا کرتے تھے ان میں سے ایک خیانت بھی ہے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کیوں کہ یہ بہت بری باطنی چیز ہے۔[۳۵]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو اس وقت آپؐ کے پاس کفار کی امانتیں رکھی ہوئی تھیں۔ آپؐ کو اسے واپس کرنے کی فکر لاحق تھی چنانچہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو مکہ میں اس لیے چھوڑ دیا تاکہ وہ کفار کو ان کی امانتیں واپس کر دیں۔ ایک اور جگہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ "تم اس شخص کی امانت کو واپس کر دیا کرو جس نے تم کو اپنی امانت سونپی ہو۔ اور اس شخص کے ساتھ خیانت کا برتاؤ نہ کرو جس نے تمہارے ساتھ خیانت کا

---

۳۴ سنن ابوداؤد، مشکوٰۃ۔

۳۵ ایک مشہور حدیث ہے، ملاحظہ ہو: سیرۃ النبی از سید سلیمان ندوی، ج ۶، ص ۲۲۵۔

برتاؤ کیا۔"[۳۶]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تمہارے اندر چار چیزیں ہوں تو دنیا کی کوئی بھی مخالف چیز تمھیں ضرر نہیں پہونچا سکتی: امانت کی حفاظت، بات میں سچائی، حسن کردار اور کھانے میں میانہ روی۔"[۳۷]

حضرت انس رض روایت کرتے ہیں: "جس کے اندر امانت نہیں اس کے اندر ایمان نہیں اور جس کے اندر ایفائے عہد نہیں اس کے اندر دین نہیں۔"[۳۸]

امانت میں خیانت کرنے کے گناہ کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اللہ کہتا ہے: میں ان دو فریقوں میں تیسرا ہوتا ہوں جنھوں نے آپس میں کوئی معاملہ کر رکھا ہو جب تک کہ ان میں کا کوئی ایک دوسرے سے خیانت نہ کرے۔ جب خیانت کرتا ہے تو میں ان دونوں کے درمیان سے ہٹ جاتا ہوں۔"[۳۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق کسی کے راز کا افشا کرنا بھی خیانت ہے یا اگر کوئی شخص کسی پر بھروسہ کرکے اپنی کوئی بات خفیہ طور سے کہے اور وہ اس کو ظاہر کردے تو یہ بھی خیانت ہے۔ آپ نے فرمایا: "جب کوئی شخص کسی دوسرے سے کوئی بات کہے اور اس کو متوجہ کرے (کہ وہ اس بات کو پوشیدہ رکھے) تو وہ بھی امانت ہے۔"[۴۰]

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے مشورہ کرے تو یہ دوسرا شخص اس مشورہ کا امین ہے اور اس کو چاہیئے (بغیر اجازت) اس مشورہ کو افشا نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس سے مشورہ کیا گیا وہ امین ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تمام مجالس اور مشوروں کی بنیاد راز اور امانت پر ہے۔ آپ نے فرمایا: "تمام مجالس امانت ہیں سوائے تین کے (۱) ایک وہ مجلس جس میں کسی ناحق خون کرنے کا مشورہ کیا گیا ہو، (۲) حرام طریقہ سے شرمگاہوں سے لذت حاصل کرنے کی مجلس (۳) کسی کے مال کو ناجائز طریقے سے

---

۳۶ جامع ترمذی، مشکوٰۃ، سنن ابی داؤد۔
۳۷ مشکوٰۃ۔
۳۸ بیہقی، جیسا کہ مشکوٰۃ میں دیا گیا ہے۔
۳۹ سنن ابی داؤد، مشکوٰۃ۔
۴۰ جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مشکوٰۃ۔

حاصل کرنے کی مجلس"[۱۶۱]

اس موضوع پر بہت سی احادیث ہیں، ہم نے نمونہ کے طور پر صرف چند کا تذکرہ کیا ہے اس سے آپ کی عظیم شخصیت اور اعلیٰ کردار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک:۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں! "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو حدِّ اعتدال سے زیادہ لمبے تھے اور نہ پستہ قد اور آپ نہ تو بالکل سفید رنگ کے تھے اور نہ گندم گوں بلکہ سرخ وسفید تھے۔ اور آپ کے سر کے بال نہ تو زیادہ بل کھائے ہوئے تھے (یعنی گھنگھوریالے) اور نہ بالکل سیدھے تھے بلکہ ان دونوں کے درمیان تھے"[۱۶۲] آپ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے حضرت انسؓ مزید کہتے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد تھے، نہ تو آپ لمبے تھے نہ پستہ قد اور آپ کا رنگ صاف اور چمکدار تھا" ایک دوسری حدیث میں انھوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ آپ کے سر کے بال آدھے کانوں تک تھے"[۱۶۳] حضرت انسؓ نے یہ بھی روایت کی ہے! "آپ کا سر مبارک بڑا تھا اور قدمین مبارک ایسے تھے کہ میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کسی کے ایسے قدم نہیں دیکھے۔ آپ کی ہتھیلیاں فراخ تھیں"[۱۶۴]

حضرت براءؓ روایت کرتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد تھے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان کشادگی تھی۔ آپ کے سر کے بال کانوں کی لو تک تھے میں نے آپ کو سرخ لباس میں دیکھا، میں نے آپ سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا"[۱۶۵]

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روشن اور چمکتا ہوا رنگ تھا۔ اور آپ کا پسینہ گویا موتی کے قطرے تھے۔ جب آپ راستہ چلتے تو آگے کی طرف جھکے رہتے۔ میں نے دیبہ اور کسی ریشم کے کپڑے کو بھی آپ کی ہتھیلیوں سے نرم نہیں

---

[۱۶۱] سنن ابی داؤد، مشکوٰۃ۔
[۱۶۲] صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔
[۱۶۳] صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔
[۱۶۴] صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔
[۱۶۵] صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

پایا۔ میں نے کوئی مشک و عنبر ایسا نہیں سونگھا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کی سی خوشبو ہو۔"[لہ]

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو دراز قامت تھے نہ پستہ قد، آپ کا سر بڑا تھا اور داڑھی گنجان تھی۔ ہتھیلیاں اور پاؤں فربا اور پر گوشت تھے۔ آپ کا رنگ سرخ و سفید تھا، ہڈیوں کے جوڑ موٹے تھے۔ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک لمبی دھاری یا لکیر تھی۔ جب آپ چلتے تو آگے کی جانب جھکے ہوئے گویا آپ نشیب میں جا رہے ہیں۔ آپ سے پہلے نہ آپ کے بعد میں نے کوئی شخص آپ جیسا نہیں دیکھا۔ آپ پر اللہ کی رحمت و سلام ہو۔" حضرت علیؓ ابن ابی طالب ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو لمبے تھے اور نہ پستہ قد بلکہ متوسط قامت کے تھے۔ آپ کے بال نہ تو گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے بلکہ کچھ بل کھائے ہوئے تھے، آپ نہ بہت موٹے تھے اور نہ ہی بہت نحیف و دبلے۔ آپ کا چہرہ گول تھا اور سفید سرخی مائل تھا۔ آپ کی آنکھیں سیاہ تھیں اور پلکیں لمبی۔ اور آپ کی ہڈیوں کے سرے یعنی جوڑ قدرے موٹے تھے اور آپ کے جسم پر بال نہیں تھے، صرف ایک دھاری یا لکیر بالوں کی تھی جو سینے سے ناف تک چلی گئی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں پر گوشت تھے۔ جب آپ چلنے کے لیے قدم اٹھاتے تو گویا آپ بلندی سے نیچے اتر رہے ہیں۔ اور جب آپ ادھر ادھر دیکھتے تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ خاتم النبیین تھے۔ آپ لوگوں میں نہایت کشادہ دل اور سخی اور زبان کے نہایت سچے تھے۔ آپ نہایت صاف الفاظ میں گفتگو فرماتے تھے آپ طبیعت کے نہایت نرم اور خاندان کے لحاظ سے نہایت شریف تھے۔ جو شخص آپ کو اچانک دیکھتا اس پر ہیبت طاری ہو جاتی۔ اور جو شخص آپ کو شناخت کر کے آپ سے اختلاط رکھتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا۔ (حضرت علیؓ کہتے ہیں) آپ کی وفات سے پہلے

[لہ] صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

اور آپؐ کی وفات کے بعد میں نے آپؐ جیسا شخص نہیں دیکھا۔ آپؐ پر اللہ کی رحمت و سلام ہو گیا[۴۸]

حضرت جابرؓ ابن سمرہ روایت کرتے ہیں: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا کبھی میں آپؐ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف اس وقت آپؐ سرخ لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔ اور میرے نزدیک آپؐ کا حسن وجمال چاند سے بہتر تھا"[۴۹]

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا آفتاب آپؐ کے چہرۂ مبارک میں جاری تھا۔ اور نہ میں نے آپؐ سے زیادہ کسی کو تیز رفتار پایا۔ گویا زمین کو آپؐ کے لیے لپیٹا جاتا تھا۔ ہم آپؐ کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کرتے تھے لیکن آپؐ بے پرواہ چال سے چلتے تھے"[۵۰]

---

[۴۸] جامع ترمذی، مشکوٰۃ۔
[۴۹] جامع ترمذی، مشکوٰۃ۔
[۵۰] جامع ترمذی، مشکوٰۃ۔

باب ۱۷

رحمۃ للعالمین

جب اسلام جزیرۃ العرب کا مذہب بن گیا تو مختلف قبائل میں نسلوں سے چلی آنے والی جنگوں کا خاتمہ ہو گیا۔ تاریخ میں پہلی بار عربوں نے اپنے آپ کو امن و سکون کی فضا میں پایا۔ طلوع اسلام سے قبل جزیرۃ العرب میں رہزنی و قتل و غارت عام تھا۔ کوئی بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ زنا کاری عام تھی اور ایک شخص بغیر شادی کے متعدد عورتوں سے ناجائز تعلق رکھتا تھا۔ شادی شدہ عورتوں کے شوہران کو اس بات کی اجازت دے دیتے تھے کہ وہ کسی اعلیٰ نسب کے شخص سے حمل ٹھہرالیں تاکہ انکی اولاد کی رگوں میں بھی وہی خون دوڑنے لگے۔ ایک آدمی لاتعداد بیویاں رکھ سکتا تھا۔ اور ان کو جس طرح چاہے طلاق دے سکتا تھا۔ قبل از اسلام معاشرے میں عورتوں کا مقام سب سے گرا ہوا سمجھا جاتا تھا۔ عرب عورتوں کو جائداد منقولہ سمجھتے تھے۔ بہت سے لوگ اپنی معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اسلام سے قبل غلامی کا بہت بڑا دستور تھا۔ اور غلاموں پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے جاتے۔ عرب کا پورا معاشرہ بد اخلاقی جرائم، توہم پرستی اور ظلم و بربریت کا شکار تھا۔ اسلام سے قبل وہ ایک تاریک غار میں تھے، اس لیے اس دور کا نام دورِ جاہلیت یا ایام الجاہلیہ رکھا گیا۔

جزیرۃ العرب جس کی تاریخ سے اس وقت کی متمدن دنیا ناواقف تھی اچانک نمایاں ہو کر نمودار ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان درخشاں و تاباں شخصیت اور

اسلام کے شہرۂ آفاق پیغام سے یہ سرزمین منور ہوگئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائل کو متحد کردیا۔ قبائلی جنگوں و بدامنی کو روکا۔ اور آپ نے پیشین گوئی کی کہ ایک وقت آئے گا "جبکہ ایک عورت صنعاء (یمن) سے تن تنہا مدینہ منورہ کے لیے سفر کرے گی اور اس کو ایک اللہ کے علاوہ کسی اور کا خوف دامن گیر نہیں ہوگا"۔ دُنیا کی تاریخ میں پہلی بار آپ نے مدینہ منورہ میں ایک تحریری دستور پیش کیا جس میں ہر شخص، مسلم و غیر مسلم، کے جان و مال و مذہب کی حفاظت کی ضمانت دی گئی تھی، آپ دنیا کے وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کرکے دو برسرپیکار مذہبوں کے درمیان مستقل امن قائم کیا۔ یہی نہیں بلکہ آپ عیسائیوں سے بھی امن چاہتے تھے (ملاحظہ ہو سورہ آل عمران: آیت ۶۴ تا ۸۰) بلاکسی تفریق وامتیاز کے آپ نے اپنی حمایت، معاونت و ہمدردی سماج کے ہر طبقہ کو دی۔ آپ نے پچھلے انبیاء میں سے کسی کے متعلق کوئی بُرا جملہ ادا نہیں کیا۔ بلکہ ہر مسلمان کے لیے یہ ضروری قرار دیا کہ وہ تمام انبیاء پر ایمان لائے۔

اسلام نے عورتوں کو سماجی حقوق وہی عطا کیے ہیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ عورت کو اپنی جائداد رکھنے کا پورا حق ہے۔ جہاں تک کہ جائداد میں وراثت اور انفرادی حقوق کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں ایک مسلمان عورت کی حیثیت تاریخ مذاہب عالم بلکہ انسانی تہذیب کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ عورتوں کی عزت اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "جنت ماں کی قدموں کے نیچے ہے"۔ اور "عورت اپنے شوہر کے گھر میں خودمختار ہے"۔ آپ نے یہ بھی فرمایا! تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل عیال کے لیے بہتر ہو۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو پوری طرح سے جائز آزادی عطا کی ہے۔ آپ نے انھیں اختیار دیا ہے کہ وہ اپنا شوہر خود چن سکتی ہیں اور اپنے والد اور متوفی شوہر کی جائداد میں وراثت کی حقدار ہیں۔ آپ نے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے پر پوری طرح سے پابندی عائد کردی۔ اور اس طرح عورت کو مرد کی قید سے نکال کر کامل آزادی عطا کی۔

تاریخ عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پہلی شخصیت ہے جنہوں نے رسم غلامی

کا خاتمہ فرمایا، جو کہ ان دنوں عرب میں رائج تھی اور جس کے تحت آزاد لوگوں کو زبردستی خرید کر فروخت کر دیا جاتا تھا۔ یہ رسم مغربی ممالک میں نوآبادکاری دور میں بھی جاری تھی۔ اس طرح مغرب نے اس رسم غلامی کو ختم کر کے صدیوں بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی ہے۔ آپؐ نے یہ اعلان فرمایا کہ کسی غلام کو آزاد کرنے سے بہتر کوئی عبادت نہیں۔ اسلام نے مختلف طریقوں سے غلاموں کی آزادی کی ترغیب دی ہے۔ آپؐ عرب کے وہ پہلے شخص ہیں جس نے اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ کی مطلقہ سے شادی کی اور عرب کی اس جاہلانہ رسم کو مٹایا کہ کوئی شخص اپنے متبنّیٰ کی مطلقہ سے شادی نہیں کر سکتا۔ (ملاحظہ ہو:۔ سورۂ احزاب آیت ۳۷)

آپؐ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے سماجی اونچ نیچ کو ختم کر کے اعلان فرمایا: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو) آپؐ نے اس بات کو عقل و انصاف کے منافی قرار دیا کہ محض اعلیٰ خاندان، اعلیٰ النسل یا کسی مخصوص قوم میں پیدا ہونے کی وجہ سے انسانوں کے درمیان تفریق کی جائے۔ اس طرح آپؐ نے سماج کے ان بندھنوں کو توڑ دیا جس میں لوگ جکڑے ہوئے تھے اور آپؐ نے انسانوں کو دولت، حسب و نسب، رنگ و نسل، ذات و طبقات کی بندشوں سے آزاد کیا۔ اس طرح آپؐ نے ایک بین الاقوامی برادری قائم کی جس میں تمام نسلیں، اونچی ذات اور نیچی ذات کے لوگ، مالدار اور غریب، کالے اور گورے سب اسلامی اخوت و مساوات کی لڑی میں پروئے ہوئے تھے۔ آپؐ نے یہ اعلان کیا کہ اللہ تمہارے اجسام اور تمہارے چہروں کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ وہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔

سیاسی اعتبار سے آپؐ نے ہر انسان کو برابر کے حقوق عطا فرمائے۔ حکومت کی پالیسی کی تشکیل کے سلسلہ میں لوگوں کو اس بات کا مساوی اختیار دیا کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو مشورے (شوریٰ) ہوتے تھے ان کا مطالعہ کرنے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں اہلِ شوریٰ کو اپنی رائے کی

کامل آزادی حاصل تھی۔ آپؐ نے ایسے اصولوں پر مبنی قوانین کا نظام عطا کیا، جس کی وجہ سے پورے ملک میں امن وخوشحالی قائم ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشی اصلاحات بھی کیں۔ اور موجودہ دور کی زبان میں آپؐ ایک عظیم ماہر معاشیات بھی تھے۔ اس زمانہ میں لوگ سودی قرضوں کے بوجھ کے نیچے دبے ہوئے تھے اور قرض خواہ نادار قرضداروں کا استحصال کر رہے تھے۔ اسلام نے سود ی لین دین کو مکمل طور سے حرام قرار دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعہ غریبوں کی مدد کا ایک مکمل نظام پیش کیا۔ قوانین وراثت کے ذریعہ چند ہاتھوں میں دولت کے محصور ہو جانے کو ختم کیا، اور ایسے قوانین نافذ کیے کہ متوفی کی جائداد و دولت اس کے ورثاء میں بااصول طریقہ سے تقسیم ہو۔ لوگوں کی توجہ تجارت اور زراعت کی طرف دلا کر آپؐ نے قومی معیشت کے نظریہ کی ابتدا کی۔ بیت المال قائم کرکے آپؐ نے دنیا کے سامنے عملی طور پر پہلی "پبلک ٹریژری" Public Treasury پیش کی۔[۱]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عظیم ومصلح ورہنما دنیا نے نہیں دیکھا آپؐ تمام انسانیت کے لیے رحمت ہیں جیسا کہ قرآن اعلان کرتا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

ترجمہ: "اور ہم نے آپؐ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا" (انبیاء ــ ۱۰۷)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ دور بلکہ قیامت تک کا پورا دور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، دعوت، اور مساعی جمیلہ کے حساب میں ہے۔ آپؐ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپؐ نے اس تلوار کو جو نوع انسانی کے سر پر لٹک رہی تھی اور کوئی گھڑی تھی کہ اس کے سر پر گر کر اس کا کام تمام کر دے اس تلوار کو ہٹا لیا اور اس کو وہ تحفے عطا کیے جنہوں نے اس کو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت، نئی عزت، اور نئی منزلِ سفر عطا کی اور ان کی برکت سے انسانیت

۱۔ ابتدا سے یہاں تک کا مضمون راقم السطور کی ایک اور انگریزی تصنیف سے لیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو
Majid Ali Khan, The Last Prophet pp. 58-59.

میں تہذیب وتمدن، علم وفن، روحانیت واخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا ...."[۲]

شیخ ابوالحسن علی ندوی مزید تحریر فرماتے ہیں "آپ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے دنیا کو عقیدہ توحید کی نعمت عطا فرمائی۔ اس سے زیادہ انقلاب انگیز، حیات بخش عہد آفریں اور معجز نما عقیدہ دنیا کو نہ پہلے کبھی ملا ہے اور نہ قیامت تک کبھی مل سکتا ہے ..... آپ کا دوسرا انقلاب آفریں اور عظیم احسان وحدت انسانی کا وہ تصور ہے جو آپ نے دنیا کو عطا کیا، انسان قوموں اور برادریوں، ذات پات اور اعلیٰ ادنیٰ طبقوں میں بٹا ہوا تھا۔ اور ان کے درمیان انسانوں اور جانوروں، آقاؤں اور غلاموں اور عبد ومعبود کا سا فرق تھا۔ وحدت و مساوات کا کوئی تصور نہیں تھا، آپ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ یہ انقلاب انگیز اور حیرت خیز اعلان فرمایا۔

ایہا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم لآدم وآدم من تراب ان اکرمکم عند اللہ اتقکم، ولیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقوی (کنز العمال)

ترجمہ: "لوگو تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب اولادِ آدمؑ ہو۔ اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاک باز ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بنا پر۔"

"........ آپ کی رحمتہ للعالمینی کا تیسرا مظہر، اور نوعِ انسانی پر تیسرا احسان عظیم احترام انسانیت اور انسان کی قدر وقیمت کا وہ اسلامی تصور ہے جو آپ کا عطیہ اور اسلام کا تحفہ ہے، اسلام کا ظہور جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں انسان سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا۔ انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا، بعض اوقات پالتو جانور، بعض "مقدس" حیوانات، بعض درخت جن کے ساتھ بعض عقائد وروایات وابستہ

۲۔ سید ابوالحسن علی ندوی، محسن عالم صلی اللہ علیہ وسلم، لکھنؤ، ۱۹۷۵ء، ص ۲۳۔

ہو گئی تھیں ان سے کہیں زیادہ قیمتی، لائق احترام اور قابلِ حفاظت تھے۔ ان کے لیے بے تکلف انسانوں کی جانیں لی جاسکتی تھیں اور انسانوں کے خون و گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جاسکتے تھے، آج بھی بعض بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے دل و دماغ پر یہ نقش بٹھادیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے زیادہ قیمتی، قابلِ احترام، لائق محبت اور مستحق حفاظت وجود ہے۔ آپ نے انسان کا پایہ اتنا بلند کیا کہ اس سے اوپر صرف خالق کائنات کی ہستی رہ جاتی ہے۔ قرآن نے اعلان کیا کہ وہ خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہے، ساری دنیا اور یہ سارا کارخانۂ عالم اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ (البقرہ، ۲۹)	وہی ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو اس زمین پر ہے۔

وہ اشرف المخلوقات ہے اور اس بزمِ عالم کا صدر نشین ہے:۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝ (الاسریٰ۔ ۷۰)	اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

اس سے زیادہ اس کی عزت افزائی اور اس کی اہمیت کا ...... اعتراف کیا ہو سکتا ہے کہ صاف کہدیا گیا کہ انسان خدا کا کنبہ ہیں اور خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کو آرام پہونچائے "الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الیٰ عیالہ (مشکوٰۃ بروایت بیہقی)۔...

.... (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں جو انقلاب لائے ان میں سے ایک یہ تھا) "کہ بعثت محمدی سے پہلے انسان اپنی منزلِ مقصود سے بے خبر تھا، اس کو یاد نہیں رہا تھا کہ اس کو کہاں جانا ہے؟ اس کی صلاحیتوں کا اصل میدان اور اس کی کوششوں کا اصل نشانہ کیا ہے؟ انسان نے کچھ موہوم منزلیں اور

اپنی کوششوں کے لیے کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے بنالیے تھے، ان انسانوں کی ذہانت اور قوتِ عمل صرف ہو رہی تھی، کامیاب اور بڑا انسان بننے کا مطلب صرف یہ تھا کہ میں دولتمند بن جاؤں، طاقتور اور حاکم بن جاؤں، وسیع سے وسیع رقبہ، زمین اور کثیر سے کثیر انسانی نفوس پر میری حکمرانی اور فرماں روائی قائم ہو جائے، لاکھوں آدمی ایسے تھے جن کا پروازِ تخیل، نقش و نگار، رنگ و آہنگ، لذت و ذائقہ اور بلبل و طاؤس، یا چوپایہ و حیوان کی تقلید سے بلند نہیں ہوتا تھا۔ .... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلِ انسانی کے سامنے اس کی حقیقی منزل لا کر کھڑی کردی، آپؐ نے یہ بات دل پر نقش کردی کہ خالق کائنات کی صحیح معرفت اس کی ذات و صفات اور اس کی قدرت و حکمت کا صحیح علم، ملکوت السماوات والارض کی وسعت و عظمت اور لامحدودیت کی دریافت، ایمان ویقین کا حصول خدا کی محبت و محبوبیت، اس کو راضی کرنا اور اس سے راضی ہو جانا، اس کثرت میں وحدت ہی تلاش اور دریافت، انسان کی حقیقی سعادت اور کمالِ آدمیت ہے، اپنی باطنی قوتوں کو ترقی دینا، ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال ہونا، انسانوں کی خدمت اور ایثار و قربانی کے ذریعہ خدا کی خوشنودی کا حاصل کرنا۔ اور کمال و ترقی کے ان اعلیٰ مدارج تک پہونچ جانا جہاں فرشتے بھی نہیں پہونچ سکتے، انسان کی کوششوں کا اصل میدان ہے۔

"آپؐ کی بعثت کے بعد دنیا کی رُت بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے۔ دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا۔ خدا طلبی کا ذوق عام ہوا۔ انسانوں کو ایک نئی دھن (خدا کو راضی کرنے اور خدا کی مخلوق کو خدا سے ملانے اور اس کو نفع پہونچانے کی) لگ گئی" ....[۱] یہ انقلابِ عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم "معجزہ" اور آپؐ کی "رحمۃ للعالمینی" کا کرشمہ ہے۔

---

[۱] سید ابوالحسن علی ندوی، محسن عالم صلی اللہ علیہ وسلم (متفرق جلد) ص ۲۳ تا ۲۴۔

اقبالؔ نے سچ کہا ہے :۔

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش — تاجِ کسریٰ زیرِ پائے امتش
در شبستانِ حرا خلوت گزید — قوم و آئین و حکومت آفرید
ماندشبہا چشم او محروم نوم — تا بہ تختِ خسروی خوابیدہ قوم
وقتِ ہیجا تیغ او آہن گداز — دیدۂ او اشکبار اندر نماز
در دُعائے نصرت آمین تیغ او — قاطع نسل سلاطیں تیغ او
در جہاں آئین نو آغاز کرد — مسند اقوام پیشیں درنورد
از کلید دیں درِ دنیا کشاد — ہمچو او بطنِ اُمِ گیتی نزاد
در نگاہ او یکے بالا و پست — با غلام خویش بر یک خواں نشست
امتیازاتِ نسب را پاک سوخت — آتش او ایں خس و خاشاک سوخت

ترجمہ :۔

"اگرچہ ایک بوریا پر آپ آرام فرماتے تھے لیکن کسریٰ (شاہ ایران) کا تاج آپ کے اُمتیوں کے پاؤں تلے تھا"

"حرا کی خلوت گاہ میں آپ نے کچھ دن تنہائی اختیار کی اور قوم، آئین و دستور اور ایک نئی حکومت دنیا میں پیدا کر دی"

"چند راتیں آپ کی آنکھیں بے خواب رہیں۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے صحرا نشین اور شتر سوار پیرو تختِ خسروی پر آرام کرنے کے قابل ہو گئے"۔

"جنگ کے وقت آپ کی تلوار میں وہ حرارت ہوتی تھی کہ لوہا اس سے پگھلتا تھا، اور نماز میں آپ کے قلب مبارک میں وہ رقت اور محبت ہوتی تھی کہ آنکھیں اشکبار ہوتیں"۔

"فتح و نصرت کی دُعا میں آپ کا آمین کہنا تلوار کا کام کرتا تھا اور جنگ میں آپ کی تلوار سلاطین (پیدائشی بادشاہوں) کی نسل کا خاتمہ کرنے والی تھی"۔

"دنیا میں آپ نے آئینِ نو کا آغاز کیا اور گذشتہ قوموں کی مسندیں الٹ دیں"۔

"دین و مذہب کی کنجی سے آپ نے دنیا کا نیا دروازہ کھولا، مادرِ گیتی نے آپ جیسا فرزند پیدا نہیں کیا"۔

"آپ کی نگاہ میں اعلیٰ و ادنیٰ سب ایک تھے، آپ اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھاتے"۔

"آپ نے نسل ونسب کے امتیازات کو یکسر ختم کر دیا۔ آپ کی پیدا کی ہوئی حرارتِ ایمانی نے اس خس وخاشاک کو جلا کر رکھ دیا۔"

حالی نے اسی مضمون کو اپنے سادہ شعر میں ادا کیا ہے ؎

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ: "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔"

ترجمہ:۔ "اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:" بیشک ہم نے آپ کو تمام عالموں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (انبیاء، آیت ۱۰۷)

باب ۱۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند خاص معجزات

شریعت کی اصطلاح میں انبیاء کے ذریعہ دکھائے جانے والے خوارق عادت افعال کو معجزات کہتے ہیں۔ اس کا مادہ "عجز" ہے جس کا مطلب ہے لاچار ہونا یعنی مخاطب کو لاچار و بے بس بنا دیتا ہے، اس لیے معجزہ وہ فعل ہے جو کسی انسان سے عادۃً سرزد نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی مادی توجیہ کی جا سکتی ہے۔ قرآنِ کریم نے معجزہ کے لیے آیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اسلام میں خوارق عادت افعال مندرجہ ذیل اقسام میں منقسم کیے جا سکتے ہیں(*)

(۱) معجزہ:۔ وہ خرق عادت فعل جو صرف انبیاء کے ذریعہ ہی سرزد ہو سکتا ہے۔

(۲) کرامت:۔ وہ خرق عادت فعل جو کسی نیک و صالح مسلمان کے ذریعہ بھی رونما ہو سکتا ہو۔

(۳) معونہ:۔ وہ خرق عادت فعل جو کسی عام مسلمان سے سرزد ہو سکتا ہے۔

(۴) استدراج:۔ وہ خرق عادت فعل جو کسی کافر یا فاسق سے سرزد ہو اس دنیا کے آخری دور میں دجال سے جو خوارق عادات افعال سرزد ہوں گے وہ استدراج کے تحت آتے ہیں۔

چونکہ معجزات فطری قانون کے خلاف رونما ہوتے ہیں اس لیے عام آدمی ان کو اس وقت

(*) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ (اردو) ج ۱۔ ص ۲۱۲۔

تک نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ خود ان کو دیکھ نہ لے۔ یا پھر اس کا ان میں یقین کامل ہو اور اس کا یہ عقیدہ ہو کہ ایسا ہوا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو ان کی نبوت کی علامت کے طور پر معجزات عطا فرمائے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات بہت مشہور ہیں اور قرآن کریم میں کثرت سے مذکور ہیں۔ قرآن نے کچھ دوسرے انبیاء کے معجزات کا بھی ذکر کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و رسل کے سردار ہیں۔ آپ کے ذریعہ جتنے معجزات رونما ہوئے ہیں ان کی تعداد کسی بھی نبی کے ذریعہ رونما ہونے والے معجزات سے کہیں زیادہ ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے ایک پوری جلد (سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج سوم جو ۹۲۲ صفحات پر مشتمل ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر لکھی ہے۔ معجزات پر لکھی جانے والی عربی کتابوں میں یہ کتابیں کافی مشہور ہیں۔ دلائل النبوۃ از امام بیہقی، دلائل النبوۃ از ابونعیم اصفہانی، دلائل النبوۃ از مستغفری، اور خصائص الکبریٰ از امام سیوطی۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب میں تقریباً ایسے دو سو معجزات کا ذکر کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رونما ہوئے۔ ان کے مطابق ان میں سے ۴۵ معجزات قرآن میں مذکور ہیں اور تقریباً ۱۵۵ مستند احادیث میں۔ اگر ان معجزات کو بھی شمار کیا جائے جو غیر مستند احادیث میں مذکور ہیں تو ان معجزات کی تعداد دو سو سے کہیں زیادہ ہو جائے گی۔

اختصار کی وجہ سے اس کتاب میں ان سب معجزات کا ذکر کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے یہاں چند خاص معجزات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

الف: قرآن میں مذکور کچھ معجزات

(۱) معراج:۔

معراج یا اسراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نہایت نمایاں معجزہ ہے جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ زیادہ تر سیرت نگاروں کے مطابق معراج ہجرت سے تقریباً ۱۸ ماہ قبل ہوئی۔

قرآن کریم میں اس کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

(سورہ اسریٰ، آیت ۱)

ترجمہ:۔" پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ (محمدؐ) کو رات کے وقت مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھا دیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا سننے والا اور بڑا دیکھنے والا ہے"۔

ایک اور مقام پر قرآن بیان کرتا ہے:۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی ۝

(سورہ نجم، آیت ۸ تا ۱۰)

ترجمہ:۔" پھر وہ قریب آیا اور جھکا تو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ پھر اس نے اپنے بندہ کو وحی بھیجی جو کچھ وحی بھیجنا تھی"۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندہ سے جو باتیں کرنا تھیں کیں)

معراج کا معجزہ صحیح احادیث کی تقریباً تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ اور اسی طرح سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ یہاں پر ابن ہشام نے ابن اسحاق کی روایت کے مطابق جو واقعہ بیان کیا ہے اس کے خاص خاص حصے نقل کیے جاتے ہیں۔ (مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:۔ السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ج ۱، ص ۳۹۶ تا ۴۰۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔" اس اثنا میں کہ میں مقام "حجر" (حطیم) میں سو رہا تھا میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے پھر انھوں نے مجھے اپنے پاؤں سے دبایا تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی تو پھر میں لیٹ گیا۔ وہ دوبارہ پھر آئے اور اپنے پاؤں سے مجھے دبایا تو میں اٹھ گیا لیکن پھر جب میں نے کسی کو نہیں دیکھا تو لیٹ گیا۔ تیسری بار وہ پھر میرے پاس آئے اور اپنے پاؤں سے مجھے دبایا تو میں اٹھ بیٹھا انھوں نے میرا بازو پکڑ لیا تو میں اٹھ کھڑا

ہوا۔ وہ مجھے لے کر مسجد کے دروازہ کی طرف نکلے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید چوپایہ خچر اور گدھے کے درمیان قد والا (یعنی براق) موجود ہے اس کی رانوں میں دو پر تھے جن سے وہ اپنے دونوں پاؤں کرید رہا تھا۔ (اس کی یہ صفت تھی کہ) اپنی نظر کی انتہا پر اپنا اگلا پاؤں رکھتا تھا۔ انھوں نے مجھے اس پر سوار کرایا، اس کے بعد میرے ساتھ چل نکلے نہ وہ مجھ سے دور ہوتے اور نہ میں ان سے ...."

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور جبریل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ چلے یہاں تک کہ آپ کو لے کر بیت المقدس پہونچے وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو چند دوسرے انبیاء کے ساتھ پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امامت کی اور ان کو نماز پڑھائی۔ پھر دو برتن لائے گئے ان میں سے ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے برتن کو لیا اور نوش فرمایا اور شراب کے برتن کو چھوا بھی نہیں۔ راوی کہتے ہیں: "جبریل علیہ السلام نے کہا آپ نے فطرت کا راستہ اختیار کیا اور آپ کی امت بھی سیدھے راستہ پر لگ گئی۔ اور شراب آپ لوگوں پر حرام کر دی گئی ......"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیت المقدس میں جو کچھ ہوا اس سے میں فارغ ہوا تو سیڑھی لائی گئی اور میں نے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھی اور یہی وہ چیز ہے جس کی جانب تمہارے مردے اپنی آنکھیں کھولے تکتے رہتے ہیں جب موت آتی ہے اس کے بعد میرے ساتھی (حضرت جبریل علیہ السلام) نے مجھے اس پر چڑھا دیا[1]۔ یہاں تک کہ مجھے لے کر آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر پہونچے جس کا نام باب الحفظ (نگہبانوں کا دروازہ) ہے۔ اس پر فرشتوں میں سے ایک فرشتہ (مامور) تھا جس کا نام اسماعیل تھا اس کے تحت ۱۲ ہزار ایسے فرشتے تھے جن میں سے ہر ایک کے تحت بارہ ہزار فرشتے تھے .... پھر جب مجھے لے کر (جبریل ؑ) داخل ہوئے تو اس (اسماعیل) نے کہا اے جبریل ؑ یہ کون ہے؟ انھوں نے (جبریل ؑ نے) جواب دیا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے کہا بلوائے گئے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا ہاں! پھر اس نے

---

[1] بخاری کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم براق سے ہی آسمان پر معراج میں تشریف لے گئے تھے۔ براق کی تفصیلات اوپر بیان کر دی گئی ہیں۔

میرے لیے دعا کی اور بھلی بات کہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب میں نچلے آسمان میں داخل ہو رہا تھا تو مجھ سے فرشتوں نے ملاقات کی اور ہر فرشتہ مجھ سے ہنستے ہوئے اور خوشی خوشی ملتا اچھی بات کرتا اور اچھی دُعا دیتا۔ (سوائے دوزخ کے منتظم فرشتہ "مالک" کے۔) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب میں نچلے آسمان میں داخل ہوا تو اس پر ایک شخص کو بیٹھا ہوا دیکھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے کہا اے جبریلؑ یہ کون ہیں انھوں نے کہا! یہ آپؐ کے والد آدمؑ ہیں ان پر ان کے اولاد کی روحیں پیش کی جاتی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

(نوٹ:۔ یہاں پر ان لوگوں کی تفصیلات ہیں جن کو ان کے گناہوں کی پاداش میں مختلف عذاب دیئے جا رہے تھے۔ ان تفصیلات کو یہاں تحریر نہیں کیا جا رہا ہے۔)

معراج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا "پھر جبریلؑ مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے، تو میں نے دیکھا دونوں خالہ زاد بھائی عیسیٰؑ ابن مریمؑ، اور یحییٰ ابن زکریا موجود ہیں۔ پھر وہ مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے تو اس میں دیکھا کہ ایک شخص ہے جس کی صورت چودھویں رات کے چاند کی سی ہے میں نے کہا! جبریلؑ یہ کون ہیں۔ انھوں نے کہا! یہ آپؐ کے بھائی یوسفؑ بن یعقوبؑ ہیں۔ پھر مجھے چوتھے آسمان پر لے گئے تو میں نے ایک شخص کو دیکھا اور جبریلؑ سے پوچھا یہ کون ہے انھوں نے کہا یہ ادریسؑ ہیں راوی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ (یعنی کلام مجید میں جو یہ الفاظ ہیں کہ ہم نے اسے بلند جگہ بٹھا دیا، وہ اسی رتبہ کو ظاہر کر رہے ہیں۔) پھر مجھے پانچویں آسمان پر لے گئے، تو کیا دیکھتا ہوں کہ ادھیڑ عمر کا ایک شخص سفید سر، سفید بڑی داڑھی والا ہے میں نے ادھیڑ عمر کے کسی شخص کو اس سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔ میں نے کہا! جبریلؑ یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا! یہ اپنی قوم کے محبوب ہارون ابن عمران ہیں۔ پھر مجھے چھٹے آسمان پر لے گئے تو اس میں دیکھا کہ ایک گندم گوں شخص، دراز قامت بلند ناک والا ہے گویا وہ قبیلہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہے۔ میں نے کہا! جبریلؑ! یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا! یہ آپؐ کے بھائی موسیٰؑ ابن عمران ہیں۔ پھر مجھے ساتویں آسمان پر لے گیا تو دیکھتا ہوں کہ ایک میانہ عمر شخص "بیت المعمور" کے دروازہ کے

پاس کرسی پر بیٹھا ہوا ہے جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن تک پھر اس میں کوئی دوبارہ واپس نہیں آئے گا۔ میں نے اس شخص سے مشابہ تمہارے دوست (خود ذات مبارک صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ کسی اور کو نہیں دیکھا اور نہ تمہارے دوست سے مشابہ اس کے علاوہ کسی اور شخص کو دیکھا۔ میں نے کہا: جبریلؑ! یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا: یہ آپ کے والد (جد امجد) ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ پھر مجھے لے کر جنت میں داخل ہوئے تو میں نے اس میں ایک لڑکی دیکھی میں نے اسے دیکھا تو بہت بھلی معلوم ہوئی میں نے اس سے پوچھا تو کس کی ہے۔ اس نے کہا زیدؓ ابن حارثؓ کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ ابن حارثؓ کو اس کی خوشخبری دے دی۔"

ابن اسحاق نے کہا کہ مجھے عبداللہؓ ابن مسعود کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت پہونچی ہے: "آپ کو لے کر جبریلؑ ہر آسمان پر جاتے اور اندر آنے کی اجازت طلب کرتے تو پوچھا جاتا: اے جبریلؑ یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبریلؑ کہتے "محمدؐ" (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہتے کیا بلوائے گئے ہیں؟ یہ کہتے: ہاں؟ تو وہ (فرشتے) کہتے: اللہ اس بھائی اور دوست کو زندہ رکھے یہاں تک کہ آپ کو لے کر وہ ساتویں آسمان پر پہونچے۔ پھر آپ کو پروردگار کے پاس پہونچا یا گیا۔ اس نے آپ پر روزانہ پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں۔"

راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پھر میں واپس آیا اور موسیٰؑ ابن عمران کے پاس سے گذرا۔ اور وہ تمہارے لیے بڑے اچھے شخص نکلے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ پر کتنی نمازیں فرض کی گئیں؟ میں نے کہا: روزانہ پچاس (۵۰) نمازیں۔ انھوں نے کہا نماز بڑی بوجھل چیز ہے اور آپ کی امت بہت کمزور ہے اس لیے آپ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جائیے اور درخواست کیجیے کہ آپ پر سے اور آپ کی امت پر سے (یہ) بوجھ کم کر دے۔ پس میں واپس گیا اور اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ مجھ پر سے اور میری امت پر سے بوجھ کم کر دیا جائے چنانچہ دس نمازیں کم کر دیں۔ پھر میں لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا۔ انھوں نے مجھ سے پھر ویسا ہی کہا۔ میں پھر لوٹ گیا اور درخواست کی تو دس اور کم کر دیں۔ پھر میں موسیٰؑ کی طرف لوٹا۔ تو اسی طرح مجھ سے کہتے رہے کہ آپ لوٹ جائیے اور پروردگار سے درخواست کیجیے، یہاں تک یہ تخفیف روزانہ پانچ نمازوں تک پہونچ گئی۔ پھر میں لوٹا اور موسیٰؑ کے پاس

سے گذرا۔ پھر انھوں نے مجھ سے ویسے ہی کہا تو میں نے کہا! میں اپنے پروردگار کے پاس بار بار گیا اور درخواست کی یہاں تک کہ اب مجھے شرم آنے لگی ہے، بس اب تو میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس لیے ان نمازوں کو تم میں سے جو شخص ایمانداری سے ثواب سمجھ کر ادا کرے گا اسے پچاس (۵۰) نمازوں کا اجر ملے گا۔ محمدؐ اور آل محمدؐ پر اللہ کی رحمتیں ہوں[۱]۔"

صحیحین (بخاری و مسلم) کی ایک روایت کے مطابق بیت المقدس اور آسمانوں پر براق پر سوار ہو کر جبریلؑ کے ساتھ جانے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک بھی چاک کیا گیا تھا۔ اس طویل حدیث کا ابتدائی حصہ اس طرح ہے!۔

حضرت قتادہؓ کہتے ہیں مجھ سے انسؓ ابن مالک نے بیان کیا اور انسؓ کہتے ہیں کہ ان سے مالک ابن صعصعہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کا حال صحابہؓ سے بیان فرمایا جس میں آپؐ کو (آسمان پر) لے جایا گیا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا! "میں حجر (حطیم کعبہ) میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور یہاں سے یہاں تک میرے سینے کو چیرا، روایت کے راوی مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن سے ناف کے گڈھے تک اشارہ کرکے فرمایا کہ یہاں سے یہاں تک میرے سینہ کو شق کیا اور پھر فرمایا کہ میرے دل کو نکالا پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا اور اس میں میرے دل کو دھویا پھر دل میں (اللہ کی محبت) بھری گئی۔ اور پھر دل کو سینے کے اندر کر دیا گیا۔" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "پھر میرے پیٹ کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا پھر اس میں ایمان و حکمت کو بھرا گیا اور پھر سواری کا جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے اونچا تھا۔ یہ جانور سفید رنگ کا تھا اور اس کا نام براق تھا (بجلی کی طرح دوڑنے والا) اس کا ایک قدم حد نظر تک اٹھتا تھا۔ پھر مجھ کو اس پر سوار کیا گیا۔ پھر جبریلؑ مجھ کو لے کر چلے یہاں تک کہ میں آسمان دنیا کے نیچے پہونچا......[۲]"

موجودہ دور میں جبکہ انسان چاند تک پہونچ چکا ہے معراج کے اس عظیم معجزہ کو سمجھنا

---

[۱] شروع سے لے کر یہاں تک کی سب روایت ابن اسحاق کی ہے جو سیرت ابن اسحاق میں بھی درج ہے اور جس کو ابن ہشام نے بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو! السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ج ۱، ص ۳۹۴ تا ۴۰۸۔

[۲] مشکوٰۃ المصابیح، باب فی المعراج۔

نہایت آسان ہے۔ انسان مصنوعی سیاروں اور آواز کی رفتار سے تیز چلنے والے جہازوں کے ذریعہ دوسرے سیاروں پر جانے کی جدوجہد میں لگا ہوا ہے۔ جب انسان اتنی تیز رفتار سواریاں ایجاد کرسکتا ہے تو پھر کیوں نہ خالق کائنات اپنے محبوب بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بہت قلیل وقت میں کائنات سے گذار کر ساتوں آسمانوں تک لے جا سکتا ہے۔

زیادہ تر صحابہؓ اور علماء اسلام کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں اپنے جسم اطہر کے ساتھ تشریف لے گئے تھے یعنی آپؐ کو جسمانی (مکمل جسم مع روح) معراج ہوئی تھی۔ یہ حضرات قرآن کریم میں مذکور ان الفاظ سے استدلال کرتے ہیں جن میں کہا گیا ہے "

" (یعنی وہ اپنے بندہ کو راتوں رات لے گیا) یہ حضرات فرماتے ہیں کہ لفظ "عبد" حرف "روح" سے الگ ہے اور عبد سے مراد روح اور جسم دونوں ہیں[۳]۔

معجزۂ معراج اسی لیے ایک عظیم معجزہ مانا گیا ہے، کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اطہر کے ساتھ آسمان دنیا پر تشریف لے گئے تھے۔ جہاں تک روحانی معراج کا تعلق ہے تو یہ تو بہت سے نیک لوگوں (صوفیا) وغیرہ کو بھی حاصل ہو جاتی ہے مزید براں اگر معراج جسمانی نہیں ہوتی تو قریش مکہ اس کا یکسر انکار نہیں کرتے۔ ابن اسحاق قریش مکہ کے اس انکار کے واقعہ کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں: " پھر (معراج کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی جانب لوٹے اور جب صبح ہوئی تو ... کے پاس پہونچے اور اس واقعہ کی انھیں اطلاع دی۔ اکثر لوگوں نے کہا: واللہ! یہ تو بالکل ناقابل قبول ہے۔ خدا کی قسم! مکہ سے شام کی جانب قافلہ ایک مہینہ میں جاتا ہے اور ایک مہینہ میں لوٹ کر آتا ہے کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مسافت ایک رات میں طے کرکے واپس مکہ آسکتے تھے۔ راوی نے کہا: اس سبب سے کچھ لوگ جنھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا مرتد ہو گئے۔ لوگ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے ابوبکرؓ! کیا تمھیں اپنے دوست کے متعلق اب بھی حسن ظن ہے؟ وہ تو دعویٰ کرتا ہے کہ آج کی رات بیت المقدس پہونچا، اس میں نماز پڑھی اور مکہ واپس آگیا۔ ابوبکرؓ نے کہا: تو کیا تم انھیں جھٹلاتے ہو؟ انھوں نے کہا: کیوں نہ جھٹلائیں؟ وہ تو مسجد میں لوگوں سے بیان کر رہے ہیں۔

---

[۳] شرح العقیدۃ الطحاویہ ص ۲۴۹۔

ابوبکرؓ نے کہا: خدا کی قسم! اگر انھوں نے ایسا کہا تو سچ کہا۔ تمھیں اس پر حیرت کیوں ہے؟ اللہ کی قسم! انھوں نے تو مجھے یہ بھی خبر دی ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے رات یا دن کی ایک گھڑی میں خبر آتی ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ یہ بات تو اس سے بھی زیادہ بعید ہے جس پر تم تعجب کر رہے ہو۔ پھر آپؓ (ابوبکرؓ) آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے ان لوگوں سے بیان فرمایا کہ آج رات آپؐ بیت المقدس تشریف لے گئے تھے؟ آپؐ نے فرمایا! ہاں، ابوبکرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبیؐ اس کے اوصاف مجھ سے بیان فرمائیے کیونکہ میں وہاں جا چکا ہوں۔ اس حدیث کے راوی حسن کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرفع لی حتیٰ نظرت الیہ وہ میرے سامنے اس طرح پیش کر دیا گیا کہ میں اسے دیکھنے لگا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ سے اس کے اوصاف بیان فرمانے لگے۔ اور ابوبکرؓ عرض کرتے جاتے تھے۔ آپؐ نے سچ فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ جو جو چیز اس میں کی آپؐ ان سے بیان فرماتے وہ عرض کرتے جاتے، آپؐ نے سچ فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں یہاں تک کہ بیان ختم ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے فرمایا: اَنْتَ یَا اَبَا بَکْرٍ! الصدیق (اے ابوبکر! تم صدیق ہو) غرض اسی دن سے آپؐ نے انھیں صدیق کا لقب عطا فرمایا[۵۵]

مذکورہ بالا حدیث کے راوی حسن مزید بیان کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان لوگوں کے متعلق جو اپنے اسلام سے مرتد ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا[۵۵الف]

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۚ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝ (الاسراء ۱۷، آیت ۶۰)

ترجمہ: اور ہم نے جو نظارہ (شبِ معراج میں) آپؐ کو دکھلایا تھا اور جس درخت پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ ہم نے ان دونوں چیزوں کو ان لوگوں کے لیے موجب

---

۵۵ سیرت ابن اسحاق، السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ج ۱، ص ۴۰۳ تا ۴۰۸۔

۵۵الف السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ج ۱، ص ۴۰۳ تا ۴۰۴۔

گمراہی کردیا۔ اور ہم ان کو ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی سخت سرکشی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔"

---

(۲) معجزۂ شق قمر:۔

ایک دفعہ مکہ کے کچھ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ اپنی نبوت کی دلیل میں ان کو کوئی نشانی (معجزہ) دکھائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کیا جس سے اس کے دو ٹکڑے ہوگیے قرآن کریم نے اس واقعہ کو مندرجہ ذیل آیات میں بیان کیا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ (سورہ قمر، آیت ۱ و ۲)

ترجمہ:۔ "قیامت نزدیک آپہونچی اور چاند شق ہوگیا اور یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے۔"

جیسا کہ قرآن خود کہہ رہا ہے کہ کفار نے اس معجزہ کا بھی انکار کردیا اور اس کو ایک جادو بتایا۔ یہ معجزہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری مستند کتابوں میں مذکور ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مکہ کے کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو کوئی نشانی (معجزہ) دکھایئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کے دو ٹکڑے کرکے انھیں دکھا دیئے۔ یہاں تک کہ حرا (پہاڑ) ان دونوں ٹکڑوں کے بیچ میں آگیا ہے۔[۱]

حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند شق ہوگیا یعنی درمیان سے دو ٹکڑے ہوگئے ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر کی جانب تھا اور دوسرا نیچے کی جانب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ معجزہ دکھا کر) کافروں سے فرمایا: "دیکھو

---

۱ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

نبوت کی (شہادت دو۔[۷]

ایک دوسری روایت میں حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں! "ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ (آپ کے معجزہ سے) چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی ایک جانب اور دوسرا پہاڑ کی دوسری جانب چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ معجزہ دکھا کر) کافروں سے کہا! "میری نبوت کی (شہادت دو۔[۸]

جامع ترمذی کی ایک روایت کے مطابق مکہ کے لوگوں (کفار) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معجزہ دکھانے کی فرمائش کی اور (آپ کے معجزہ سے) چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۝[۹]

(آیت کا ترجمہ و حوالہ اوپر گذر چکا ہے۔)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے کہا! "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے اوپر جادو کردیا ہے"۔ (جامع ترمذی، تفسیر سورۃ القمر، مسند احمد)۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کچھ مسافروں نے بھی اس کی گواہی دی کہ انھوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہوتے دیکھے تھے۔

چاند جس پر جدید سائنسی تحقیقات کی بدولت جانا آسان ہوگیا ہے اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک انگلی سے اشارہ کرکے اس کے دو ٹکڑے کرکے تمام انسانوں کو بتا دیا کہ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلی کا اشارہ چاند سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔

ڈاکٹر پروفیسر حمیداللہ تحریر کرتے ہیں! "ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل کے علاقے مالابار میں ایک واقعہ کافی مشہور ہے کہ وہاں کے ایک راجہ "چکرورتی فارماس" نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کو دیکھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے، اس نے اس کی

---

۷ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

۸ صحیح بخاری، جامع ترمذی، صحیح مسلم۔

۹ جامع ترمذی (تفسیر سورۃ القمر)

تحقیقات کرائی تو معلوم ہوا کہ عرب میں اللہ کے ایک رسولؐ کے آنے کی پیشین گوئی کی گئی تھی جس سے یہ معجزہ رونما ہوا۔ اس نے اپنے لڑکے کو اپنا نائب بنایا اور خود آپؐ سے ملاقات کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اور عرب پہونچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جب وہ وہاں سے اپنے وطن واپس لوٹ رہا تھا تو یمن میں ظفر کے مقام پر اس کا انتقال ہوگیا۔ جہاں اس کی قبر ہے۔ یہ قبر "ہندوستانی راجہ کی قبر" کے نام سے مشہور رہی ہے۔ اور صدیوں سے لوگ اس قبر کی زیارت کے لیے آتے رہتے ہیں۔ انڈیا آفس لندن کے ایک مخطوط (نمبر/عربی، ۲۸۰۷، ص ۱۵۲ تا ۱۷۳) میں اس بارے میں کافی تفصیل سے لکھا ہے[۵۱]۔"

---

(۳) قرآن کریم بطور معجزہ:۔

متعدد جگہوں پر قرآن کریم نے خود اپنے آپ کو ایک معجزہ کہا ہے۔ ایک جگہ قرآن کہتا ہے:۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ بَلْ هُوَ اٰيَاتٌ بَيِّنٰتٌ فِىْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (سورہ عنکبوت ۲۹، آیت ۴۸ تا ۵۱)

ترجمہ: "اور (اے پیغمبر!) آپؐ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو یہ باطل پرست لوگ شک کرسکتے۔ بلکہ یہ کتاب خود بہت ہی واضح دلیلیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم عطا ہوا ہے اور ہماری آیتوں سے صرف گنہگار ہی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کیوں اس (پیغمبر) پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں نازل

---

۵۱ پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ، Muhammad Rasulullah، پیراگراف ۲۴۰، ص ۷۰۔

نہیں ہوتیں۔ آپ یوں کہہ دیجیے کہ وہ نشانیاں تو اللہ کے قبضہ میں ہیں اور میں
تو صرف کھلا ڈرانے والا ہوں کیا ان کے لیے یہ نشانی (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ
ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے بیشک اس کتاب میں
ایمان لانے والے لوگوں کے لیے بڑی رحمت و نصیحت ہے"۔

مندرجہ بالا آیات میں قرآن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نزول خود ایک معجزہ ہے کیوں کہ آپ اُمّی تھے اور پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اس کے باوجود آپ نے ایسی کتاب پیش کی "جس نے زندگی کی تمام حقیقتوں کو واضح کیا، جس کا قدیم جدید زبان میں کوئی ثانی نہیں۔ جو اپنے حسنِ بیان، الفاظ کی شیرینی و وضاحت، گہرائی، اور فصاحت و بلاغت میں کوئی نظیر نہیں رکھتی اس کے علاوہ اس کی اثر آفریں نصیحتیں۔ افکار کی گہرائی، انوکھا اندازِ بیان، لافانی اسلوب، وسیع و جامع موضوعات اور سب سے بالا یہ کہ اس کا دستورِ حیات ہونا اور گمراہوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دینا یہ سب وہ خصوصیات ہیں جو اس کے معجزہ ہونے کی دلیل ہیں[۱]
قرآنِ کریم نے اپنے مثل کسی کتاب کو پیش کرنے کے لیے تمام انسانوں اور جنوں کو چیلنج کیا ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ
وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ٥ (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۸۸)

ترجمہ: "آپ فرما دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کے لیے
جمع ہو جائیں کہ ایسا قرآن بنا لائیں تب بھی ایسا نہ لا سکیں گے۔ اگرچہ ایک دوسرے
کے مددگار بھی بن جائیں۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ٥ (سورہ یونس، آیت ۳۸)

ترجمہ: "کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو گڑھ لیا ہے آپ کہہ دیجیے
کہ تو پھر تم اس کے مثل ایک سورۃ (بنا) لاؤ اور (اکیلے نہیں) جن جن غیر اللہ کو

---

[۱] اے۔ ایم۔ آر مہاجر A.M.R. Muhajir, Muhammad As Depicted In The Holy Qur'an, pp. 177-178.

بلا سکو ان کو (مدد کے لیے) بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ○ (سورہ طور، آیت ۳۳، ۳۴)

ترجمہ: "(کفار) یہ بھی کہتے ہیں کہ انھوں نے اس (قرآن) کو خود گڑھ لیا ہے بلکہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ تو یہ لوگ اس طرح کا کوئی کلام بنا کر لے آئیں اگر یہ (اس دعوی میں) سچے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (سورہ شوریٰ، آیت ۵۲)

ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے۔ آپ کو یہ خبر نہیں تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے۔ اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت دیتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کر رہے ہیں۔"

قرآن کا یہ معجزہ قیامت تک کے لیے ہے۔ آسمان سے نازل شدہ کتابوں میں صرف یہی ایک ایسی کتاب ہے جو اپنی شکل میں چودہ سو سال سے محفوظ ہے جیسا کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ یہ کبھی بدل نہیں سکتی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (سورہ حجر، آیت ۹)

ترجمہ: "بیشک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان) ہیں۔"

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ○ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ○ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (سورہ واقعہ، آیت ۷۷، ۸۰)

ترجمہ: "یہ ایک مکرم قرآن ہے جو ایک محفوظ کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے

کہ اس کو بجز پاک فرشتوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگا پاتا۔ یہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔"

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ۝ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ (سورہ بروج، آیت ۲۱، ۲۲)

ترجمہ: "بلکہ وہ ایک باعظمت قرآن ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔"

قرآن کی حفاظت کے سلسلے میں مندرجہ بالا پیشین گوئیاں چودہ سو سال سے ابتک پوری ہوئی ہیں کہ قرآن جوں کا توں اسی طرح محفوظ ہے جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم پر نازل ہوا تھا۔ جو درحقیقت بذات خود نہ صرف ایک بڑا معجزہ ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل بھی ہے۔

---

(۴) قرآن کریم میں مذکور کچھ اور معجزات:۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے صرف تین اہم معجزات کا ذکر کیا ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں قرآن کریم میں ذکر کیے گئے باقی معجزات کی تفصیلات اختصار کی وجہ سے یہاں بیان نہیں کی جارہی ہیں۔ بہرحال ان میں سے کچھ کے عنوانات ذیل میں تحریر کیے جارہے ہیں۔

۱۔ رومیوں کی ایرانیوں پر فتح کی پیشین گوئی (ملاحظہ ہو سورہ روم، آیت ا تا ۶)

۲۔ ابرہہ کی فوج پر ابابیلوں کے لشکر کی کنکریوں کی بارش (ملاحظہ ہو:۔ سورہ فیل، آیت ا تا ۵)

۳۔ شرح صدر۔ اس میں آپ کے سینۂ مبارک کو ہدایت اور نور ایمان سے معمور کیا گیا۔ (اس کا حوالہ سورہ الم نشرح میں دیا گیا ہے)

۴۔ ہجرت مدینہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی قریش کی سازش کا انکشاف (ملاحظہ ہو: سورہ انفال، آیت ۳۰)

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں غزوۂ بدر کے موقعے پر کفار کی تعداد کا ان کی اصلی تعداد سے کم نظر آنا (ملاحظہ ہو: سورہ انفال، آیت ۴۴)

۶۔ غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کا کفار کو ان کی اصلی تعداد کے مقابلہ میں کم دکھائی دینا (سورہ انفالؒ، آیت ۴۵)

۷۔ بدر کی لڑائی کے موقع پر کفار کا مسلمانوں کو ان کی تعداد سے کئی گنا زیادہ دیکھنا (سورہ آل عمرانؒ، آیت ۱۳)

۸۔ مختلف غزوات میں فرشتوں کا اترنا (ملاحظہ ہو:۔ سورہ آل عمرانؒ، آیت ۱۲۴-۱۲۵؛ اور سورہ انفالؒ، آیت ۹)

۹۔ غزوہ بدر سے پہلے مسلمانوں کی پیاس بجھانے کے لیے بارش کا نازل ہونا۔ (سورہ انفالؒ، آیت ۱۱)

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کنکریوں کو پھینکنے سے کفار کو شکست ہونا (سورہ انفالؒ، آیت ۱۷)

۱۱۔ غزوہ خندق کے موقع پر آندھی و طوفان کا آنا جس کی وجہ سے کفار کے متحد لشکر کے دل ٹوٹ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے (احزابؒ، آیت ۹۔)

۱۲۔ غزوہ حنین کے موقع پر اللہ کی خاص مدد کا نزول جس کی وجہ سے دشمنوں کو شکست ہوئی (سورہ توبہؒ، آیت ۲۵)

۱۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو نضیر کی سازش کی اطلاع ۔ (مائدہؒ، آیت ۱۱)

۱۴۔ مسلمانوں کو زمین کی خلافت اور اس پر حکمرانی کرنے کی پیشین گوئی (سورہ نورؒ، آیت ۵۵) مسلمانوں کے لیے خلافت و حکمرانی کی یہ پیشین گوئی خلافتِ راشدہ کے زمانہ میں پوری ہوئی۔

۱۵۔ مسلمانوں کے ذریعہ کفار مکہ کی شکست اور فتح مکہ کا وعدہ (سورہ قصصؒ، آیت ۸۵؛ سورہ صفؒ، آیت ۱۳؛ سورہ فتحؒ، آیت ۲۷؛ سورہ فتحؒ، آیت ۱)

۱۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی پیشین گوئی (سورہ نصرؒ، آیات ۱ تا ۳)

ب : احادیث میں مذکور کچھ معجزات

(۱) معجزۂ شق صدر :-

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ معجزۂ شق صدر رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات م
دو بار پیش آیا۔(۱) جب آپؐ تقریباً پانچ سال کے تھے اور اپنی رضاعی والدہ حضرت حلیمہؓ کے گھ
پرورش پا رہے تھے؛ (۲) جب آپؐ معراج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ پہلے موقعہ پر آپؐ کے
سینۂ اطہر سے شیطانی اثرات کو نکالا گیا تھا۔ جبکہ دوسرے موقعہ پر جب آپؐ معراج کے لیے
تشریف لے جا رہے تھے تو آپؐ کے سینے کو علم و حکمت سے معمور کر دیا گیا، اور آبِ زمزم سے صاف
کیا گیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کے باب نمبر ۴ میں مذکور معجزۂ شق صدر کا موضوع)

(۲) ٹوٹی ہوئی ہڈی کو فوراً جوڑ دینا :-

حضرت براءؓ روایت کرتے ہیں :- رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رافع کو قتل کرنے
کے لیے ایک جماعت بھیجی، عبداللہؓ ابن عتیق رات کے وقت جب وہ سویا ہوا تھا۔ اس کے مکا
میں گھس گئے اور اُسکو مار ڈالا۔" وہ خود بیان کرتے ہیں: "میں نے اپنی تلوار اس کے پیٹ پر ا
دی یہاں تک کہ وہ اس کی کمر تک پہونچ گئی۔ تب میں نے سمجھ لیا کہ میں نے اسے قتل کر دیا
اس کے بعد میں نے اس کے (محل کے) دروازے اپنی واپسی کے لیے کھولنا شروع کر دیئے یہ
تک کہ میں زینہ تک آ گیا۔ چاندنی رات تھی میں نے اپنا پاؤں زینہ پر رکھا لیکن گر پڑا جس سے
میرے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میں نے اپنے عمامہ سے اسے باندھ لیا اور اپنے ساتھیوں کے
ہمراہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پورا واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اپنے پاؤں
پھیلاؤ۔ میں نے اپنا پاؤں پھیلایا۔ اس کے بعد آپؐ نے اس پر اپنا دستِ مبارک پھیرا او
مجھے محسوس ہوا کہ جیسے اس سے پہلے مجھے کوئی تکلیف ہی نہیں تھی۔[۱]

---

[۱] صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔

(۳) آپؐ کی انگلیوں سے پانی کے فوّاروں کا جاری ہونا :۔

کئی موقعوں پر سفر کے دوران صحابہؓ کے پاس پانی کی کمی ہو گئی۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپؐ نے اپنا ہاتھ پانی کے ایک پیالہ میں رکھ دیا پھر آپؐ کے ہاتھ میں سے پانی کے فوارے نکلنے لگے۔ صحابہؓ نے اپنے برتن اور مشکیزے پانی سے بھر لیے۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں: "حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے تھے۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن میں پانی تھا جس سے آپؐ نے وضو کیا۔ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہمارے پاس بالکل پانی نہیں ہے سوائے اس پانی کے جو آپؐ کے برتن میں ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس برتن کے اندر رکھ دیا اور پانی کے فوارے آپؐ کی انگلیوں کے بیچ کے حصّے سے جاری ہونا شروع ہو گئے اور ہم نے اس پانی کو پیا اور وضو بھی کیا۔" حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا: اس موقع پر آپ لوگوں کی کتنی تعداد تھی۔ انھوں نے جواب دیا: "اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا (اس موقع پر) ہم لوگ پندرہ سو تھے۔"[۱]

مستند احادیث میں اس قسم کے کئی واقعات ہیں جن کو یہاں اختصار کے باعث تحریر نہیں کیا جا رہا ہے۔

(۴) آپؐ کے دم کرنے سے زخم کا اچھا ہو جانا :۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر سلمیٰ ابن اکوعؓ کی ٹانگ میں تلوار سے زخم لگ گیا تھا۔ لوگوں نے کہنا شروع کر دیا سلمیٰ زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان کے زخم پر تین دفعہ پھونک کر دم کیا جس سے وہ زخم اچھا ہو گیا۔[۲]

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیے گئے سحر کا انکشاف :۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا یہاں تک کہ

---

[۱] صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔ [۲] صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔

آپؐ کو یہ بھول ہونے لگی کہ آپؐ نے کسی کام کو کیا ہے حالانکہ آپؐ نے اسے نہیں کیا تھا۔ اُن ہی ایام میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تھے کہ آپؐ نے اللہ سے دعا کی اور پھر دعا کی (یعنی مکرر دعا کی) پھر آپؐ نے فرمایا، عائشہؓ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے اللہ سے جو بات دریافت کی تھی وہ اللہ نے مجھے بتادی (اور وہ اس طرح کہ) دو شخص (دو فرشتے) میرے پاس آئے ایک ان میں سے میرے سرہانے بیٹھا اور دوسرا پائنتی۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے دریافت کیا۔ اس شخص کو کیا بیماری ہے دوسرے نے کہا اس پر جادو کیا گیا ہے۔ پھر پہلے نے پوچھا کس نے جادو کیا ہے۔ دوسرے نے کہا لبید ابن اعصم یہودی نے۔ پھر پہلے نے پوچھا کس چیز میں جادو کیا ہے۔ دوسرے نے کہا کنگھی میں اور ان بالوں میں جو کنگھی سے جھڑتے ہیں اور درخت خرمہ کے تازہ شگوفوں میں ہے۔ پہلے نے پوچھا وہ جادو کی ہوئی چیزیں کہاں رکھی ہیں۔ دوسرے نے کہا۔ ذروان کے کنوئیں میں۔ یہ معلوم کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ اس کنوئیں پر تشریف لے گئے اور فرمایا یہ کنواں ہے جو مجھے دکھایا گیا ہے۔ اس کنوئیں کا پانی مہندی جیسا سرخ تھا اور درخت خرمہ کے شگوفے (جو کنوئیں میں دفن تھے) ایسے تھے گویا کہ وہ شیطانوں کے سر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کو کنوئیں سے نکال لیا اور جادو کا اثر جاتا رہا۔)"[15]

(۶) منافقوں کے ایک سردار رفاعہ ابن ضرار کی موت کی پیشینگوئی:

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے تشریف لائے جب مدینہ کے قریب پہونچے تو سخت آندھی آئی۔ اس قدر کہ سوار کو گرا کر زمین میں دفن کردے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ ہوا ایک منافق کی موت کے لیے بھیجی گئی ہے۔ پھر جب مدینہ میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ ایک بڑا منافق (رفاعہ ابن ضرار) مرگیا ہے"[16]

۱۵۔ صحیح بخاری؛ صحیح مسلم؛ مشکوٰۃ۔

۱۶۔ صحیح مسلم: مشکوٰۃ۔

(۷) پیڑوں اور پتھروں کا سلام کرنا :۔

حضرت علیؓ ابن طالب روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا ہم آپؐ کے ساتھ گردونواح میں جاتے جو پہاڑ (پتھر) اور درخت سامنے آتا وہ یہ کہتا ۔ اَلسلام علیک یا رسول اللہ!؁

(۸) آپؐ کے حکم سے درختوں کا چلنا :۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو اس کا یقین کیسے ہو کہ آپؐ نبی ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا میں اس کھجور کے اس خوشہ کو بلاتا ہوں وہ میرے پاس آکر اس چیز کی گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے اس خوشہ کو بلایا ۔ وہ خوشہ درخت سے اترنے لگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب زمین پر آکر گرا ۔ پھر آپؐ نے فرمایا واپس چلا جا تو وہ واپس چلا گیا ، یہ دیکھ کر وہ اعرابی مسلمان ہو گیا؁

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے کہ ایک افتادہ وادی (میدان) میں ہم ٹھہرے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے لیکن پردہ کی کوئی جگہ آپؐ کو نہیں ملی اچانک آپؐ کی نظر میدان کے کنارے دو درختوں پر پڑی ۔ آپؐ نے ان میں سے ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ایک شاخ کو پکڑ کر کہا ؛ خدا کے حکم سے میری فرماں برداری کر ۔ اس درخت نے فوراً اطاعت کی اور آپؐ کے ساتھ ہو لیا جیسا کہ نکیل پڑا ہوا اونٹ اپنے ہانکنے والے کی اطاعت کرتا ہے ۔ اور اپنی شاخوں کو جھکا لیا ۔ پھر آپؐ دوسرے درخت کے پاس گئے اور اس کی ایک شاخ پکڑ کر فرمایا ؛ خدا کے حکم سے میری اطاعت کر اس نے بھی اسی طرح اطاعت کی اور

؁ جامع ترمذی ، داری جیسا کہ مشکوٰۃ میں نقل کیا گیا ہے ۔
؁ جامع ترمذی ، مشکوٰۃ ۔

اپنی شاخوں کو جھکا لیا۔ پھر آپؐ دونوں درختوں کے درمیان تشریف لائے اور فرمایا خدا کے حکم سے تم دونوں میرے لیے مل جاؤ۔ چنانچہ وہ دونوں مل گئے۔ اور آپؐ نے درخت کی اوٹ میں قضاء حاجت کی حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں اس واقعہ کو دیکھ کر حیران تھا اور اپنے دل سے اس عجیب واقعہ پر باتیں کر رہا تھا کہ اچانک میری نظر دوبارہ پڑی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں اور ان درختوں کو دیکھا کہ وہ دونوں پھر علیحدہ علیحدہ ہو گئے ہیں اور ہر ایک درخت جدا جدا اپنی جگہ پر کھڑا ہے[۱۹]۔

اس طرح کے متعدد واقعات احادیث میں آئے ہیں حضرت اسامہ ابن زیدؓ نے حجۃ الوداع کے موقع پر، حضرت عبداللہؓ ابن مسعود نے غزوۂ خیبر کے موقع پر اور حضرت یعلیٰؓ ابن مرہ نے ایک سفر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے معجزانہ طور پر درختوں کا چلنا دیکھا ہے۔

(۹) بھنے ہوئے بکری کے گوشت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کے بارے میں مطلع کرنا

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ خیبر کے لوگوں میں سے یہودی عورت نے بھنے ہوئے بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا پھر اس کو ہدیہ کے طور پر آپؐ کی خدمت میں لائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے ایک دست (شانہ کی بوٹی) لے لی اور خود بھی کھایا اور آپ کے ساتھ صحابہؓ نے بھی کھایا۔ کھاتے کھاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا ہاتھ روک لو (یعنی اس کو مت کھاؤ) پھر اس یہودی عورت کو بلوایا اور اس سے پوچھا کیا تم نے اس میں زہر ملایا ہے۔ اس نے پوچھا آپؐ سے کس نے کہا آپؐ نے فرمایا مجھ کو اس دست (شانہ کی بوٹی) نے بتایا جو میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کہا ہاں میں نے زہر ملایا ہے اور اس خیال سے ملایا ہے کہ اگر آپؐ نبی ہیں تو یہ زہر آپؐ پر اثر نہیں کرے گا، اور اگر آپؐ نبی نہیں ہوں گے تو ہم کو آپؐ سے نجات مل جائے

---

[۱۹] صحیح مسلم، مشکوٰۃ۔

گی، آپؐ نے اس عورت کو معاف کر دیا اور سزا نہیں دی۔ بعد میں صحابہؓ میں سے جن لوگوں نے اس بکری سے کھایا تھا ان میں سے ایک صحابیؓ کا انتقال ہو گیا۔ اس گوشت کے کھانے کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مونڈھوں کے درمیان سینگیاں کھچوائیں اور ابو ہندؓ نے سینگیاں کھینچیں جو انصارؓ کے ایک قبیلہ بنی بیاضہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔"[۲۰]

(۱۰) کھجور کے درخت کے تنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں رونا:۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں (جمعہ کے روز) خطبہ دیتے تو کھجور کے اس تنے پر جو ستون کے طور پر کھڑا تھا ٹیک لگا لیتے تھے۔ پھر جب منبر تیار ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو وہ ستون جس سے ٹیک لگا کر آپؐ خطبہ دیا کرتے تھے (آپؐ کی محبت و فراق میں) رویا اور چیخا۔ اور قریب تھا کہ وہ (فراق کی اذیت سے) پھٹ جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور ستون کو ہاتھوں سے پکڑا۔ پھر اس ستون نے بچوں کی طرح رونا اور نالاں کرنا شروع کر دیا، ہاں ان بچوں کی طرح جن کو تسلی دے کر خاموش کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس ستون کو سکون حاصل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ستون اس لیے رویا کہ جو بیان وہ سنا کرتا تھا وہ اس نے نہ سنا، یا وہ اس سے محروم رہ گیا۔"[۲۱]

(۱۱) معمولی سے کھانوں میں ہزاروں آدمیوں کے لیے برکت:۔

جنگ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے کئی کئی وقت تک بغیر کھانا کھائے دن و رات کام کیا۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ خندق کھودنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بھی شریک تھا۔ میرے پاس ایک کم عمر کی چھوٹی سی موٹی تازی بکری تھی میں نے سوچا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کروں چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے کہا۔ بیوی نے کچھ جو پیس کر ہمارے لیے روٹی تیار کر دی میں نے یہ بکری ذبح کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۰؎ سنن ابی داؤد، دارمی جیسا کہ مشکوٰۃ میں نقل کیا گیا ہے، صحیح بخاری۔
۲۱؎ صحیح بخاری، مشکوٰۃ۔

ے لیے بھون کر رکھ لی۔ دن بھر خندق کھودنے کے بعد جب شام ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ے واپسی کا ارادہ فرمایا تو ہم تمام لوگ اپنے اپنے گھر واپس ہونے لگے۔ اس وقت میں نے رسول اللہ
لی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس ایک چھوٹی سی بکری تھی جو میں
نے ذبح کر کے آپؐ کے لیے تیار کی ہے اس کے ساتھ جو کی روٹی ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپؐ
برے گھر تشریف لے چلیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہی تشریف لے چلیں لیکن جب میں عرض کر چکا تو آپؐ نے فرمایا: اچھا۔ اور دوسرے لوگوں کو
بلا دینے کا حکم دیا۔ آواز لگانے والے نے پکارا: لوگو! تم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ جابرؓ بن عبداللہ کے گھر چلو۔ یہ دیکھ کر میں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ پڑھا
ب آپؐ کے ساتھ سب لوگ چل پڑے۔ گھر پہونچ کر آپؐ بیٹھ گئے اور ہم نے آپؐ کے سامنے
بکری کا تیار شدہ گوشت لا کر رکھ دیا۔ آپؐ نے "بارک اللہ" اور "بسم اللہ" کہہ کر کھانا شروع کیا
اور دوسرے لوگ بھی باری باری کھانے لگے ایک جماعت آکر کھاتی اور فارغ ہو کر چلی جاتی پھر دوسری
جماعت آتی یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا یہاں تک کہ تمام اہلِ خندق نے کھالیا۔[۲۲] (متعدد روایتوں
کے مطابق اہلِ خندق کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی)۔ (صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے میں اپنا لعاب دہن ملا دیا تھا۔)

کھانے میں برکت کے واقعات بہت سے مواقع پر پیش آئے۔ ان تمام کو اس مختصر سی کتاب میں لکھنا مشکل ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے کھانے میں برکت کے متعلق، مختلف معجزات ذکر کیے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: سیرت النبیؐ، حصہ سوم، ص ۵۹۲ تا ۶۰۲)

احادیث میں مذکور سب معجزات یہاں تحریر نہیں کیے جا رہے ہیں ہم صرف مندرجہ بالا معجزات ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

---

۲۲ ابن ہشام، [illegible]، ج ۲، ص ۲۱۸ و ۲۱۹۔

باب ۱۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت و رسالت

(الف) کسی نبی کی بعثت کا مقصد

کسی قوم یا طبقہ میں نبی خاص طور سے تین مقاصد کے پیش نظر بھیجا جاتا تھا۔

۱۔ پہلی وجہ یہ ہوتی تھی کہ اس قوم یا طبقہ میں اس نبی سے قبل کوئی اور نبی نہیں بھیجا گیا تھا۔

۲۔ یہ کہ متعلقہ قوم یا طبقہ میں اس سے پہلے انبیاء کو تو بھیجا جا چکا تھا مگر ان کی تعلیمات محفوظ نہیں تھیں یا پچھلے نبی (یا انبیاء) کی تعلیمات میں تحریف ہو چکی تھی جس کی وجہ سے اس قوم یا طبقہ کے لوگ ان تعلیمات پر عمل نہیں کر سکتے تھے۔

۳۔ یہ کہ پچھلے انبیاء کی تعلیمات ناکافی تھیں اور وہ سماج کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتی تھیں۔

اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے معاملہ کا مندرجہ بالا مقاصد کی روشنی میں جائزہ لیں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ آپ کی بعثت کے بعد وہ تمام اسباب و وجوہات ختم ہو چکے ہیں جن کی وجہ سے کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت پیش آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عالمگیر ہے اس لیے آپ کے بعد اب کسی علاقائی یا قومی نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔ آپ جو پیغام لے کر تشریف لائے وہ نہ صرف آپ کی بعثت سے اب تک پوری طرح محفوظ ہے بلکہ آپ کی نجی اور عوامی زندگی کے بھی تمام پہلو اور تمام گوشے پوری طرح محفوظ ہیں۔

جو شخص بھی آپؐ کی اتباع کرنا چاہے وہ آج بھی آپؐ کی زندگی کے تمام حالات کا پوری طرح جائزہ لے سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ آپؐ کی تعلیمات اور آپؐ کا پیغام مکمل ہے آپؐ کے ارشاداتؐ فرمودات بین الاقوامی سطح پر قابلِ عمل ہیں۔ انسانی سماج کا ایسا کوئی گوشہ نہیں ہے جس کے لیے آپؐ کی ہدایت موجود نہ ہو۔ اور زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس میں آپؐ نے رہنمائی نہ کی ہو۔ آپؐ کی تعلیمات جامع ہیں جن میں کسی قسم کی تنقیح و تعدیل کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور اب کسی اور نبی کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔ نہ تو دائرہ اسلام کے اندر اور نہ ہی دائرہ اسلام کے باہر۔

مذکورہ بالا حقائق پر قرآن نے ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر رسالت و نبوت :۔

اس سلسلہ میں قرآنِ کریم میں مذکور ہے :۔

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ٱلَّذِى لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ فَـَٔامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِ ٱلنَّبِىِّ ٱلْأُمِّىِّ ٱلَّذِى يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَكَلِمَٰتِهِۦ وَٱتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ (الاعراف، آیت ۱۵۸)

ترجمہ :۔ "آپؐ کہہ دیجیئے کہ اے (تمام عالم کے) لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اس لیے ایسے اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے ایسے نبی اُمّی پر بھی جو خود اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان (نبی) کا اتباع کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ"۔

ایک دوسری جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے :۔

وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (سورہ سبا، آیت ۲۸)

ترجمہ :۔" اور ہم نے تو آپؐ کو تمام (عالم کے) لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور (ایمان لانے پر ان کو ہماری رضا و ثواب کی) خوشخبری سنانے والا اور (ایمان نہ لانے پر ان کو ہمارے غضب و عذاب سے) ڈرانے والا (بنا کر بھیجا ہے) لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے"۔

قرآن حکیم مزید اعلان کرتا ہے :۔

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورہ انبیاء، آیت ۱۰۷)

ترجمہ :۔" ہم نے آپؐ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

ایک دوسری جگہ ہے :۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ ۝ (سورہ بقرہ، آیت ۱۸۵)

ترجمہ :۔" رمضان کا وہ (مبارک) مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے جو تمام انسانوں کے لیے ہدایت (کا ذریعہ) ہے"۔

(۲) آپؐ کے پیغام و رسالت کی حفاظت :۔

اللہ نے یہ صاف صاف فرما دیا ہے کہ قیامت تک آپؐ کا پیغام محفوظ رہے گا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورہ حجر، آیت ۹)

ترجمہ :۔" ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان) ہیں :۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ أَنْ أُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِيْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰى إِلَيَّ إِنِّيْ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (سورہ یونس، آیت ۱۵)

ترجمہ :۔" اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے (آپؐ سے) یوں

کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لائیے یا دکم سے کم) اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے ۔ آپ یوں کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کردوں۔ میں تو بس اسی کی اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں"۔

یہاں پر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ قرآن نے ہمیں یہ بتلایا ہے کہ پچھلی امتوں نے اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کردی تھی۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ○ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ○ (سورہ مائدہ، آیات ۱۵،۱۶)

ترجمہ :" اے اہلِ کتاب تمہارے پاس یہ رسول آئے ہیں، کتاب میں سے جن امور کا تم اخفا کرتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں۔ اور بہت سے امور کو واگزاشت کر دیتے ہیں۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک واضح کتاب (یعنی قرآن مجید) کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضا حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے۔ اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے" ان کو راہ راست پر قائم رکھتا ہے "۔

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا
يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ (النساء - ۴۶)

ترجمہ :" یہ لوگ جو یہودیوں میں سے ہیں (اللہ کے) کلام کو اس کے مواقع سے دوسری طرف پھیر دیتے ہیں ۔۔۔۔۔"

وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ

يَأْتُوكَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ . . .   (سورہ مائدہؐ، آیت ۴۱)

ترجمہ: ". . . . . اور وہ لوگ جو یہودی ہیں غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں۔ آپ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر سنتے ہیں۔ (جس قوم کے یہ حالات ہیں کر) وہ آپ کے پاس نہیں آئے۔ (اور اللہ کے) کلام کو اس کے موقع ومحل سے بدلتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ (یعنی بدلا ہوا) حکم ملے تو اس کو لے لو. . . . ."

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝   (سورہ بقرہؐ، آیت ۷۵)

ترجمہ: "اور ان میں (یہودیوں میں) سے کچھ لوگ (ایسے گذرے ہیں کر) اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے پھر اس میں تحریف کر دیتے تھے اور اس کو سمجھنے کے بعد ایسا کرتے اور وہ جانتے تھے۔"

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل شدہ کتابوں میں تحریف ہوچکی تھی۔ اس لیے اس بات کی ضرورت تھی کہ آخری نبیؐ کو اس ضمانت کے ساتھ بھیجا جاتا کہ ان کی تعلیمات و ارشادات نیز زندگی وحیات کی تفصیلات پوری طرح محفوظ رہیں۔

(۳) دین کا مکمل ہونا:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کا تیسرا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ آپؐ جس دین کو لے کر آئے، وہ کامل اور مکمل دین ہے۔ اور آپؐ پر اللہ کی ہدایت کی تکمیل ہوچکی ہے۔

قرآنِ کریم میں ہے:۔

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ   (مائدہؐ، آیت ۳)

ترجمہ: "آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا۔ اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا۔ اور میں نے اسلام تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔"

ایک مقام پر ہے:

مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(سورہ یونس ۱۰، آیت ۳۷)

ترجمہ: "اور یہ قرآن افترا کیا ہوا نہیں ہے کہ غیر اللہ سے صادر ہوا ہو۔ بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس کے قبل نازل ہو چکی ہیں اور احکام ضروریہ کی تفصیل بیان کرنے والا ہے اور اس میں کوئی بات شک و شبہ کی نہیں اور وہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔"

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝

(سورہ نحل ۱۶، آیت ۸۹)

ترجمہ: "اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے جو تمام (دین کی) باتوں کو بیان کرنے والا ہے اور (خاص) مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت و خوشخبری سنانے والا ہے۔"

مذکورہ بالا حقائق کے علاوہ قرآن کریم نے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۝ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

(سورہ احزاب ۳۳، آیت ۴۰)

ترجمہ: "محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں (یعنی آخری نبی ہیں) [illegible]

خوب جانتا ہے"۔

لفظ خاتم کی تحقیق

مذکورہ بالا آیت (سورہ احزاب ۳۳، آیت ۴۰) میں جو لفظ خاتم آیا ہے اس کا مطلب ہے "مَا یختم بہ،، (القاموس العصری) یعنی وہ مہر جو کسی چیز کے آخر میں اس کا آخری حصہ بند کرنے کے لیے لگائی جائے۔ یہ معنی لفظ خاتِم میں زیادہ واضح ہو جاتے ہیں جس کو کچھ ائمہ قرأت نے مذکورہ بالا آیت میں خاتَم کی جگہ پڑھا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: جامع البیان فی تفسیر القرآن لابن جریر طبری؛ اور تفسیر القرآن لابن حبان الاندلسی) اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ "خاتم القوم" کا مطلب ہمیشہ کسی گروہ کا آخری آدمی مراد لیا جاتا ہے یعنی "آخرہم" (ملاحظہ ہو: تاج العروس لامام محب الدین ابوالفرید مرتضیٰ)

قرآن کریم کی تمام مشہور تفاسیر اس پر متفق ہیں کہ "خاتم النبین" کا مطلب آخری نبی ہے۔ علامہ زمخشری اپنی مشہور تفسیر "الکشاف" میں کہتے ہیں:۔

"خاتم النبین کا مطلب ہے سب سے آخری نبیؐ"۔ ابن حبان اپنی تفسیر "البحر المحیط" میں رقمطراز ہیں: "خاتم النبین" کا مطلب ہے کہ آپؐ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا"۔ محی السنۃ حسین ابن مسعود اپنی تفسیر "معالم التنزیل" میں تحریر کرتے ہیں: "خاتم النبین کا مطلب ہے ان میں کا (انبیاء میں کا) آخری"۔ اس طرح اللہ نے آپؐ پر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) نبوت کو ختم کر دیا"۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر تحریر کرتے ہیں: "یہ آیت اس حقیقت کے لیے نص ہے کہ آپؐ کے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس کے متعلق بہت سی متواتر احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ جن کو صحابہؓ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے نقل کیا ہے"۔ علامہ شہاب الدین سید محمود اپنی تفسیر "روح المعانی" میں لکھتے ہیں: "ایسے لوگ جو اس حقیقت (ختم نبوت) کو تسلیم نہیں کرتے ہیں وہ قطعی طور پر کافر ہیں اور ان کو دارالاسلام میں سزائے موت

دینا چاہیئے"۔[1]

ابن حبان اپنی تفسیر "البحر المحیط" میں اس مسئلہ پر امت کا اجماع بتاتے ہیں کہ جو لوگ ختم نبوت کا اقرار نہ کریں ان کو سزائے موت دینا چاہیئے۔

مزید برآں قرآنِ کریم نے لفظ خاتم کو مذکورہ بالا معنی میں کئی جگہ استعمال کیا ہے:

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ ... (سورہ یٰسٓ، آیت ۶۵)

ترجمہ: "آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے"

مذکورہ بالا آیت میں یہ لفظ صاف صاف مہر کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے جب قیامت میں ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے منہ بند ہو جائیں گے اور وہ کوئی بات نہیں کر سکیں گے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ..... (بقرہ ۲، آیت ۷)

ترجمہ: "اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے"۔

یہاں دلوں پر مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دل ہدایت کے لیے بند کر دیئے گئے ہیں۔

وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ ... (سورہ جاثیہ ۴۵، آیت ۲۳)

ترجمہ: "اور (اللہ تعالیٰ نے) اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے"۔

یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ (سورہ تطفیف، آیت ۲۵)

ترجمہ: "اور ان کو (جنتیوں کو) پینے کے لیے مہر بند شراب دی جائے گی"۔

وَخِتٰمُهٗ مِسْكٌ (سورہ تطفیف، آیت ۲۶)

ترجمہ: "جس پر مشک کی مہر ہوگی"۔

مذکورہ بالا تمام آیات میں لفظ "ختم" کا مطلب کسی چیز کا خاتمہ ہے۔

سورہ احزاب ۳۳ کی مذکورہ آیت (۴۰) میں وارد لفظ "ختم" میں اور بھی گہرائی ہے۔ اس حوالے "خاتم النبین" کے مطلب میں نہ صرف نبوت کا خاتمہ مضمر ہے بلکہ اس کی تکمیل بھی مضمر ہے

---

[1] یہ حکم ان مسلمانوں کے لیے ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے باوجود ختم نبوت پر یقین نہ رکھتے ہوں۔

اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ گو کہ قیامت تک کے لیے نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے لیکن کارِ نبوت کا بارِ عظیم اب خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیوں کے کندھوں پر آپڑا ہے اب دین کی تبلیغ کا کام جو ختمِ نبوت سے قبل انبیاء کے ذمے ہوتا تھا۔ خاتم النبیین کی امت کے ذمہ ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں کیونکہ آپ پر سلسلہ وحی کا خاتمہ ہوا اور آپ اس وجہ سے بھی خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے بعد انبیاء تو آئیں گے نہیں لیکن انبیاء والا کام آپ کے اُمتیوں میں جاری رہے گا جس کی طرف قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت اشارہ کرتی ہے:۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۚ (آل عمران ۳ آیت ۱۱۰)

ترجمہ: "تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کی (بھلائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔"

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ (انبیاء ۲۱ آیت ۱۰۷)

ترجمہ: "اور ہم نے آپ کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے اپنی ایک تقریر میں کہا: "اللہ کی رحمتوں میں سے ایک بڑی رحمت لوگوں کی ہدایت کے لیے وقت وقت پر انبیاء کو بھیجنا تھا لیکن خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور اللہ کی مذکورہ بالا رحمت آپ کی امت کے ذریعہ جاری رہے گی یعنی اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا ہر فرد کارِ نبوت کا ذمہ دار ہے اور اس کے ذمہ اس دینِ حق کی تبلیغ ہے"۔ منصبِ نبوت جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، کا مقصد وحی الٰہی اور قوانینِ الٰہی کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دینا تھا۔ اور پچھلے انبیاءؑ کی رسالت کی تکمیل تھی۔ اس کا مقصد بدلتے ہوئے حالات کے تحت نئی نسلوں کو نئی ہدایت سے نوازنا بھی ہوتا تھا اسی مقصد کے تحت پچھلی امتوں میں یکے بعد دیگرے انبیاء آتے رہے چونکہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کامل دین عطا کیا گیا جو قیامت تک آنے والے ہر زمانہ، ہر قوم اور ہر

عہد کی ضروریات کو پورا کر سکے۔ اس لیے اب کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ یہ وہ نظریہ ہے جس پر ہر دور کے مسلمان متفق رہے ہیں۔

ختمِ نبوت پر احادیث :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ختمِ نبوت کے بارے میں کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے :-

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری اور دوسرے انبیاء کی مثال اس قصر کی سی ہے جس کی عمارت اور دیواریں بہت عمدہ ہوں لیکن دیوار میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو۔ پھر لوگوں نے اس کے گرد پھر کر عمارت کو دیکھا اور اس کی خوبی سے خوش ہوئے لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی دیکھ کر تعجب اور حیرت میں پڑ گئے۔ میں اس اینٹ کی جگہ بھرنے والا ہوں۔ میں اس عمارت کو ختم (مکمل) کرنے والا ہوں۔ اور مجھ پر رسالت کا خاتمہ ہوا ہے" ایک دوسری روایت میں ہے "میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں ہی خاتم النبین ہوں، یعنی میں ہی نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والا ہوں"۔[1]

ایک مثال کے ذریعہ اس حدیث میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبیؐ ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ تمام انبیاء نے ایک ہی دین، دینِ اسلام کی دعوت دی، جو کہ حدیث میں قصرِ نبوت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دین کی مکمل اور کامل ترین شکل انسانوں کے سامنے پیش کی۔

ایک اور حدیث میں ہے :-

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دوسرے انبیاء پر میں چھ خصلتوں میں فضیلت دیا گیا ہوں۔ یعنی مجھ کو ایسی چھ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے

---

[1] صحیح بخاری؛ صحیح مسلم؛ مشکوٰۃ۔

کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ (۱) میں جامع کلمہ دیا گیا ہوں (یعنی جو الفاظ کہتا ہوں وہ مختصر مگر جامع ہوتے ہیں) (۲) رعب سے مجھ کو فتح عطا کی گئی ہے (۳) مالِ غنیمت میرے لیے حلال کیا گیا ہے (۴) ساری زمین میرے لیے مسجد (سجدہ کرنے کی جگہ) اور پاک بنائی گئی۔ (۵) ساری مخلوق کے لیے مجھ کو نبی بنا کر بھیجا گیا (۶) انبیاء کا مجھ پر خاتمہ ہو گیا ہے[۳]

ایک دوسری حدیث میں ہے:۔

حضرت عرباض رضؓ ابن ساریہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے یہاں میں اس وقت النبیین لکھا ہوا ہوں جبکہ آدم علیہ السلام اپنی گوندھی ہوئی مٹی میں پڑے تھے (یعنی آدم علیہ السلام کا پتلا بھی تیار نہیں ہوا تھا) میں تم کو اپنے امور کی اولیت (فضیلت) بتاتا ہوں؛ (میں) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا (کا نتیجہ) ہوں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں (جو قرآن مجید میں مذکور ہے) اور میں اپنی والدہ کے خواب (کی تعبیر) ہوں جو انھوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا۔ (اور میری ولادت کے وقت) میری والدہ کے سامنے ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محل ان کو نظر آئے تھے[۴]

مذکورہ بالا احادیث سے یہ واضح ہے کہ آپؐ آخری نبی و رسول ہیں۔ آپؐ کے بعد نہ تو کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔

اس موقع پر ہم اہلسنت والجماعت کے اس عقیدہ کو واضح کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو نزول عیسیٰ کے بارے میں ہے۔ کہ قیامت کے قریب ان کا نزول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کی حیثیت سے ہوگا۔

ب:۔ نزولِ عیسیٰؑ

نزولِ عیسیٰؑ کے سلسلہ میں مستند و صحیح روایات وارد ہوئی ہیں جن کو امام بخاری اور امام مسلم جیسے ائمہ نے بھی نقل کیا ہے۔ خلفاء راشدینؓ، صحابہ کرامؓ، تابعین، ائمہ عظام، محدثین و فقہا

---

[۳] صحیح مسلم، مشکوٰۃ
[۴] مسند احمد، شرح السنۃ جیسا کہ مشکوٰۃ میں نقل کیا گیا ہے۔

سب نے متفقہ طور پر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ان میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے اس عقیدہ پر امت کا اجماع ہے اور تمام مسلمانوں پر اس کا عقیدہ رکھنا ناگزیر ہے۔

عیسائی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے اور مسلمانوں کے عقیدہ میں فرق ہے۔ امت مسلمہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے اس دنیا میں نازل ہوں گے۔ البتہ ان کے اندر عظیم روحانی قوت ہوگی۔ اس موضوع پر متعلقہ احادیث کے ذکر کرنے سے پہلے میں کچھ لوگوں (قادیانیوں اور احمدیوں) کے غلط عقیدہ کی طرف اشارہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

یہ لوگ (قادیانی اور احمدی) یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اب نازل نہیں ہونگے کیونکہ وہ اپنی قدرتی موت مر چکے ہیں اور سری نگر کشمیر میں مدفون ہیں۔ (ملاحظہ ہو: محمد علی کا انگریزی ترجمہ قرآن، نوٹ نمبر ۶۲۳،۱ ص ۶۷ اور ۶۷۱؛ نوٹ نمبر ۵۲،۷ ص ۲۷۶ اور ۲۷۷) جبکہ قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر مصلوب نہیں ہوئے ہیں بلکہ اللہ نے ان کو اپنے پاس اٹھا لیا ہے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۞ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (سورہ نساء، آیات ۱۵۷ و ۱۵۸)

ترجمہ: "اور ان کے اس بات کے کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم کو جو کہ اللہ کے رسول ہیں قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ انھوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا۔ اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں۔ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز گمان والی باتوں پر عمل کرنے کے۔ اور انھوں نے ان کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا۔ بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ بڑا زبردست اور

حکمت والا ہے۔"

ایک جگہ ہے:۔

اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا .... (آل عمران۳، آیت ۵۵)

ترجمہ: "جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ تحقیق میں لینے والا ہوں تجھ کو اور اٹھانے والا ہوں تجھ کو طرف اپنی اور پاک کرنے والا ہوں تجھ کو ان لوگوں سے کہ کافر ہوئے"۔ (نوٹ: یہ ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ صاحب دہلوی کا ہے)

مذکورہ بالا آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو نہ تو قتل کیا گیا اور نہ سولی دی گئی بلکہ اللہ نے ان کو اپنی جانب اٹھالیا۔

یہ لوگ (قادیانی واحمدی) مندرجہ بالا آیت کریمہ میں مذکور لفظ "متوفیک" کی غلط تشریح کرتے ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں لفظ "توفیتنی" کی انھوں نے غلط تشریح کی ہے۔

مَاقُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝ (سورہ مائدہ۵، آیت ۱۱۷)

ترجمہ: "میں نے ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا، کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو۔ جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر مطلع رہا جبتک ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا (یعنی آسمان پر بلا لیا) تو تو ان پر مطلع رہا۔ اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے"۔

اردو میں مندرجہ بالا ترجمے مستند تراجم قرآن کے مطابق ہے۔ انگریزی میں عبداللہ یوسف علی اور مارماڈیوک پکتھال نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ بہت سی عربی تفسیروں میں بھی "توفیہ" کا مطلب "رفع" لکھا ہے۔ وکذا قال ابن جریر توفیہ ھو رفعہ (تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ج ۱ ص ۳۶۶؛ تفسیر ابن جریر الطبری)۔ قال الحسن: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للیہود "ان عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ" تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، ج ۱ ص ۳۶۶)

یعنی حضرت حسن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو موت نہیں آئی ہے اور وہ قیامت سے قبل تمہارے پاس واپس آئیں گے۔" لیکن محمد علی نے اپنے انگریزی ترجمہ میں لکھا ہے۔ "When thou didst cause me to die." یعنی (اے خدا) "جب تو نے مجھے موت دی"۔ یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ لفظ "توفی" کا ہمیشہ مطلب "موت" نہیں ہوتا۔ مثلاً قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور یہاں اس کا مطلب موت نہیں ہے:۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

(سورہ انعام ۶، آیت ۶۰)

ترجمہ:۔ "اور وہی ہے کہ رات میں تمہاری روح کو اٹھا لیتا ہے (یعنی قبض کر لیتا ہے) اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے تاکہ میعاد معین تمام کر دی جائے۔ پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے۔ پھر تم کو تبلا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے"۔

مندرجہ بالا میں لفظ "یتوفیٰ" اٹھا لینے (یا قبض کرنے) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ انہی معنی میں یہ لفظ سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت نمبر ۱۱۷ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اگر اس کا مطلب یہاں پر "موت" ہوتا تو آیت کا مطلب ہوتا "اور وہی ہے کہ رات میں تمہاری روح کو موت دیتا ہے"۔ جبکہ عام مفسرین نے یہ مطلب مراد نہیں لیا ہے۔ محمد علی نے بھی قرآن کے اپنے انگریزی ترجمے میں مندرجہ بالا آیت میں وارد لفظ "یتوفکم" کا ترجمہ اٹھا لینے کے معنی میں کیا ہے وہ لکھتا ہے:۔ And He, it is Who takes your souls at night.

یعنی "اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں اٹھا لیتا ہے"۔ اس طرح محمد علی سورہ انعام کی اس آیت (نمبر ۶۰) کے معنی میں دوسرے مترجمین سے مطابقت رکھتا ہے

ایک اور جگہ قرآن کریم نے لفظ "توفی" اٹھا لینے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا (سورہ زمر ۳۹، آیت ۴۲)

ترجمہ:- "اللہ جانوں کو مرتے وقت (اپنے پاس) اٹھالیتا ہے اور جو نہیں مریں ان کو سوتے وقت (اٹھالیتا ہے)"

محمد علی یہاں پر بھی توفّی کے معنی "اٹھالینے کے" لیتا ہے۔ وہ لکھتا ہے

"Allah takes (man's) souls at the time of their death"

یعنی "اللہ (انسانوں کی) روحیں ان کی موت کے وقت اٹھالیتا ہے" کیونکہ اگر یہاں پر لفظ توفّی کے معنی تبدیل کیے جائیں گے تو مطلب بگڑ جائے گا۔ غرض مذکورہ بالا تمام آیات میں "توفّی"، "یتوفّی" کا مطلب "اٹھالینا" ہے لیکن ان لوگوں نے (قادیانی اور احمدیوں نے) قرآن کی معانی میں اپنی مرضی کے مطابق تاویل کی ہے۔ اس طرح آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ میں مذکور لفظ "مُتَوَفِّيكَ" کے معنی اسلامی عقائد کے خلاف لکھے گئے ہیں۔

مزید براں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ گفتگو جو سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۷ میں درج ہے، درحقیقت قیامت کے دن اللہ کے حضور میں ان کا جواب ہے۔ جب اللہ قیامت کے دن ان سے پوچھے گا (وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ (مائدہ - ۱۱۶)) (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو) اللہ کے اس سوال کے جواب میں ان کی گفتگو قرآن کریم میں سورہ مائدہ میں درج ہے اسی گفتگو کا ایک حصہ مذکورہ بالا آیت نمبر ۱۱۷ میں ہے جب یہ حقیقت ہے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہاں پر (یعنی سورہ مائدہ، آیت نمبر ۱۱۷ میں) اگر "تَوَفَّيْتَنِي" کا مطلب موت ہی لیا جائے تو اس موت سے مراد ان کے نزول کے بعد زمین پر جو موت واقع ہوگی وہ ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت میں یہ بات بغیر کسی شک و شبہ کے پوری طرح واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ تو قتل ہی کیا گیا تھا اور نہ ہی سولی پر ہی چڑھایا گیا تھا۔ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا تھا۔

ترجمہ :- " اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے (اللہ نے ان کو سزا دی) کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں قتل کر دیا حالانکہ انھوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا۔ اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں۔ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے۔ اور انھوں نے ان کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے حکمت والا ہے۔"

یہاں پر محمد علی نے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں آنے والے لفظ "رفع" کا ترجمہ "exalted" (وقعت یا عزت دینا) سے کیا ہے۔ اس سے بھی محمد علی کے ترجمہ کی ایک اور فاحش غلطی ہمارے سامنے آتی ہے۔

اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق مندرجہ بالا آیت (سورہ نساء، آیت نمبر ۱۵۷، ۱۵۸) اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم کے ساتھ ابھی سماء دنیا پر زندہ ہیں اور قیامت سے پہلے مسلمانوں کے ایک امام کی حمایت میں نازل ہوں گے، جن کو بعض حدیثوں میں امام مہدی کے لقب سے پکارا گیا ہے اور بعض حدیثوں میں صرف "امام" یا "امیر" (سردار) بھی کہا گیا ہے حضرت عیسیٰؑ دنیا میں موجود تمام صلیبوں کو توڑ دیں گے خنزیروں کو قتل کر دیں گے۔ اور لوگوں کو اسلام کی پیروی کرنے کا حکم دیں گے۔ قیامت سے پہلے اس دنیا میں ہی ان کی موت واقع ہوگی اور تمام اہل کتاب ان پر (اور اسلام پر) ان کی موت سے قبل ایمان لے آئیں گے۔ قرآن کریم میں مذکورہ آیات کے علاوہ مندرجہ ذیل احادیث بھی نزول عیسیٰ کے سلسلہ میں اس عقیدہ کی تائید کرتی ہیں:۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ عنقریب تمہارے درمیان ابن مریم (علیہ السلام) نازل ہوں گے جو ایک عادل حاکم ہوں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، سور کو قتل کر دیں گے، جزیہ کو اٹھا دیں گے (یعنی جزیہ کو باقی نہیں رکھیں گے۔ صرف اسلام قبول کر لینا باقی رہے گا) مال کو بڑھائیں گے۔ (یعنی ان کے

عہد میں مال کی بڑی کثرت ہوگی) یہاں تک کہ کوئی اس کا خواہشمند نہیں رہے گا۔ یہاں تک کہ صرف ایک سجدہ کرنا اسوقت دنیا اور دُنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہوگا" اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے کہا (اگر تم کو اس میں کچھ شک وشبہ ہو تو) اس آیت کو پڑھو! وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (یعنی کوئی اہل کتاب ایسا باقی نہیں رہے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی وفات سے پہلے ایمان نہ لے آئے گا)۔[۴]

یہ حدیث دراصل مذکورہ بالا آیات (سورہ نسا آیات نمبر ۱۵۷ و ۱۵۸) کی تفسیر ہے اور ہمیں اس کی اطلاع دیتی ہے کہ آسمان سے اپنے نزول کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس زمین پر ایک فطری موت سے انتقال فرمائیں گے۔

اس سلسلہ کی ایک اور حدیث حسب ذیل ہے:۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "اللہ کی قسم! ابن مریم (علیہ السلام آسمان سے) نازل ہوں گے۔ جو ایک عادل حاکم ہوں گے۔ وہ صلیب کو توڑیں گے۔ سور کو قتل کریں گے۔ جزیہ کو اٹھا دیں گے۔ جوان اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا۔ (یعنی ان سے سواری و باربرداری کا کوئی کام نہیں لیا جائے گا) لوگوں کے دلوں سے کینہ، بغض اور حسد جاتا رہے گا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو مال و دولت کی طرف بلائیں گے۔ (یعنی ان کو مال و دولت دینا چاہیں گے)۔ لیکن (مال و دولت کی کثرت کے سبب کوئی قبول نہ کرے گا۔[۵] یہ مسلم کی روایت ہے لیکن ایک اور روایت میں جو دونوں (بخاری و مسلم) نے روایت کی ہے یہ بھی اضافہ ہے: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم (علیہ السلام) تمہارے درمیان نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہی ہوگا۔"[۵الف]

اس حدیث سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی اور حضرت عیسیٰؑ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں اور یہ کہ امام مہدی مسلمانوں میں سے ایک شخص ہوں گے جو اس دور کے مسلمانوں کے امام یا امیر ہوں گے۔

---

۴ مسند احمد، شرح سنہ جیسا کہ مشکوٰۃ میں نقل کیا گیا ہے۔
۵ صحیح مسلم، مشکوٰۃ، باب نزول عیسیٰ۔
۵الف صحیح مسلم، صحیح بخاری، مشکوٰۃ، باب نزول عیسیٰ۔

اور عیسیٰ علیہ السلام ان کی اتباع کریں گے۔

مندرجہ ذیل حدیث سے یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق کے واسطے جنگ کرتی رہے گی اور قیامت کے دن تک دشمنوں پر غلبہ حاصل کرتی رہے گی۔ پھر عیسیٰؑ ابن مریمؑ نازل ہوں گے اور (میری امت کا) امیر ان سے کہے گا: آؤ ہم کو نماز پڑھاؤ۔ حضرت عیسیٰؑ کہیں گے: میں امامت نہیں کرتا۔ اس لیے کہ تم میں سے بعض لوگ بعض پر امیر و امام ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عزت و شرف عطا کیا ہے۔"[ت]

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے:

حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: "عیسیٰ ابن مریم زمین پر نازل ہوں گے۔ وہ نکاح کریں گے اور ان کے اولاد ہوگی۔ وہ ۴۵ برس تک دنیا میں رہیں گے۔ پھر وہ وفات پائیں گے۔ اور میرے برابر قبر میں دفن کیے جائیں گے۔ (قیامت کے دن) میں اور عیسیٰ علیہ السلام ابن مریمؑ ایک ساتھ ابو بکرؓ و عمرؓ کے درمیان اٹھیں گے۔"[ث]

اس موضوع پر بہت سی احادیث ہیں۔ ان تمام احادیث کی بنیاد پر علماء اس سلسلہ میں اہل سنت والجماعت کا مندرجہ ذیل عقیدہ بتاتے ہیں:-

آخری ایام میں دجال ظاہر ہوگا جب دجال فتنہ و فساد برپا کرے گا اور اپنی گمراہ کن تعلیمات اور استدراج کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرکے صحیح العقیدہ لوگوں پر ظلم و ستم ڈھائے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کے مشرق میں سفید مینار پر نازل ہوں گے (یہ مینار ایک مسجد میں ہے)۔ وہ اس وقت کے امیر یعنی امام مہدی کی اقتدار میں نماز ادا کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع کریں گے (اور اس کو عام کریں گے)، وہ صلیب کو

ت صحیح مسلم؛ مشکوٰۃ۔ باب نزولِ عیسیٰ علیہ السلام

ث مشکوٰۃ، بابِ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام

توڑیں گے جو عیسائیوں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کی علامت ہے۔ اس طرح وہ اس گمراہ کن عقیدہ کو ختم کریں گے، اور اسلامی شریعت کا نفاذ کریں گے۔ اس وقت اس دنیا میں ایسی نفرت حسد و دشمنی ختم ہو جائے گا۔ وہ میانہ قد کے ہوں گے ان کا رنگ سرخی مائل ہوگا اور بہت زیادہ خوبصورت ہوں گے۔ ان کے بال کندھوں تک لٹکے ہوئے ہوں گے۔ اس دنیا میں نزول کے بعد وہ نکاح کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی نازل ہونے کے بعد وہ دجال کو تلاش کریں گے اور بالآخر لُدّ کے (یعنی موجودہ مقبوضہ فلسطین یعنی اسرائیل میں موجود Lydda نامی) مقام پر دجال کو پالیں گے اور وہیں اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیں گے۔ اس کے بعد تمام اہلِ کتاب اسلام کو قبول کر لیں گے اور اس طرح قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کی صداقت اور زیادہ واضح ہو جائے گی:۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ۝ (سورہ توبہ ۹، آیت ۳۳)

ترجمہ:۔ "وہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کر دے گو کہ مشرکین کیسے ہی ناخوش ہوں"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں ۴۵ سال زندہ رہیں گے اور اس کے بعد ایک فطری موت سے ان کا انتقال ہوگا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر روضۂ اطہر میں دفن ہوں گے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی کتاب قادیانیت میں تحریر کرتے ہیں:۔

"حضرت مسیحؑ کے آسمان پر جانے اور دوبارہ اترنے کا عقیدہ مسلمانوں کے ان عقائد میں سے ہے جن پر قرآن بھی دلالت کرتا ہے اور جو متواتر احادیث و آثار سے ثابت ہیں اور جو مسلمانوں میں بلا کسی انقطاع کے تسلسل کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس کی تشریح کی ہے کہ نزولِ مسیحؑ کی احادیث درجہ تواتر کو پہونچ چکی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ابوالحسین ابریؒ سے تواتر

کا قول نقل کیا ہے۔ علامہ شوکانیؒ کا ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر "التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والدجال والمسیح" کے نام سے ہے۔ جہاں تک نقل کا تعلق ہے کسی قابلِ اعتماد شخصیت سے اس کے خلاف منقول نہیں۔ معتزلہ کی طرف بھی اس کی نسبت صحیح نہیں۔ علامہ ابن حزمؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب الفصل فی الملل والنحل میں صاف لکھ دیا ہے کہ عقیدۂ نزولِ عیسیٰؑ تواتر سے ثابت ہے۔ ان نقول و تفصیلات کیلئے، مولانا انور شاہ صاحبؒ کی جلیل القدر تصنیف "عقیدۃ الاسلام"، ملاحظہ کی جائے۔ جہاں تک مسئلہ کے عقلی پہلو کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محیط اور اللہ کی صفات و افعال کو کامل ماننے کے بعد کسی ایسی چیز کے امکان و وقوع میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں جو نقل صحیح اور تواتر سے ثابت ہو خصوصیت کے ساتھ طبقات و علوم طبعیہ کی جدید ترقیات و فتوحات کے بعد اور ان واقعات کے پے در پے وقوع کے بعد جو علم و اکتشافات کی اس ترقی سے پہلے عقلی طور پر محال و ناممکن الوقوع سمجھے جاتے تھے اور ایسے زمانے میں جب مصنوعی چاند[۸] قلیل سے قلیل وقت میں دنیا کے گرد چکر لگا لیتے ہیں اور انسان چاند تک پہونچنے اور خلاؤں اور فضائے بسیط میں سفر کرنے کی کوشش کر رہا ہے[۹] فاطر کائنات کے حکم اور ارادہ سے کسی ہستی کا زمین سے اوپر جانا اور طویل مدت تک رہنا کیا ناممکن اور مستبعد ہے۔ اس مسئلہ میں ان عقلی اشکالات کو پیش کرنا جو یونانی فلسفہ کی قدیم ہیئت کے خیالی مفروضات اور نظری قیاسات پر مبنی ہیں ایک ایسی طفلانہ ذہنیت ہے جس کی اس ترقی یافتہ زمانہ میں گنجائش نہیں ہے۔[۱۰]

---

۸ یعنی مصنوعی سیارے (Satellites)

۹ نوٹ:۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جب یہ کتاب "قادیانیت" لکھی تھی اس وقت انسان چاند پر جانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا لیکن بعد کو انسانی قدم چاند پر پہونچ گئے۔

۱۰ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، قادیانیت، مطالعہ و جائزہ، لکھنؤ، ۱۳ / ۸، (۱۹۵۸)، ص ۶۸ - ۶۹ -

باب ۲۰

ازواجِ مطہرات اور اولاد

ازواجِ مطہرات

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے متعلق مختصر روشنی ڈالی جارہی ہے ساتھ ہی ساتھ آپؐ کے مختلف نکاحوں کی وجوہات بھی بیان کی جارہی ہیں

حضرت خدیجہؓ بنت خویلد :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہؓ سب سے پہلی بیوی ہیں۔ شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس ۲۵ سال تھی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی رائے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ۲۸ سال کی تھی[1]۔ اس سلسلہ میں انھوں نے دلائل بھی پیش کیے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کا نام عتیق ابن عائذ تھا ان سے ان کی ایک لڑکی تھی جن کا نام ہندؓ تھا۔ انھوں نے بڑے ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ عتیق بن عائذ کی وفات کے بعد حضرت خدیجہؓ نے ابو ہالہ سے شادی کی تھی۔ ان سے ان کے دو بچے پیدا ہوئے۔ ہند اور ہالہ۔ ابو ہالہ کی وفات کے بعد حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا۔ حضرت خدیجہؓ کا انتقال

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ،

D. M. Hamidullah, Muhammad Rasulullah, ... ,144.

رمضان سنہ نبوی میں ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور جب تک وہ حیات رہیں آپؐ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ رضؓ کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ان کو قبر میں رکھا۔ اس وقت تک نماز جنازہ کے احکامات نہیں آئے تھے۔ ان کو مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے عام قبرستان ''معلیٰ'' میں دفن کیا گیا جہاں آج تک ان کی قبر موجود ہے۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ :۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ ابن قیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیوی ہیں وہ بھی بیوہ تھیں آپؐ سے شادی سے قبل ان کی شادی ان کے چچا زاد بھائی سکرانؓ ابن عمرو سے ہوئی تھی[۴]۔ دونوں میاں بیوی نے اسلام قبول کر لیا اور حبشہ کو ہجرت کرنے والے دوسرے گروہ میں شامل ہو کر حبشہ چلے گئے جہاں حضرت سکران کا انتقال ہو گیا۔ اور حضرت سودہؓ مکہ مکرمہ واپس تشریف لے آئیں۔ حضرت خدیجہ رضؓ کے انتقال کے بعد اسی سال شوال[۵] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؐ سے نکاح کیا۔ حضرت عائشہؓ سے نکاح کے بعد ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضؓ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا اس پر حضرت سودہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی: ''اے اللہ کے رسولؐ! میں عائشہ کے حق میں اپنی باری چھوڑتی ہوں مجھے اس عمر میں جنسی تعلقات سے زیادہ دلچسپی نہیں رہی ہے۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن آپؐ کی بیوی کی حیثیت سے اٹھائی جاؤں[۶]'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست فوراً قبول کر لی۔ پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ تحریر کرتے ہیں: ''اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق

---

[۴] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۵۲؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۳۴۶۔

[۵] ابن سعد کے مطابق یہ شادی رمضان سنہ نبوی میں ہوئی تھی؛ الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۵۲۔

[۶] حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول تقریباً انہی الفاظ میں ابن سعد نے نقل کیا ہے۔ الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۵۴۔

رجعی کی ذاتی مثال بھی چھوڑی ہے[5]۔"

حضرت سودہؓ کا انتقال ۲۳ھ میں ہوا[6]۔ بعض مؤرخین کے مطابق ان کا انتقال ۱۹ھ میں حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ہوا[7]۔

حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ:۔

حضرت عائشہؓ وہ واحد کنواری لڑکی تھیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی[8]۔ ان کا نکاح بھی شوال سنہ ۱۰ نبوی میں حضرت سودہؓ سے نکاح کے بعد ہوا تھا[9]۔ حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے گہرے دوست حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ نکاح کے وقت وہ کم عمر تھیں اس لیے وہ اپنے والدین کے ساتھ ہی رہتی رہیں۔ ہجرت کے بعد سنہ ۲ھ میں ان کی رخصتی ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا شروع کیا۔ ان کی وفات ۱۷ رمضان سنہ ۵۷ھ[10] کو ۶۶ یا ۶۷ سال کی عمر میں ہوئی۔ آپؓ اپنے دور کی سب سے بڑی عالمہ خاتون تھیں۔

حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ:۔

حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں آپؓ کی پیدائش سنہ ۵ نبوی میں مکہ مکرمہ میں

---

[5] ڈاکٹر محمد حمید اللہ

Dr. M. Hamidullah, Muhammad Rasulullah, para 337, p.145

[6] ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق ان کا انتقال شوال ۵۴ھ میں ہوا تھا؛ الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۵۵۔

[7] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۵۵۔

[8] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۳۔

[9] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۵۸۔

[10] ابن سعد کے مطابق انہوں نے شوال سنہ ۱ھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا شروع کیا تھا؛ الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۶۰۔

[11] ابن سعد کے مطابق ان کا انتقال رمضان ۵۸ھ میں ہوا تھا۔ الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۷۶۔

ہوئی تھی۔ آپ کی پہلی شادی حضرت خُنیسؓ ابن حذافہ سے ہوئی تھی[12] جو ابتدائی مسلمانوں میں
انھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور بعد میں مدینہ منورہ کی ہجرت کی، وہ بدر کی لڑائی میں
تھے۔ احد کی لڑائی میں وہ شہید ہو گئے۔ حضرت حفصہؓ ابھی جوان تھیں۔ ان کے والد حضر
ان کی شادی کسی اچھے آدمی سے کرنی چاہی چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس ر
کا پیغام بھیجا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کوئی جواب نہیں دیا[13]۔ اس کے بعد انھوں نے حضر
سے کہا جن کی اہلیہ (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں) کا انتقال ہو چکا
انھوں نے بھی معذرت چاہی[14] کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور صاحبزاد
نکاح کرنے کے متمنی تھے۔ حضرت عمرؓ کو اس سے تکلیف ہوئی اور انھوں نے رسول اللہ صلی
سے اس کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: "میں تمھیں حفصہؓ کے لیے عثمانؓ سے بہتر شوہر بتاتا ہو
عثمانؓ کے لیے حفصہؓ سے بہتر بیوی[15]" اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ ...
کرلیا اور اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دے دیا۔ بعد میں حضرت
نے حضرت عمرؓ کو اپنی خاموشی کی وجہ بتائی اور کہا: "میں نہ تو تمہاری اس پیشکش کو قبول کر
اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو تم پر ظاہر کرسکتا تھا[16]۔ اس لیے میں خاموش رہا۔ ا
صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال بدل جاتا تو میں بخوشی ان (حفصہؓ) سے شادی کرلیتا۔"

حضرت حفصہؓ کی وفات جمادی الاولیٰ سنہ ۴۵ھ[17] میں ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔

حضرت زینبؓ بنت خزیمہ:-

زیادہ تر مؤرخین کے مطابق حضرت زینبؓ کی شادی پہلے حضرت عبیداللہؓ ابن حارث

---

۱۲ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۱؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۵۔
۱۳ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۱ و ۸۲۔
۱۴ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۱ و ۸۲۔
۱۵ ابن سعد نے بھی یہی الفاظ نقل کیے ہیں: الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۳۔
۱۶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۲۔
۱۷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۶۔

وئی تھی [۱۸]۔ حضرت عبیدؓاللہ ابن حارث غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے رمضان سنہ ۳ھ [۱۹] میں نکاح کیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح
ں صرف آٹھ مہینے رہیں اور ربیع الآخر سنہ ۴ھ [۲۰] میں ان کی وفات ہوئی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق
ہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے تین مہینے بعد ہی تیس سال کی عمر میں انتقال کر
ئی تھیں [۲۱]۔

حضرت زینبؓ اور خدیجہؓ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی دو بیویاں ہیں کہ جن کی وفات
پؐ کی زندگی ہی میں ہو گئی تھی۔ آپؐ کی باقی تمام بیویوں کا انتقال آپؐ کی وفات کے بعد ہی
ں ہوا۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ اسلام سے پہلے سے ہی غرباء کی بہت امداد کرتی تھیں اس لیے
ن کا لقب "اُمّ المساکین" پڑ گیا تھا [۲۲]۔

حضرت اُمّ سلمہؓ یا ہند بنت ابو اُمیہ:۔

آپؓ ابو اُمیہ کی صاحبزادی تھیں اور آپؓ کا نام ہند تھا۔ آپؓ کی پہلی شادی آپؓ کے
چازاد بھائی عبداللہؓ ابن عبدالاسد سے ہوئی تھی [۲۳] جن کو عام طور سے ابو سلمٰی کے نام سے پکارا
تا تھا [۲۴]۔ حضرت ام سلمٰیؓ اور ابو سلمٰیؓ نے مکہ میں اسلام قبول کیا اور قریش کی اذیت سے بچنے کے
ے حبشہ ہجرت کر گئے۔ جلاوطنی کی حالت میں ان کے یہاں حبشہ میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام
لمٰی تھا۔ حبشہ سے یہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے جہاں ان کے ایک اور لڑکا عمرا ور دو
ڑکیاں دارہ اور زینب پیدا ہوئیں۔ جنگِ اُحد میں حضرت ابو سلمٰیؓ کے ایک زخم لگ گیا تھا جو
یک لمبے عرصہ تک ٹھیک نہ ہو سکا۔ صفر سنہ ۴ھ میں وہ ایک اور غزوہ میں گئے۔ وہاں سے واپسی پر

۱۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۱۵؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۴۔
۱۹۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۱۵۔
۲۰۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۱۶۔
۲۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، Dr. H. Hamidullah, Muhammad Rasulullah, para 345, p-.150.
۲۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۱۵۔
۲۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۸۔
۲۴۔ [illegible]

پرانا زخم پھر تازہ ہوگیا جس سے ان کو کافی تکلیف ہوئی اور جمادی الآخر ۴ھ کو وفات ہوگئی[۲۵]۔ حضرت ام سلمیٰؓ اس وقت حالت حمل میں تھیں۔ زینب کی ولادت ان کے شوہر کے انتقال کے بعد ہوئی۔ اپنے شوہر کی وفات پر وہ روئیں اور انھیں سخت صدمہ پہونچا" حالانکہ وہ سمجھدار تھیں اور ان کے کئی بچے تھے پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طے کیا کہ ان سے شادی کرکے ان کی دلجوئی کی جائے کیوں کہ آپؐ اس خاندان کی بڑی عزت کرتے تھے[۲۶]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؓ کی شادی شوال ۴ھ میں ہوئی[۲۷]۔ چونکہ آپؓ کی شادی حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کے انتقال کے بعد ہوئی تھی اسلئے آپؓ کو رہنے کے لیے حضرت زینبؓ کا حجرہ دیا گیا۔

ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمیٰؓ کی وفات سب سے آخر میں ۵۹ھ میں ہوئی[۲۸]۔ (کچھ مورخین کے مطابق ان کی وفات ۶۲ھ میں ہوئی) وفات کے وقت ان کی عمر ۸۴ سال کی تھی[۲۹]۔ اس اعتبار سے ان کی پیدائش نبوت سے ۹ برس پہلے ہوئی۔

حضرت زینبؓ بنت جحش :۔

آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں آپؓ کے والد جزیرۃ العرب کے شمالی حصہ کے رہنے والے تھے لیکن کچھ ذاتی وجوہات کی بنا پر مکہ مکرمہ آکر رہنے لگے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب سے شادی کرلی[۳۰]۔

حضرت زینبؓ کی پہلی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ حضرت زیدؓ ابن حارثہ سے ہوئی تھی۔ حضرت زیدؓ ابن حارثہ اور حضرت زینبؓ میں کچھ چپقلش ہوگئی جس کی وجہ سے انھوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت

---

۲۵ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۷۔

۲۶ ڈاکٹر محمد حمید اللہ Dr. M. Hamidullah, Muhammad Rasulullah, p. 150

۲۷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۸۷۔

۲۸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۲۔

۲۹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۷۔

۳۰ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۰۱۔

زینب رضؓ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کردیا ۔ جیسا کہ سورہ احزاب میں مذکور ہے۔

آپؓ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذی قعدہ ۵ھ میں [31] ہوا تھا۔ اس وقت آپؓ کی عمر ۳۵ سال کی تھی اس طرح آپؓ کی پیدائش ۱۷ سال قبل نبوت ہوئی تھی۔

ازواج مطہرات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے آپ ہی کا انتقال ہوا تھا۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیشین گوئی دی تھی۔ اور فرمایا تھا، میری بیویوں میں لمبے ہاتھ والی میرے انتقال کے بعد سب سے پہلے مجھ سے ملے گی۔ [32] ازواج مطہرات نے اس کو ہاتھوں کی ظاہری لمبائی پر محمول کیا اور ایک ڈنڈے سے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔ اتفاق سے حضرت سودہ رضؓ کے ہاتھ سب سے لمبے نکلے۔ لیکن جب حضرت زینب رضؓ بنت جحش کا انتقال ہوا تو اُن کو اس استعارہ کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اندازہ ہوا۔ اس استعارہ سے آپؐ کا مقصد سخاوت میں لمبے ہاتھ ہونا تھا [33] حضرت زینب رضؓ بہت زیادہ صدقہ وخیرات کرتی تھیں وہ اکثر روزہ رکھتی تھیں۔ ان کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا اور حضرت عمر رضؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی [34] انتقال کے وقت ان کی عمر ۵۰ سال تھی۔

حضرت جویریہ رضؓ بنت حارث :-

حضرت جویریہ رضؓ قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی مسافع ابن صفوان سے ہوئی تھی [35] وہ جنگ مریسیع میں جنگی قیدیوں کی حیثیت سے مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اور ثابت رضؓ ابن قیس کے حصہ میں آئیں جب [36] وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فدیہ کی رقم ادا کرنے کے لیے امداد طلب کرنے حاضر ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا کہ میں اس سے بہتر صورت

---

[31] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۱۴۔

[32] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۰۸۔

[33] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۰۸

[34] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۱۲ و ۱۱۳۔

[35] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۱۶۔

[36] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۶۴۵؛ ابن سعد، حوالہ مذکورہ، ج ۸، ص ۱۱۶۔

بتاتا ہوں وہ یہ کہ میں فدیہ تمہاری طرف سے ادا کردوں اور پھر تم مجھ سے نکاح کرلو[۳۴] حضرت جویریہؓ نے یہ پیشکش بخوشی قبول کرلی۔ آپؓ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۵ھ میں ہوا۔ اس نکاح کے نتیجہ میں قبیلہ بنو مصطلق کے تقریباً ایک سو جنگی قیدیوں کو مسلمانوں نے یہ کہتے ہوئے آزاد کردیا کہ جس قبیلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ ہوچکا ہو اس کے لوگوں کو غلام نہیں رہنا چاہیئے۔

حضرت جویریہؓ بہت خوبصورت تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شادی کے وقت ان کی عمر ۲۰ سال کی تھی۔ حضرت جویریہؓ کا انتقال مدینہ منورہ میں سنہ ۵۰ھ میں ہوا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۵ سال کی تھی[۳۵]۔ بعض مؤرخین کے مطابق ان کا انتقال سنہ ۵۶ھ میں ہوا تھا[۳۶]۔

حضرت امِّ حبیبہؓ یا رملہ بنت ابوسفیان :-

آپؓ کا تعلق مکہ مکرمہ کے مشہور قبیلہ بنو امیہ سے تھا۔ اور آپؓ ابوسفیانؓ کی صاحبزادی تھیں آپؓ کی پہلی شادی حضرت عبید اللہ ابن جحش سے مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی[۳۷]۔ دونوں میاں بیوی نے مکہ ہی میں اسلام قبول کیا۔ لیکن قریش کی اذیتوں کی وجہ سے حبشہ ہجرت کرگئے تھے۔ ایک رات انھوں نے اپنے شوہر کو خواب میں بہت ہی بدصورت شکل میں دیکھا[۳۸]۔ دوسرے دن انھیں معلوم ہوا کہ وہ عیسائی ہوگیا لیکن وہ بدستور مسلمان رہیں اور شوہر سے طلاق لے لی۔ اب وہ جلاوطنی کی حالت میں زندگی گذار رہی تھیں مگر جلد ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کا نعم البدل عطا کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے ذریعہ ان کو شادی کا پیغام بھیجا اس نے اس پیغام کو حضرت امِّ حبیبہؓ کی خدمت میں ابرہہ نامی ایک عورت کے ذریعہ بھیجا[۳۹]۔

---

۳۴ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۲۰۔

۳۵ ایضاً

۳۶ ایضاً

۳۷ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۶۔

۳۸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۷۔

۳۹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۷

وہ اس پیغام سے اتنی خوش ہوئیں کہ جو زیورات وہ پہنے ہوئی تھیں وہ سب کے سب انھوں نے اس عورت کو دے دیئے۔ شاہ نجاشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس نکاح میں وکیل مقرر ہوئے اور انھوں نے چار سو دینار بطور مہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو ادا کیے اور بہت سے تحفے بھی دیئے۔ یہی نہیں بلکہ نکاح کے بعد ایک بہت بڑی دعوت کی جس میں ان سب لوگوں کو جو اس دعوت میں موجود تھے دینار تقسیم کیے گئے[۴۳]۔ اس کے بعد نجاشی نے ان کو مہر اور دوسرے ہدایا مثلاً خوشبو وغیرہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ یہ نکاح سنہ ۶ھ میں ہوا تھا[۴۴]۔

غالباً حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا انتقال سنہ ۴۴ھ[۴۵] میں ہوا۔ کچھ مورخین کے مطابق ان کا انتقال سنہ ۵۹ھ[۴۶] میں ہوا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی :-

آپ ایک یہودیہ عورت تھیں اور حیی ابن اخطب کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی پہلی شادی سلام ابن مشکم سے ہوئی تھی اور اس کے بعد دوسری شادی کنانہ ابن ابی حقیق سے ہوئی[۴۷]۔ جنگ خیبر سنہ ۷ھ میں آپ مال غنیمت کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ بعض روایتوں کے مطابق حضرت دحیہ کلبی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک باندی کی درخواست کی اور آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو انھیں عنایت کر دیا۔ اس پر کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہودی یہ دیکھ کر ناگواری کا اظہار کریں گے کہ ایک یہودی سردار کی لڑکی باندی کی حیثیت سے کام کر رہی ہو۔ اس لیے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ انکو اپنی زوجیت میں لے لیں[۴۸]۔" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

۴۲ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۸۔
۴۳ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۹۹۔
۴۴ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۰۰۔
۴۵ ڈاکٹر محمد حمید اللہ Dr. M. Hamidullah , Muhammad Rasulullah, p.154
۴۶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۲۰۔
۴۷ شیخ محمد زکریا، حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم
۴۸ ایضاً

حضرت دحیہؓ کلبی کو ایک معقول رقم حضرت صفیہؓ کے فدیہ کے طور پر ادا کی اور پھر حضرت صفیہؓ سے فرمایا: "اب تم آزاد ہو اگر تم چاہو تو اپنے قبیلہ واپس چلی جاؤ اور چاہو تو مجھ سے نکاح کرلو[49]" حضرت صفیہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنے کو ترجیح دی کیونکہ خواب میں پہلے ہی ان کو اس کی بشارت مل چکی تھی[50]۔ یہ خواب اس کتاب میں غزوہ خیبر کے بیان کے موقع پر نقل کیا جاچکا ہے۔

حضرت صفیہؓ کی وفات سنہ ۵۰ھ میں ہوئی[51]۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۶۰ سال تھی۔

حضرت میمونہؓ بنت حارث:۔

آپ حارث ابن حزن کی صاحبزادی تھیں اور آپ کا تعلق نجد کے قبیلہ عامر ابن صعصاع سے تھا[52]۔ آپ کا اصلی نام برّہ تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تبدیل کرکے میمونہ رکھ دیا تھا۔ ام المومنین کا شرف عطا ہونے سے قبل ان کے دو نکاح ہوچکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے نکاح کیا تو وہ بیوہ تھیں۔ آپؐ نے ان سے نکاح ذی قعدہ سنہ ۷ھ[54] میں کیا۔

ایک روایت کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے جارہے تھے تو مقام سرف میں نکاح ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ عمرہ سے فراغت کے بعد مکہ میں رخصتی ہوجائے مگر مکہ میں آپؐ کا قیام صرف تین دن کے لیے تھا اس کے بعد مشرکین مکہ کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپؐ سے مکہ چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ آپؐ نے ان سے کچھ مہلت چاہی اور فرمایا کہ میں نے ابھی نکاح کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ رخصتی کرکے دعوتِ ولیمہ میں تمام اہلِ مکہ کو مدعو کروں۔ لیکن مشرکین نے اس کی اجازت نہیں دی اور آپؐ کی دعوتِ ولیمہ کو بھی قبول نہیں کیا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے واپسی پر سرف کے مقام پر ہی شب عروس گذاری[55]۔ اور دوسرے دن صبح کو صحابہؓ کی دعوتِ ولیمہ کی۔

---

۵۰ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۲۱ و ۱۲۳۔

۵۱ ایضاً

۵۲ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۳۸۔

۵۳ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۴۶؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۳۲۔

۵۴ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۳۲۔

۵۵ [illegible]

یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت میمونہؓ کا انتقال بھی ۵۱ھ میں سرف ہی کے مقام پر ہوا اور وہیں آپ مدفون ہیں۔[۵۴]

حضرت عائشہؓ ان کے متعلق فرماتی ہیں کہ میمونہؓ بہت متقی عورت تھیں اور ازواجِ مطہرات میں سے وہ خاص طور پر اپنے اعزا و اقارب کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا گیارہ ازواج مطہرات تھیں جن کو اُمہات المومنین (مسلمانوں کی مائیں) کہا جاتا ہے۔ ان میں سے دو کا انتقال آپ کے سامنے ہو چکا تھا اور بقیہ نو آپ کے ساتھ رہتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیوں کی وجوہات

(۱) معاشرے کے مختلف طبقات میں شادی کرنے کی تعلیم :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ شادیوں کے ذریعہ قبائل کی اونچ نیچ اور ذات پات کا تصور ختم کیا گیا۔ مثلاً حضرت اُمِ حبیبہؓ اور حضرت میمونہؓ سے شادی کرنے کا یہی مقصد تھا۔ حضرت صفیہؓ سے شادی کر کے آپ نے قومیت کی بندشیں توڑیں۔ وہ بندشیں جو بنو اسماعیل اور بنو اسرائیل کے درمیان صدیوں سے چلی آ رہی تھیں۔ اس طرح آپ نے اس کی تعلیم دی کہ اللہ کی نگاہ میں قومیت و نسل کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اصل معیار تقویٰ کا ہے۔ حضرت صفیہؓ سے شادی کے بعد جب حضرت عائشہؓ نے ان پر یہ فقرہ کسا: "میں نے ایک یہودیہ کو دیکھا ہے۔" تو آپ نے فرمایا: ایسا مت کہو وہ اب ایک پکی مسلمان بن چکی ہیں۔ (سنن ابن ماجہ؛ اصابہ، ج ۸)

(۲) بیوہ عورت سے شادی کرنے کی تعلیم :۔

دورِ جاہلیت میں عرب بیواؤں کو بغیر شادی کئے رکھ لیتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

۵۴ ابن سعد کے مطابق آپ کا انتقال ۶۱ھ میں ہوا تھا؛ الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۴۰۔
۵۵ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۳۹۔

نے اس طرح عورتوں کے رکھنے کو حرام قرار دیا۔ اور اس بات کی تعلیم دی کہ بیواؤں اور مطلقات کو شادی کے بعد ہی رکھنا جائز ہے۔ آپؐ نے ایک مطلقہ حضرت زینبؓ بنت جحش سے شادی اسی وجہ سے کی۔ اس شادی کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ آپؐ پھوپھی زاد بہن (یا چچا زاد یا ماموں زاد یا خالہ زاد بہن) سے شادی کرنے کو جائز قرار دیں۔ حضرت زینبؓ بنت جحش سے شادی کی ایک تیسری اہم وجہ حسبِ ذیل ہے۔

(۳) اس کی تعلیم کہ متبنّیٰ کی مطلقہ سے شادی کرنا جائز ہے :۔

حضرت زینبؓ بنت جحش سے شادی کرکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ متبنّیٰ کی مطلقہ سے شادی کرنا جائز ہے۔ (ملاحظہ ہو! سورہ احزاب[۳۳]، آیت ۳۷)

(۴) بے سہارا بیواؤں اور ان کے بچّوں کی کفالت :۔

مختلف غزوات و سرایا کے نتیجہ میں بہت سی جانیں ضائع ہوگئیں۔ بہت سی عورتیں بیوہ ہوگئیں اور بچے یتیم ہوگئے۔ ایک بڑا مسئلہ ان بیواؤں اور بچوں کی کفالت کا تھا تاکہ وہ فاقہ کشی پر مجبور نہ ہوجائیں نیز بچوں کی تربیت کا بھی مسئلہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں خود اپنی مثال قائم کی تاکہ عام مسلمان بھی ایسی بیواؤں سے شادی کرکے ان کے بچوں کے کفیل بن سکیں۔ حضرت حفصہؓ، حضرت زینبؓ بنت خزیمہ اور حضرت ام سلمیٰؓ جیسی بیواؤں سے آپؐ نے نکاح کرکے ایک مثال قائم کی۔

(۵) جنگی قیدیوں کی رہائی و آزادی پر لوگوں کو ترغیب دینا :۔

ان ایام میں جنگی قیدی غلام بنالیے جاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فدیہ پر رہا کرنے کی ایک مثال قائم کی لیکن اس کے باوجود جو قیدی فدیۂ ادا کرسکتے تھے وہ غلام بنے رہتے تھے۔ حضرت جویریہؓ کا فدیہ ادا کرکے اور ان کو آزاد کرنے کے بعد اپنی زوجیت میں لینے سے آپؐ نے اس سلسلہ میں ایک زبردست مثال قائم کی یہی رحمدلانہ سلوک آپؐ نے حضرت صفیہؓ کے

ساتھ بھی کیا۔ اور ان کو بھی آزادی کے بعد آپؐ سے نکاح کرنے کا اختیار دیا جس کو انھوں نے بڑی خوش دلی سے قبول کر لیا۔

(۶) مسلم مردوں کی کمی کے مسئلہ کا حل :۔

ان دنوں مسلمان مردوں کی کمی تھی اور اگر یہ کمی برابر جاری رہتی تو اسلام کی تبلیغ پر کافی اثر پڑتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات کے لیے اس طرف توجہ دلائی (مثلاً ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ زیادہ اولاد پیدا کرنے والی عورتوں سے شادی کرو کیونکہ قیامت کے دن میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا)۔ اسلام نے اس کا ایک حل تعدد ازدواج کی شکل میں پیش کیا۔ تاریخ اس کی گواہ ہے کہ تعدد ازدواج کی وجہ سے مسلمانوں میں پیدائش کا تناسب بڑھ گیا جس سے ان کی آبادی بھی بڑھی۔ اس اعلیٰ مقصد کے لیے آپؐ نے خود بھی اس پر عمل کر کے لوگوں کو دکھلایا۔

(۷) عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ :۔

اس زمانہ میں عرب یونیورسٹیوں اور کالجوں سے واقف نہیں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو علم حاصل کرنے اور اپنے بچوں کو علم سکھانے کی عام تربیت دی۔ تعلیم نسواں کا بھی ایک زبردست مسئلہ پیش آیا۔ آپؐ کو چند ایسی مستورات کی شدید ضرورت تھی جن کو آپؐ تعلیم و تربیت کی پوری ٹریننگ دے سکیں تاکہ پھر وہ مستورات دوسری عورتوں کو علم دین سکھا سکیں۔ مثلاً حضرت عائشہؓ جیسی نوجوان اور باکرہ لڑکی سے شادی کرنے کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ آپؐ ان کو اچھی طرح ٹریننگ دے سکیں کیونکہ نوجوانوں کے اندر علم حاصل کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ حضرت عائشہؓ نہ صرف اس دور کی عورتوں میں بلکہ مردوں میں بھی زبردست عالمہ تھیں۔ بہت سے مرد بھی پردے میں آپؓ سے مسائل سیکھتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی بدولت دین کے علم کا ایک بڑا حصہ عام ہوا۔

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوشیدہ وذاتی زندگی کو محفوظ رکھنے
اور
منظرِ عام پر لانے کا مسئلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے ایک عظیم معلّم تھے اور آپؐ کی رہنمائی اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی ہوئی تھی۔ قرآنِ کریم میں اللہ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ۝ (سورہ نجم ۵۳، آیت ۳ و ۴۔ آپؐ اپنی خواہش سے نہیں کہتے ہیں بلکہ جو کچھ آپؐ فرماتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے بھیجی جاتی ہے) مختلف مزاج کی عورتوں سے شادی کرکے آپؐ کو اپنی نجی زندگی کے حالات محفوظ کرنے میں کافی مدد ملی تاکہ وہ لوگوں کے سامنے آپؐ کی نجی اور پوشیدہ زندگی کو بھی بطورِ نمونہ پیش کرسکیں۔ چونکہ یہ ممکن تھا کہ مرد آپؐ کی نجی زندگی کے حالات بھول جاتے لیکن عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ پیش آئے ہوئے نجی واقعات عام طور سے نہیں بھولتی ہیں اس لیے یہ ضروری تھا کہ آپؐ مختلف مقامات کی، مختلف قبائل و خاندانوں کی اور مختلف مزاجوں کی عورتوں سے شادی کریں۔ اس کے علاوہ شریعت کے ایسے قوانین جو عورتوں کے لیے مخصوص ہیں آپؐ صرف اپنی بیویوں کے ذریعہ ہی عورتوں تک پہونچا سکتے تھے آپؐ کی تعددِ ازواج کی یہ ایک اہم اور بڑی وجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو اس بات کا حکم دیا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو محفوظ رکھیں!

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط إِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝ (سورہ احزاب ۳۳، آیت ۳۴)

ترجمہ: "(اے نبی کی بیویوں) اور تم ان آیاتِ الٰہیہ کو اور اس علم (احکام) کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے۔ بیشک اللہ رازداں ہے۔ پورا خبردار ہے۔"

(۹) بہترین شوہر کی مثال قائم کرنا :-

یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس کے اوپر ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ موجودہ دور کے کچھ مصنفین نے اس موضوع پر کافی کچھ لکھا ہے۔ میں صرف یہاں پر اشارۃً تحریر کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں ایک بہترین اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ ایک نوجوان ایک عمر رسیدہ عورت (اس سلسلہ میں حضرت خدیجہؓ کی مثال ہے) کے ساتھ کس بہترین طریقے سے زندگی گذار سکتا ہے۔ اور ایک سن رسیدہ شوہر ایک نوجوان اور باکرہ عورت (مثال کے طور پر حضرت عائشہؓ) کے ساتھ کس حسن خوبی کے ساتھ گذر بسر کر سکتا ہے۔ اور ایک کنوارہ شوہر ایک ثیبہ عورت کے ساتھ کس طرح زندگی گذارتا ہے۔ اسی طرح ایک شادی شدہ مرد ایک باکرہ عورت کے ساتھ کیسی زندگی بسر کرتا ہے نیز ایک ایسا مرد جس کی بیوی کا انتقال ہو چکا ہو ایک بیوہ کے ساتھ کس طرح اپنی زندگی گذارتا ہے۔

(۱۰) سیاسی وجوہات :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی شادیاں اسلام دشمنی کو کم کرنے کا سبب بنیں۔ حضرت جویریہؓ سے شادی کے سبب قبیلہ بنو مصطلق اور اس کے حلیف قبائل جو مسلمانوں کے دشمن تھے دوست بن گئے۔ حضرت صفیہؓ سے شادی کرنے کی وجہ سے یہودیوں کا ایک حصہ آپؐ سے قریب آگیا۔ حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کرنے کی وجہ سے قریش کی اسلام دشمنی کچھ کم ہو گئی۔

(۱۱) آپؐ کی عام تعلیمات کی حفاظت :-

ازواج مطہرات کے ذریعہ نہ صرف آپؐ کی نجی اور پوشیدہ زندگی کے واقعات اور عورتوں کے مخصوص مسائل کی تعلیم میں مدد ملی بلکہ عمومی طور سے آپؐ کی تمام تعلیمات بھی پہونچانے میں بہت مدد ملی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عام مسلمان ازواج مطہرات سے

پردہ میں رہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی زندگی و تعلیمات کے بارے میں بھی سوالات کرتے تھے اور وہ ان کو تشفی بخش جواب دیتی تھیں۔ مثلاً حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں کچھ بتائیے۔ تو آپ نے جواب دیا:۔
کان خلقہ القرآن (یعنی آپ کا اخلاق قرآن تھا یعنی آپ قرآنی اخلاق کے عملی نمونہ تھے۔)

(۱۴) عائلی زندگی کا نمونہ پیش کرنا:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازدواجی زندگی گذار کر یہ ثابت کر دیا کہ انسان ایک سماج و معاشرہ میں بیوی و بچوں کے ساتھ رہ کر کس طرح بغیر رہبانیت اختیار کیے ہوئے زاہد و پرہیزگار بن سکتا ہے اور اللہ کے دین کی خدمت اور اس کے راستہ میں جدوجہد کر سکتا ہے۔ اس طرح آپ نے رہبانیت کی مخالفت کر کے ایک عمدہ عوامی اور معاشرتی زندگی کی تشکیل پر زور دیا۔ آپ کی زندگی اتنی پاکیزہ، صاف اور قابلِ اتباع تھی کہ اللہ نے حکم دیا کہ آپ یہ اعلان کر دیں:۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (سورہ یونس، آیت ۱۶)

ترجمہ:۔ "......بیشک میں نے اس سے پہلے بھی تمہارے درمیان اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ گذارا ہے۔ پھر بھی تم کیا نہیں سمجھتے۔"

تعددِ ازدواج پر مغربی مُصنّفین کے خیالات

(۱) جیمس۔ اے۔ مچینر (James A. Michener) لکھتا ہے:۔ "مغربی مصنفین نے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) عیاشی کے اعتراضات محض متعدد عورتوں (کے ساتھ نکاح) کی بنیاد پر رکھے ہیں۔ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قبل لوگ لاتعداد بیویاں رکھتے تھے۔ آپ نے اس کو چار سے محدود کر دیا۔ قرآن اس سلسلہ میں صاف صاف یہ کہتا ہے کہ جو لوگ دو یا دو سے زیادہ بیویوں کے ساتھ عدل نہ کر سکیں وہ ایک ایک پر ہی اکتفا

کریں۔[۸]

(۲) مغربی مصنفین کا ایک اور گروہ کہتا ہے: "........ اسلامی قوانین کے مطابق عام طور سے عورتوں کا مرتبہ اس سے زیادہ بڑھایا گیا ہے جتنا کہ موجودہ قانون کے تحت ان کو ملا ہے۔"[۹]

(۳) ولیم کیلے (William Kalley) تحریر کرتا ہے: "درحقیقت زیادہ تر مسلمان ہر دور میں ایک ہی بیوی رکھتے رہے ہیں۔"[۱۰]

(۴) جے۔ ای کلیئر میک فرلین (J.E. Clare Mc Farlane) لکھتا ہے:

"تعددِ ازواج تہذیب کی اعلیٰ قدروں کے منافی نہیں ہے چاہے اس کو معاشرتی بنیادوں پر دیکھا جائے، اخلاقی بنیادوں پر دیکھا جائے یا مذہبی بنیادوں پر دیکھا جائے۔ درحقیقت یہ (تعدد ازواج) نادار اور مفلس عورتوں کے مسائل کا ایک حل پیش کرتی ہے۔ جس کا متبادل صرف لامتناہی تجرد پن، عصمت فروشی، عورتوں سے ناجائز تعلقات اور جنسی بے راہ روی ہے۔"[۱۱]

(۵) اینی بیسنٹ (Annie Besant) کا خیال ہے:

"تم دوسرے لوگوں کو اس مذہب (اسلام) کو بُرا کہتے ہوئے دیکھو گے کیوں کہ یہ تعدد ازواج کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن کیا تمہیں میری وہ تنقید یاد نہیں ہے جو میں نے لندن کے ایک ہال میں کی تھی جہاں کہ سامعین سب کے سب کم پڑھے لکھے تھے میں نے کہا تھا کہ وہ ایک زوجگی جس کے ساتھ جنسی بے راہ روی شامل ہو۔ درحقیقت ایک منافقت ہے۔ اور محدود تعدد ازواج کے مقابلہ میں تخریب

۸ـ Islam, the Misunderstood Religion

۹ـ "La Vie Juridique des Reuples ' Vol. VIII, edited by Levy - Ullman and Mirkine - Guetzevith , Paris, 1939, p. 154.

۱۰ـ "Philosophy of Religions" , New York, 1935, p.508.

۱۱ـ "The Case of Polygamy" , London, 1934, p.30

اخلاق عمل ہے۔ قدرتاً اس طرح کے بیانات سے دل شکنی ضرور ہوتی ہے لیکن ایسا کرنا ناگزیر ہے۔ کیونکہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ابھی حال تک جب کہ انگلینڈ میں اسلامی قانون کے کچھ حصوں کی نقل کی گئی ہے، عورتوں کے سلسلہ میں اسلامی قانون دنیا کے تمام قوانین میں سب سے زیادہ انصاف پسند تھا۔ حقوق جائداد کے معاملہ میں، حقوق وراثت کے معاملہ میں اور طلاق کے معاملہ میں یہ مغربی قانون سے کہیں آگے تھا۔ جس میں لوگوں کو یک زوجگی اور تعدد ازواج جیسے الفاظ سے مسحور تو کیا جاتا ہے لیکن یہ نہیں دیکھا جاتا کہ مغرب میں اس کے (یک زوجگی کے) پردے میں عورتوں کے ساتھ کیسے کیسے مخرب اخلاق کام کیے جاتے ہیں اور ان کو ان کے محافظ ہی گلیوں میں پھینک دیتے ہیں اور کسی قسم کا سہارا نہیں دیتے"[۶۲]

(۶) وہ مزید لکھتا ہے:۔

"میں اکثر یہ سوچتا ہوں کہ اسلام میں عورت عیسائیت سے زیادہ آزاد ہے اسلام میں عورت اس مذہب سے زیادہ آزاد ہے جو یک زوجگی کی تبلیغ کرتا ہے۔ قرآن میں عورتوں کے لیے زیادہ منصفانہ اور آزادی فراہم کرنے والا قانون ہے عیسائی انگلینڈ میں عورتوں کے لیے جائداد رکھنے کے حقوق صرف پچھلے ۲۰ سال میں ہی تسلیم کیے گئے ہیں جبکہ اسلام ان کو یہ حقوق شروع سے ہی دیتا ہے۔۔۔ ۔۔۔ یہ کہنا تہمت لگانا ہے کہ اسلام اس کی تبلیغ کرتا ہے کہ عورتوں کے اندر کوئی روح نہیں ہوتی"[۶۳]

نوٹ:۔ مندرجہ ذیل حوالے نمبر (۱) تا (۶) ڈاکٹر نظام احمد محمد کی انگریزی کتاب "The Prophet Mohammad" سے لیے گئے ہیں۔
(Published by Anjuman Sunnatul Jamaat Ass., Trinidad, West Indies).

۶۲۔ "The Life And Teachings of Mohammad", Madras, June, 1932, p.3.

۶۳۔ Ibid, pp. 25-26.

اپنی کتاب "The Future of Marriage in Western Civilization" میں ویسٹرمارک (Westermarck) نے اس موضوع پر کئی مصنفین کے خیالات درج کیے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

"ڈاکٹر کوپ (Dr. Cope) کو اختیاری تعدد ازواج یا اختیاری تعدد شوہر میں کوئی اعتراض معلوم نہیں ہوتا اگر اس کو تمام پارٹیوں کی رضامندی سے اختیار کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ عام حالات میں چند ہی لوگ اس کے لیے راضی ہوں گے۔ کچھ معاملات میں مشکلات پیش آسکتی ہیں اور اس اجازت سے ان مشکلات کا حل ہو سکتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مسٹر ساؤتھرن (Mr. Southern) کہتا ہے ازیادہ تر آدمی یک زوجگی کو ترجیح دیتے ہیں اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اسٹیٹ اس کا نفاذ کرے۔ جہاں تک شادیوں کے دوسرے طریقوں کا تعلق ہے اگر وہ آپس کی رضامندی سے ہو تو اسٹیٹ کو ان کو نامنظور کرنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ڈاکٹر نارمن ہائر (Dr. Norman Haire) کے مطابق اگر تعدد ازواج کو قانونی شکل دے دی جائے تو زیادہ تر لوگوں کے لیے اس کے بہت سے فوائد ظاہر ہوں گے۔ وہ اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اگر اسٹیٹ بچوں کی کفالت کرے تو پھر قانونی بیویوں کی تعداد پر کوئی حد نہ مقرر کی جائے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

" ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پروفیسر ڈنلپ (Professor Dunlop) کے خیال میں کچھ افراد ایسے ہیں جن کو یک زوجگی میں پوری تسکین حاصل نہیں ہوتی ایسے لوگ تعددِ ازواج سے پوری طرح مطمئن ہو سکتے ہیں۔ اس کے خیال میں مستقبل میں آدمی کو اس بات کی آزادی دے دی جائے گی کہ وہ یک زوجگی یا تعدد ازواج میں سے اس چیز کو پسند کرے جس میں اس کا زیادہ فائدہ ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"فرانس میں ڈاکٹر لی بون (Dr. Le Bon) نے پیشینگوئی کی

ہے کہ مستقبل میں یورپ قانون تعدد ازدواج کو تسلیم کرلے گا ۔۔۔۔۔۔

" (ویسٹر مارک مزید لکھتا ہے:) دو جنسوں کے درمیان فطری تعلقات یعنی تعدد ازواج سے بہت سی برائیاں دور ہو سکتی ہیں! مثلاً تجرد پن یا عصمت فروشی، امراض خبیثہ، اسقاط حمل، ناجائز بچوں کی حالت زار، لاکھوں غیر شادی شدہ عورتوں کی بدقسمتی، زنا کاری اور یہاں تک کہ حسد و بغض بھی۔ کیونکہ ایک ایسی بیوی کو جس کو قانونی طور سے (بحیثیت بیوی) نظر انداز کر دیا گیا ہو قانونی تحفظ میں سکون ملے گا۔ اور اس کو خفیہ طور پر شوہر کے فریب کا خوف نہیں رہے گا۔"[۱]

اولاد

صاحبزادے:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے ہوئے۔ دو آپ کی پہلی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ سے ہوئے اور ایک آپ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہؓ سے ہوا۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) قاسم[۲]: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ ہی کے نام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ قاسم کی پیدائش آپ کو نبوت ملنے سے پہلے ہوئی تھی۔ جب یہ دو سال کے تھے تو ان کا انتقال ہو گیا۔

(۲) عبداللہ[۳]: یہ آپ کے دوسرے صاحبزادے تھے اور یہ نبوت ملنے کے بعد پیدا ہوئے تھے، اس لیے ان کا نام "طیب" اور "طاہر"[۴] بھی تھا۔ ان کا انتقال بھی بچپن میں ہی ہو گیا۔ ان کے انتقال پر عاص ابن وائل (مکہ میں کفار کا ایک سردار) نے کہا کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل منقطع ہو گئی۔ اسس پر

۱؎ "Women In Islam" by Mazharuddin Siddiqi, p .134, 135.

۲؎ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱۸۵، ص ۷۔

۳؎ ایضاً

۴؎ ایضاً

اللہ تعالیٰ نے سورۂ کوثر نازل کی۔[58] جس کی آخری آیت میں عاص ابن وائل کا جواب اس طرح دیا گیا ہے: اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ
(ترجمہ: بیشک آپ کا دشمن ہی بے نسل ہے)

(۳) ابراہیم[59]: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیسرے صاحبزادے تھے اور ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی حضرت ماریہؓ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ یہ آپ کی آخری اولاد تھے، ان کے پیدائش کے ساتویں دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کیا دو بکرے ذبح کرائے گئے۔ اور بچے کا سر منڈوا کر اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی گئی۔ بالوں کو دفن کرا دیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کا نام حضرت ابراہیمؑ کے نام پر ابراہیم رکھا۔ ۱۸ ماہ کی عمر میں ۱۰ ربیع الاوّل ۱۰ھ کو حضرت ابراہیم کا انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جنت کی ایک نرس ابراہیم کی پرورش کے لیے مقرر کی ہے۔

صاحبزادیاں:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں جو سب کی سب حضرت خدیجہؓ سے پیدا ہوئی تھیں۔

(۱) حضرت زینبؓ: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔[60] آپ کی پیدائش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے پانچویں سال میں ہوئی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔ حضرت زینبؓ کا نکاح ابو العاص ابن الربیع سے ہوا تھا۔ جب حضرت زینبؓ مدینے کو ہجرت کر کے جا رہی تھیں تو کفار نے انھیں زخمی کر دیا اس زخم کی وجہ سے وہ

---

۵۸ ایضاً
۵۹ ایضاً
۶۰ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۰ تا ۳۶
۶۱ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۰۔

کافی عرصہ بیمار رہیں۔ اور بالآخر سنہ ۸ھ میں انتقال کر گئیں۔[۴۲]

(۲) حضرت رقیہؓ[۴۳]: حضرت زینبؓ کی پیدائش کے تین سال بعد حضرت رقیہؓ پیدا ہوئیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۳ سال کی تھی۔ حضرت رقیہؓ کی پہلی شادی ابولہب کے لڑکے عتبہ سے ہوئی[۴۴] مگر عتبہ نے اپنے باپ کے کہنے پر طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے ہو گئی اور وہ ان کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئیں۔[۴۵] غزوۂ بدر کے موقع پر وہ بیمار تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی اس غزوہ سے واپسی سے پہلے ہی مدینہ منورہ میں انتقال کر گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔[۴۶]

(۳) حضرت اُم کلثومؓ[۴۷]: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی تھیں ان کی شادی بھی پہلے ایک کافر سے ہوئی تھی یعنی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ سے۔[۴۸] جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو اپنے بھائی عتبہ کی طرح عتیبہ نے بھی اپنے باپ ابولہب کے کہنے پر حضرت اُم کلثومؓ کو طلاق دے دی۔ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد ان کی بھی دوسری شادی حضرت عثمانؓ سے ہی ہوئی۔ حضرت اُم کلثومؓ کا انتقال شعبان سنہ ۹ھ میں ہو گیا۔[۴۹]

---

۴۲ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۴۔
۴۳ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۶ و ۳۷۔
۴۴ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۶۔
۴۵ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۶۔
۴۶ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۷۔
۴۷ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۷، ۳۸ و ۳۹۔
۴۸ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۷۔
۴۹ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۳۸۔

(۴) حضرت فاطمہؓ[۵۴]! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اور سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور آپ نے ان کو جنت کی عورتوں کا سردار بتایا ہے۔ حضرت فاطمہؓ کی پیدائش نبوت کے پہلے سال میں ہوئی تھی سنہ ۲ھ میں ان کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی۔ سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ آپ کے دو لڑکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل حضرت فاطمہؓ کے بچوں سے ہی جاری رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تین ماہ بعد حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا[۵۵]۔

۶ر اکتوبر ۱۹۸۸ء بروز جمعرات مطابق
۲۳ر صفر ۱۴۰۹ھ بوقت ۸ بجکر ۱۵ منٹ
۲۰۳ ذاکر نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

---

[۵۴] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ۸، ص ۱۹ تا ۳۰۔
[۵۵] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ۸، ص ۲۸۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیش آنے والے اہم واقعات کی تاریخیں

نوٹ :-

(۱) اسلامی کلینڈر (تقویم) کی تاریخوں کو عیسوی کلینڈر (تقویم) کی تاریخوں کے مطابق کرنے میں کافی اختلافات ہیں۔ ہم نے مندرجہ ذیل تاریخیں اس بنیاد پر نکالی ہیں کہ ہجرت سال کی پہلی تاریخ یعنی یکم محرم سلہ ۱۶ جولائی ۶۲۲ء کو تھی۔ یہ مندرجہ ذیل تقویمات کے مطابق ہے۔

(الف)

"Comparatıve Tables of Hijri And Christian Dates"

(ہجری اور عیسوی تاریخوں کی تقابلی جدول) مرتبہ اے۔ ایم خالدی، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی سنہ ۱۹۳۹ء

(ب) مفتاح التقویم مرتبہ حبیب الرحمٰن خاں صابری، مطبوعہ ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، ۱۹۷۷ء۔ ان دونوں جدولوں کی بنیاد مندرجہ ذیل کام پر ہے!

"WUSTENFELD - MAHLER'SCHE VERGLEICHUNGS-

TABELIENDER MOHAMMEDANISCHEN AND CHRISTLICHEN

ZEITRECHUNG BY EDUARD MAHLER (LEIPZIG, 1926)".

مفتاح التقویم کے مرتب نے اس سلسلے کے مندرجہ ذیل مشہور کام سے بھی استفادہ کیا ہے۔

"A Table of Christian And Mohammedan eras, from the beginning of the Hijra A.D. 622 to A.D. 1900. Extracted from Canons calculated by the order of the celebrated eastern astronomer, Sultan Ulug Beg, grandson of Tamerlane from the edition of the learned Gravius; re-produced in W. Davy's English Persian and Arabic Dictionary, printed in Gloucester (England), 8th March, 1780."

(۲) اسلامی یعنی ہجری تاریخوں کے اختلافات اس کتاب کے متعلقہ موضوعات کے تحت تحریر کر دیئے گئے ہیں۔

نمبر شمار	واقعہ کا نام	ہجری کلینڈر میں تخمینۂ متعلقہ تاریخیں	عیسوی کلینڈر میں تخمینۂ متعلقہ تاریخیں
۱۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت		سنہ ۵۷۰ء (غالباً مارچ یا اپریل کے مہینے میں)
۲۔	حضرت آمنہ کی وفات		سنہ ۵۷۶ء
۳۔	حضرت عبدالمطلب کی وفات		سنہ ۵۷۸ء
۴۔	شام کا سفر		سنہ ۵۸۲ء
۵۔	جنگ فجار		سنہ ۵۸۵ء
۶۔	حضرت خدیجہ رضہ سے شادی		سنہ ۵۹۵ء

نمبر شمار	واقعہ کا نام	ہجری کیلنڈر میں تخمینہً متعلقہ تاریخیں	عیسوی کیلنڈر میں تخمینہً متعلقہ تاریخیں
۷۔	پہلی وحی		سنہ ۶۱۰ء (غالباً اگست کے مہینے میں)
۸۔	حبشہ کو (مسلمانوں کی) ہجرت		سنہ ۶۱۵ء
۹۔	حضرت ابوطالب کی وفات		سنہ ۶۲۰ء
۱۰	حضرت خدیجہ رضؓ کی وفات		سنہ ۶۲۰ء
۱۱۔	حضرت سودہ رضؓ سے شادی		سنہ ۶۲۰ء
۱۲۔	حضرت عائشہ رضؓ سے نکاح		سنہ ۶۲۰ء
۱۳۔	معراج		سنہ ۶۲۱ء
۱۴۔	بیعت عقبۂ اولیٰ		سنہ ۶۲۱ء
۱۵۔	مدینہ منورہ ہجرت (یعنی وہ تاریخ جس پر آپؐ مدینہ منورہ پہونچے)	۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ھ	۲۴ اکتوبر سنہ ۶۲۲ء
۱۶۔	حضرت عائشہ رضؓ کی رخصتی	شوال سنہ ۱ھ	اپریل سنہ ۶۲۳ء
۱۷۔	غزوۂ ودّان یا ابواء	صفر سنہ ۲ھ	اگست سنہ ۶۲۳ء
۱۸۔	سریۂ عبیدہ بن حارث	ربیع الاوّل سنہ ۲ھ	ستمبر سنہ ۶۲۳ء
۱۹۔	غزوۂ بواط	ربیع الاوّل / ربیع الآخر سنہ ۲ھ	ستمبر / اکتوبر سنہ ۶۲۳ء
۲۰	غزوۂ العشیرہ	جمادی الاولیٰ سنہ ۲ھ	نومبر سنہ ۶۲۳ء
۲۱۔	غزوۂ صفوان	جمادی الاولیٰ سنہ ۲ھ	نومبر سنہ ۶۲۳ء
۲۲۔	سریۂ سعدؓ بن ابی وقاص	جمادی الاولیٰ سنہ ۲ھ	نومبر سنہ ۶۲۳ء
۲۳۔	سریۂ عبداللہؓ بن جحش	رجب سنہ ۲ھ	دسمبر ۶۲۳ء / جنوری سنہ ۶۲۴ء
۲۴۔	تحویل قبلہ	رجب سنہ ۲ھ	جنوری سنہ ۶۲۴ء
۲۵	غزوۂ بدر	۱۷ رمضان سنہ ۲ھ	۱۳ مارچ سنہ ۶۲۴ء

نمبر شمار	واقعہ کا نام	ہجری کیلنڈر میں تخمینۃً متعلقہ تاریخیں	عیسوی کیلنڈر میں تخمینۃً متعلقہ تاریخیں
۲۶۔	غزوۂ بنو سلیم	رمضان/شوال ۲ھ	مارچ/اپریل ۶۲۴ء
۲۷۔	ابو عفک اور اسماء کا قتل	شوال ۲ھ	اپریل ۶۲۴ء
۲۸	غزوۂ بنو قینقاع	شوال ۲ھ	اپریل ۶۲۴ء
۲۹۔	غزوۂ سویق	ذی الحجہ ۲ھ	مئی/جون ۶۲۴ء
۳۰۔	حضرت فاطمہؓ کی شادی	ذی الحجہ ۲ھ	جون ۶۲۴ء
۳۱۔	کعب بن اشرف کا قتل	۱۴ ربیع الاول ۳ھ	۴ ستمبر ۶۲۴ء
۳۲۔	غزوۂ ذی الامر	ربیع الاول ۳ھ	ستمبر ۶۲۴ء
۳۳۔	غزوۂ بحران	جمادی الاولیٰ ۳ھ	اکتوبر/نومبر ۶۲۴ء
۳۴۔	سریۂ زیدؓ بن حارثہؓ بجانب قردہ	جمادی الآخر ۳ھ	نومبر ۶۲۴ء
۳۵۔	حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے شادی	رمضان ۳ھ	فروری ۶۲۵ء
۳۶۔	غزوۂ اُحد	۱۵ شوال ۳ھ[1]	شنبہ، ۳۰ مارچ ۶۲۵ء
۳۷۔	حضرت حفصہؓ سے شادی	ذی قعدہ ۳ھ	اپریل ۶۲۵ء
۳۸۔	سریۂ ابوسلمہ	محرم ۴ھ	جون ۶۲۵ء
۳۹۔	سریۂ ابن اُنیس	۵ محرم ۴ھ	۱۷ جون ۶۲۵ء
۴۰۔	واقعہ بئر معونہ	صفر ۴ھ	جولائی ۶۲۵ء
۴۱۔	واقعہ رجیع	صفر ۴ھ	جولائی ۶۲۵ء
۴۲۔	غزوۂ بنو نضیر	ربیع الاول ۴ھ	اگست ۶۲۵ء
۴۳۔	غزوۂ بدر ثانی	رجب ۴ھ	دسمبر ۶۲۵ء
۴۴۔	حضرت اُم سلمہؓ سے شادی	شوال ۴ھ	مارچ ۶۲۶ء

[1] اگر ہم اس سے پہلے کا مہینہ یعنی رمضان ۳ھ ۲۹ دن کا مانیں تو ۱۵ شوال ۳ھ کا دن شنبہ مطابق ۳۰ مارچ ۶۲۵ء کو پڑتا ہے۔

نمبر شمار	واقعہ کا نام	ہجری کیلنڈر میں تخمینۃً متعلقہ تاریخیں	عیسوی کیلنڈر میں تخمینۃً متعلقہ تاریخیں
۴۵۔	غزوۂ ذات الرقاع	محرم ۵ھ	جون ۶۲۶ء
۴۶۔	غزوۂ دومت الجندل	ربیع الاول ۵ھ	اگست ۶۲۶ء
۴۷۔	غزوۂ بنو مطلق	شعبان ۵ھ	دسمبر ۶۲۶ء/جنوری ۶۲۷ء
۴۸۔	حضرت جویریہؓ سے شادی	شعبان ۵ھ	جنوری ۶۲۷ء
۴۹۔	غزوۂ خندق	شوال/ذیقعدہ ۵ھ	فروری/مارچ ۶۲۷ء
۵۰۔	غزوۂ بنو قریظہ	ذی الحجہ ۵ھ	مارچ/اپریل ۶۲۷ء
۵۱۔	حضرت زینبؓ بنت جحش سے شادی	ذیقعدہ ۵ھ	اپریل ۶۲۷ء
۵۲۔	سریۂ محمدؓ بن مسلمہ بجانب قرطار	محرم ۶ھ	مئی/جون ۶۲۷ء
۵۳	غزوۂ بنو لحیان	ربیع الاول ۶ھ	جولائی/اگست ۶۲۷ء
۵۴	غزوۂ الغابہ	ربیع الاول ۶ھ	اگست ۶۲۷ء
۵۵۔	سریۂ عکاشہؓ بجانب الغمر	ربیع الاول ۶ھ	اگست ۶۲۷ء
۵۶۔	سریۂ محمدؓ بن مسلمہ بجانب ذی القصہ	ربیع الآخر ۶ھ	اگست/ستمبر ۶۲۷ء
۵۷۔	سریۂ ابو عبیدہؓ بن الجراح بجانب ذی القصہ	ربیع الآخر ۶ھ	اگست/ستمبر ۶۲۷ء
۵۸۔	سریۂ زیدؓ بن حارثہ بجانب سُلیم	ربیع الآخر ۶ھ	اگست/ستمبر ۶۲۷ء
۵۹۔	سریۂ زیدؓ بن حارثہ بجانب العیص	جمادی الاولیٰ ۶ھ	ستمبر/اکتوبر ۶۲۷ء
۶۰۔	سریۂ زیدؓ بن حارثہ بجانب حسمہ	جمادی الاخیرہ ۶ھ	اکتوبر/نومبر ۶۲۷ء
۶۱۔	سریۂ زیدؓ بن حارثہ بجانب وادی القریٰ	رجب ۶ھ	نومبر ۶۲۷ء
۶۲۔	سریۂ دومۃ الجندل	شعبان ۶ھ	دسمبر ۶۲۷ء/جنوری ۶۲۸ء
۶۳۔	سریۂ علیؓ ابن ابی طالب بجانب فدک	شعبان ۶ھ	دسمبر ۶۲۷ء/جنوری ۶۲۸ء
۶۴۔	قافلۂ زیدؓ بن حارثہ بجانب شام	رمضان ۶ھ	جنوری/فروری ۶۲۸ء
۶۵۔	سریۂ عبداللہؓ بن رواحہ	رمضان ۶ھ	جنوری/فروری ۶۲۸ء

نمبر شمار	واقعہ کا نام	ہجری کیلنڈر میں تخمینہً متعلقہ تاریخیں	عیسوی کیلنڈر میں تخمینہً متعلقہ تاریخیں
۶۶۔	سریہ کرزؓ بن جابر بجانب عُیَینہ	شوال ۶ھ	فروری ۶۲۸ء
۶۷۔	سریہ عمروؓ بن اُمیہ الضمری	شوال ۶ھ	فروری ۶۲۸ء
۶۸۔	صلح حدیبیہ	ذیقعدہ ۶ھ	مارچ ۶۲۸ء
۶۹۔	شاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام	ذی الحجہ ۶ھ	اپریل / مئی ۶۲۸ء
۷۰۔	غزوۂ خیبر	محرم / صفر ۷ھ	مئی / جون ۶۲۸ء
۷۱۔	حضرت صفیہؓ سے شادی	صفر ۷ھ	جون ۶۲۸ء
۷۲۔	حضرت اُمِ حبیبہؓ سے رخصتی	صفر ۷ھ	جون ۶۲۸ء
۷۳۔	سریہ عمرؓ بن الخطاب	شعبان ۷ھ	دسمبر ۶۲۸ء
۷۴۔	سریہ ابوبکرؓ	شعبان ۷ھ	دسمبر ۶۲۸ء
۷۵۔	سریہ بشیرؓ بن سعد الانصاری	شعبان ۷ھ	دسمبر ۶۲۸ء
۷۶۔	سریہ غالبؓ بن عبداللہ اللیثی	رمضان ۷ھ	جنوری ۶۲۹ء
۷۷۔	سریہ بشیرؓ بن سعد الانصاری	شوال ۷ھ	فروری ۶۲۹ء
۷۸۔	عمرۃ القضاء	ذیقعدہ ۷ھ	مارچ ۶۲۹ء
۷۹۔	حضرت میمونہؓ سے شادی	ذیقعدہ ۷ھ	مارچ ۶۲۹ء
۸۰۔	سریہ ابن ابی عوجاءؓ	ذی الحجہ ۷ھ	اپریل ۶۲۹ء
۸۱۔	خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص کا اسلام	صفر ۸ھ	جون ۶۲۹ء
۸۲۔	سریہ غالبؓ بن عبداللہ بجانب بنو الملوح	صفر ۸ھ	جون ۶۲۹ء
۸۳۔	سریہ غالبؓ بن عبداللہ بجانب مصاب	ربیع الاول ۸ھ	جولائی ۶۲۹ء
۸۴۔	سریہ شجاعؓ بن وہب	ربیع الاول ۸ھ	جولائی ۶۲۹ء
۸۵۔	سریہ ذات اطلح	ربیع الاول ۸ھ	جولائی ۶۲۹ء
۸۶۔	سریہ موتہ (معروف بہ غزوۂ موتہ)	جمادی الاولیٰ ۸ھ	اگست / ستمبر ۶۲۹ء

نمبر شمار	واقعہ کا نام	ہجری کیلنڈر میں تخمینۂ متعلقہ تاریخیں	عیسوی کیلنڈر میں تخمینۂ متعلقہ تاریخیں
۸۷-	سریۂ ذات السلاسل	جمادی الاخیرہ سنہ ۸ھ	ستمبر/اکتوبر سنہ ۶۲۹ء
۸۸-	فتح مکہ	رمضان سنہ ۸ھ	دسمبر سنہ ۶۲۹ء/جنوری سنہ ۶۳۰ء
۸۹-	غزوۂ حنین	شوال سنہ ۸ھ	جنوری/فروری سنہ ۶۳۰ء
۹۰-	غزوہ طائف	شوال/ذیقعدہ سنہ ۸ھ	فروری/مارچ سنہ ۶۳۰ء
۹۱-	پیدائش حضرت ابراہیمؑ	ذی الحجہ سنہ ۸ھ	مارچ سنہ ۶۳۰ء
۹۲-	غزوۂ تبوک	رجب سنہ ۹ھ	اکتوبر تا دسمبر سنہ ۶۳۰ء
۹۳-	حضرت ابراہیم کی وفات	غالباً شوال سنہ ۹ھ	جنوری سنہ ۶۳۱ء
۹۴-	حضرت ابوبکرؓ کا حج	ذی الحجہ سنہ ۹ھ	مارچ سنہ ۶۳۱ء
۹۵-	سریۂ خالدؓ بن ولید	ربیع الاول سنہ ۱۰ھ	جون سنہ ۶۳۱ء
۹۶-	حضرت علیؓ کی یمن روانگی	رمضان سنہ ۱۰ھ	دسمبر سنہ ۶۳۱ء
۹۷-	حجۃ الوداع	ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ	فروری/مارچ سنہ ۶۳۲ء
۹۸-	وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	دوشنبہ ۱۲/ربیع الاول سنہ ۱۱ھ	۸/جون سنہ ۶۳۲ء ؎۲

؎۲ اے۔ ایم خالدی کی ہجری اور عیسوی تاریخوں کی تقابلی جدول، اور حبیب الرحمان خاں صابری کی مفتاح التقویم (جن کے حوالہ اوپر درج کیے جا چکے ہیں)، کے مطابق ۱۲/ربیع الاول سنہ ۱۱ھ اتوار (یکشنبہ)، بتاریخ ۷/جون سنہ ۶۳۲ء کو اس صورت میں پڑتا ہے اگر اس سے گذشتہ مہینہ یعنی ماہ صفر سنہ ۱۱ھ ۲۹ دن کا مانا جائے۔ لیکن اگر ہم ماہ صفر سنہ ۱۱ھ کو تیس دن کا مانیں تو پھر ۱۲/ربیع الاول سنہ ۱۱ھ پیر (دوشنبہ) کے روز مطابق ۸/جون سنہ ۶۳۲ء کو پڑے گا۔ کچھ مغربی مصنفین مثلاً ڈبلیو ایم۔ واٹ کے مطابق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دوشنبہ (پیر) کے دن ۱۲/ربیع الاول کو ہوئی تھی۔

کتابیات

عربی

ابوبکر بن اسحٰق، السیرۃ النبویۃ
ابوالحسن علی الحسنی الندوی، النبی الخاتم، لکھنو (انڈیا)، ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء۔
ابوالحسن علی بن حسین المسعودی، مروج الذہب والمعادن الجوہر فی التاریخ، ۴ جلدیں، مصر، ۱۳۴۵ھ
ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن۔
ابن سید الناس، نور العیون فی تلخیص سیرۃ الامین المامون، مخطوطہ، آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (نمبر ۹۹/۱۳۶ حبیب گنج کلیکشن۔)
احمد بن حنبل، المسند، ۸ جلدیں۔
احمد بن علی بن شعیب النسائی، السنن۔
احمد بن محمد بن عبد ربہ، العقد الفرید، قاہرہ، ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء
احمد بن علی بن حجر العسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہؓ، ۴ جلدیں
جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور، لسان العرب، ۲۰ جلدیں، قاہرہ، ۱۳۰۸ھ۔
شرح العقیدۃ الطحاویۃ لجماعۃ من العلماء، بیروت، ۱۳۹۱ھ

شمس الدّین محمد بن عبد المالک بن قیّم الجوزی، زاد المعاد، ۲ جلدیں، مصر۔
شہاب الدّین فضل اللہ بن حسین طربشتی الحنفی، مشکوٰۃ المصابیح (شرح مصابیح السنن لابی محمّد الحسین بن مسعود البغوی)
شہاب الدّین بن عبد اللہ البغدادی، معجم البلدان، ۵ جلدیں، بیروت، ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء۔
عبد الرّحمٰن بن خلدون، التاریخ، ۴ جلدیں، بیروت، ۱۹۶۶ء
عبد الرّحمٰن بن عبد اللہ السہیلی، الرّوض الانف، ۸ جلدیں، مصر، ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء۔
عبد اللہ بن شیخ محمّد بن عبد الوہاب، سیرۃ الرسول، قاہرہ، ۱۳۷۹ھ۔
عبد المالک بن ہشام، السّیرۃ النبویۃ، ۴ جلدیں (۲ حصّوں میں) قاہرہ، ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء۔
عز الدّین ابو الحسن علی ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ۱۲ جلدیں، بیروت، ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء۔
علی بن احمد بن حزم، السیرۃ النبویۃ، مخطوطہ، آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (۴/۹ عربی، حبیب گنج کلیکشن)
علی بن برہان الدّین الحلبی، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروف بسیرۃ الحلبیہ، ۳ جلدیں، مصر، ۱۳۲۹ھ۔
علی بن حسن بن عساکر، التاریخ الکبیر۔
عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۸ جلدیں، مصر، ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء۔

فیض الحسنی، فتح الرحمٰن لطالب آیات القرآن، مکہ (المکرمہ)، ۱۹۳۶ء۔

محب الدین ابی جعفر احمد بن عبد اللہ الطبری، خلاصۃ السیر فی احوال سید البشر، مخطوطہ، آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (نمبر ۶/۲۵۶/۴، عربی، حبیب گنج کلیکشن)

محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح۔

محمد بن جریر ابو جعفر الطبری، تاریخ الرسل والملوک ۱۰ جلدیں، مصر، ۱۹۶۱ء

محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸ جلدیں، بیروت، ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء

محمد بن عبد الباقی الزرقانی، شرح المواہب اللدنیہ، ۸ جلدیں، مصر، ۱۳۲۳ھ۔

(نوٹ: یہ اڈیشن اس کتاب کی شروع کے تین ابواب میں استعمال کیا گیا ہے۔ باقی ابواب کے لئے مصر کا اڈیشن مطبوعہ ۱۳۲۵ھ استعمال کیا گیا ہے جس کے حاشیہ پر "زاد المعاد" چھپی ہوئی ہے۔ باب ۴ تا آخری باب یہی اڈیشن استعمال کیا گیا ہے۔)

محمد بن عیسیٰ الترمذی، الجامع الصحیح

محمد بن یزید ابن ماجہ، السنن۔

محمد حسین ہیکل، حیاۃ محمدؐ، قاہرہ، ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء

محمد الخضری، نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، قاہرہ، ۱۳۲۸ھ

محمد زکریا الکاندھلوی، حجۃ الوداع وعمرات النبیؐ، لکھنؤ (انڈیا)۔ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۱ء

محمد یوسف الکاندھلوی، حیاۃ الصحابہؓ، ۳ جلدیں، حیدر آباد (انڈیا)

مسلم بن الحجاج ابو الحسین القشیری النیشاپوری، الصحیح

المنجد، ۲۱ واں ایڈیشن، بیروت۔

نورالدین علی بن جمال الدین الشافعی، وفاء الوفاء، ۲ جلدیں، مصر، ۱۳۲۶ھ

یحییٰ بن زکریا محی الدین بن شرف الدین النووی، ریاض الصالحین قاہرہ، ۱۳۷۷ھ

یوسف بن عبدالبر النمری القرطبی، الدرر فی اختصار المغازی والسیر قاہرہ، ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء

یوسف بن عبدالبر النمری القرطبی، کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ۲ جلدیں، حیدرآباد (انڈیا)، ۱۳۱۸ھ

(کتابیات کا سلسلہ جاری)

"اردو"

ابو برکات عبدالرؤف دانا پوری، اصح السیر، کراچی، ۱۹۵۷ء۔
(سید) ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، لاہور (پاکستان)، ۱۹۶۷ء۔
ایضًا ، پردہ، لاہور (پاکستان)، ۱۹۶۸ء۔
ایضًا ، خلافت وملوکیت، دہلی، ۱۹۶۹ء۔
ایضًا ، تفہیم القرآن، دہلی۔
(سید) ابوالحسن علی حسنی ندوی، منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین، لکھنؤ، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء۔
(سید) احمد رضا بجنوری، مقدمہ انوار الباری شرح بخاری، بجنور (انڈیا)، ۱۹۷۳ء۔
اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ اسلام، ۳ جلدیں، کراچی، ۱۹۷۰ء۔
(قاضی) زین العابدین، بنی عربی، دہلی، ۱۳۵۸ھ۔
(مولانا) سعید احمد اکبر آبادی، عہد نبوی کے سرایا و غزوات، ماہنامہ برہان، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۶ء۔

نوٹ (الف): یہ مضمون برہان کے مندرجہ ذیل شماروں میں چھپا ہے۔

(۱) جلد ۷۲، شمارہ ۶ (جون ۷۴ء)؛ (۲) جلد ۷۳، شمارہ ۱ (جولائی ۷۴ء)؛
(۳) جلد ۷۳، شمارہ ۲ (اگست ۷۴ء)؛ (۴) جلد ۷۳، شمارہ ۴ (اکتوبر ۷۴ء)؛
(۵) جلد ۷۳، شمارہ ۵ (نومبر ۷۴ء)؛ (۶) جلد ۷۴، شمارہ ۲ (فروری ۷۵ء)؛
(۷) جلد ۷۴، شمارہ ۳ (مارچ ۷۵ء)؛ (۸) جلد ۷۴، شمارہ ۴ (اپریل ۷۵ء)؛
(۹) جلد ۷۴، شمارہ ۵ (مئی ۷۵ء)؛ (۱۰) جلد ۷۴، شمارہ ۶ (جون ۷۵ء)؛
(۱۱) جلد ۷۵، شمارہ ۱ (جولائی ۷۵ء)؛ (۱۲) جلد ۷۵، شمارہ ۲ (اگست ۷۵ء)؛
(۱۳) جلد ۷۵، شمارہ ۳ (ستمبر ۷۵ء)؛ (۱۴) جلد ۷۵، شمارہ ۴ (اکتوبر ۷۵ء)؛

(۱۵) جلد ۵۷، شمارہ ۶ (دسمبر ۷۵ء)؛ (۱۶) جلد ۷۶، شمارہ ۱ (جنوری ۷۶ء)۔

نوٹ (ب): جب یہ کتاب انگریزی میں لکھی جارہی تھی تو اس وقت تک مولانا مرحوم کا مندرجہ بالا مضمون پورا نہیں ہوا تھا۔

(سید) سلیمان ندوی، سیرت النبیؐ، ج ۳، ۴، ۵ اور ۶، دارالمصنفین، اعظم گڑھ (انڈیا)، ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۵ء۔

ایضاً، تاریخ ارض القرآن، اعظم گڑھ، ۱۹۵۵ء۔

ایضاً، خطبات مدراس، اعظم گڑھ، ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء۔

(قاضی) سلیمان سلمان، رحمۃ للعلمین، ۳ جلدیں، لاہور ۱۹۵۳ء (اس کے پہلے اڈیشن سے بھی استفادہ کیا ہے جو پٹیالہ میں ۱۹۲۴ء میں چھپا تھا۔)

(سر) سید احمد خاں، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ محمدؐ، کراچی ۱۹۶۴ء (یہ کتاب سب سے پہلے علی گڑھ میں ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۷ء میں چھپی تھی۔)

شاہ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، اعظم گڑھ (انڈیا)، ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء۔

(علامہ) شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، ج ۱ و ۲، اعظم گڑھ (انڈیا)، ۱۳۷۵ھ۔

(مولانا) عاشق الٰہی میرٹھی، تاریخ اسلام، دیوبند (انڈیا)، ۱۳۳۰ھ۔

(مولوی) عبدالعلیم احراری (پروفیسر ڈاکٹر عبدالعلیم)، سیرت نبوی اور مستشرقین، مطبع معارف، اعظم گڑھ (انڈیا)، ۱۹۳۰ء۔

(مولانا) عبدالحق حقانی، تفسیر حقانی، ۴ جلدیں، دیوبند (انڈیا)۔

(مولانا) محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، لاہور، ۱۳۸۱ھ۔

ڈاکٹر محمد آصف قدوائی، مقالات سیرت، لکھنؤ، ۱۹۶۷ء۔

(مولانا) محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ۴ جلدیں، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۴ء۔

محمد حسین ہیکل، حیات محمدؐ (مترجمہ اردو از ابویحییٰ امام خاں)، لاہور، ۱۹۵۵ء۔

(سید) محمد رابع ندوی، جغرافیۃ العرب، ج ۱، لکھنؤ، ۱۹۶۲ء۔

ENGLISH

Abul Fazal, Mirza, Apology For Mohmmad by Mr.Goodfrey Higgin, Allahabad Reform Society, Daryabad (India), 1929.

Abdul Wahab, S., The Shadowless Prophet, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1972.

Ali, 'Abdullah Yusuf, The Meaning and the Commentry of Holy Quran, U.S.A. 1946.

Ali, K., A Study of Islamic History, Dacca, 1968.

Ali, Muhammad, The Prophet Muhammad, Cassell & Co., Ltd., London, 1947.

Ali, S.Ameer, The Spirit of Islam, Methuen & Co. Ltd., London, 1965.

Andrae, Tor, Muhammad, Sein Leben and Sein Glaubi (Vandenhoeck and Rupercht, Geettingen 1932) English Translation, Mohammad, The Man and his Faith, by Theophil Menzel, Harper and Brothers, New York, 1960.

Arnold, T.W., The Preaching of Islam, Archibld Canstable & Co., Westminister (U.K.), 1986, Reprinted by Sh. Muhammad Ashraf.

Barrow, R.H., The Rumans, Cassell. London, 1961.

(The Holy) Bible, London Catholic Truth Society, London, 1966.

Bint al-Shati (Dr.), The Wives of the Prophet, English Translation by Matti Moosa & Dr. Nicholas Ranson, Sh.Muhammad Ashraf, Lahore (Pakistan), 1971.

The Cambridge Ancient History, Cambridge University Press, London, 1960.

The Cambridge Medieval History, Cambridge University Press, London, 1957.

De Burgh, W.G., The Legacy of the Ancient world, Barnas & noble Inc., London, 1960.

Dewdney, John C., Turkey, Chatto & windus, Lonodn, 1971.

Encyclopaedia Americana, New York, 1964.

Encyclopaedia Britanica, U.S.A., 1966.

Encyclopaedia International, New York, 1968.

Encyclopaedia of Sexual Behaviour, Edited by A.Ellis & A.Arbarbanel, Vol. I & II, London, 1961.

Fast, Howard, The Jews, Cassell, London, 1970.

Guillaume, Alfred, New Light On The Life of Muhammad, Journal of Semitic Studies, Monograph No. 1, Manchester University Press, Great Britain.

Gabrieli, Francesco, Muhammad and The Conquest of Islam, translated by V. Luling and R.Linell, World University Library, London, 1968.

Hamidullah, Muhammad, The Battlefields of the Prophet Muhammad, Hyderabad--Deccan (India), 1392 A.H./1973.

________________, Introduction to Islam, I.I.F.S.O., Beirut, 1970.

________________, Muslim Conduct of State, Sh. Mohammad Ashraf, Lahore 1961.

________________, Muhammad Rasulullah, Hyderabad Deccan (India), 1394 A.H./1974.

________________, The First Written Constitution of The World, _ The Journal of Muslim World League, Makkah, Vol. I, No.4, Dhul-Hijjah, 1393 A.H./January 1974.

Henriques, A.Fernando, Modern Sexuality : Vloume III of Prostitution And Society, Macgibbon & Kee, London, 1963.

Hitti, Philip K., The Near East in History (A 5000 Year Story), D.Van Nostrand Co. Inc., New York, 1961.

________________, History of the Arabs, Macmillan & Co. Ltd., London, 1958.

________________, Syria, A Short History, Macmillan & Co. Ltd., London, 1959.

Husain S.Athar, Prophet Muhammad And His Mission, Asia Publishing House, Bombay (India), 1967.

Ibn Is'haq, Sirat Rasulullah, English Translation, The Life of Muhammad by A. Guillaume, Oxford University Press, London, 1955.

Irving Washington, Life of Muhammad, J.M.Dent & Sons Ltd., New York, 1920.

Karim, Fazlul, Al-Hadis, English Translation of Mishkat al-Masabih, Vols. I to IV, Calcutta (India), 1939.

________________, The Ideal World Prophet, Daca (E.Pakistan), 1955.

Khan, Dr. Majid Ali, The Last Prophet, ASJA Inc., Trinidad (West Indies), 1973.

________________, Isma'il, The Sacrifice of Prophet Ibrahim, The Journal of Muslim World League (Rabetat al-Alam al-Islami), Makkah, Vol. 2, No. 2, Dhul-Hijjah, 1394/December 1974.

Maududi, S.Abul A'la, The Meaning of the Quran, English Translation of Tafhim-ul-Quran, Board of Islamic Publications,

Delhi, 1973.

Mujahir, Ali Musa Raza, Muhammad As Depicted In The Quran, J.M. Printing Press, Hyderabad (India), 1970.

Muir, William, The life of Muhammad, Vol. I to IV, Smith Elder & Co., London, 1861.

Nadwi, Abul Hasan Ali Al-Hasani, Islam And The World, Eng. Trans. of : Insani Duniya Par Musalmano Ke 'Uruj wa Zawal Ka Athar, by Dr. M.A.Asif Kidwai, Academy of Islamic Research And Publications, Lucknow (India), 1973.

______________, The Benefactor of Mankind, English Trans. of Muhsin-e-Alam, by S.Athar Husain, Islamic Study Circle, Lucknow, 1975.

______________, Qadianism, A Critical Study, English Tr. of Qadianiyat by Z.I.Ansari, Academy of Islamic Research And Publications, Lucknow (India), 1974.

Nadwi S.Sulaiman, The Living Prophet (English Tr. of Khutbat-e-Madras by Saeed-ul-Haq), Pak Academy, Karachi (Pakistan), 1968.

______________, The Blessed Prophet (English Tr. of Rahmat-e-Alam by M.S.Siddiqi, Lucknow (No Date).

Nadwi S.Muzaffar-ud-Din, An Easy History of The Prophet of Islam, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore (pakistan), 1968.

The New English Bible, Oxford University Press/Cambridge University Press, Great Britain, 1970.

Nu'mani, Allamah Shibli, Siratun Nabi, English Tr. by Fazlur Rahman, Pakistan Historical Society, Karachi, 1970.

Pareti, Luigi, History of Mankind (cultural And Scientific Development), International Commission For a History of Scientific And Cultural Development of Mankind. (UNESCO), George Allen And Unwin Ltd., London, 1965.

Pickhthall, Muhammad Marmaduke, The Meaning of the Holy Quran, Taj Co., Karachi, Pakistan (No Date).

Robson, James, English Tr. of : Mishkat-ul-Masabih, 4 Vols., Sh. Muhammad Ashraf, Lahore (Pakistan), 1972.

Salmin,. Al-Haj Muhammad Ali, The Holy Prophet Mohammad, Bombay, 1939.

Sarwar, Hafiz Ghulam, Muhammad The Holy Prophet, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore (Pakistan), 1969.

Siddiqi, Dr. Amir Hasan, Studies In Islamic History, The Jamiyat-ul-Falah, Karachi (Pakistan), 1967.

Siddiqi, Muhammad Mazharuddin, Women In Islam.

Talbot, Rice David, The Byzantines, Frederick A.Praeger Inc., New York, 1962.

Thames, Thomas Patrick, Dictionary Of Islam, W.H.Allen & Co., London, 1885.

Toynbee, Arnold J., A Study of History, Macmillan & Co., Ltd., London, 1959.

Watt, W. Montgomery, Muhammad, Prophet And Statesman, Oxford Universi- Press, London, 1961.

__________, Muhammad At Mecca, Oxford University Press, London, 1953.

__________, Muhammad At Medina, Oxford University Press, London, 1956.

Weil, Life Of Mahommed.

Yusuf, Dr. S.M., Polygamy, Yaqeen International, Karachi, Vol. XVI, No.13, Nov. 7, 1967.

اشاریۂ عمومی

اشاریۂ عمومی

ا

(ب)

خ

(ش)

(غ)

ک

تعارفِ مصنّف

نام :- ڈاکٹر ماجد علی خاں

والد کا نام :- جناب امجد علی خاں صاحب

وطن :- رام پور (یو-پی) انڈیا-

تعلیم :- ایم-ایس-سی ؛ بی-ایڈ ؛ ایم-ٹی-ایچ ؛
پی-ایچ-ڈی ؛ ڈی-ٹی-ایچ (Ph.D., D.Th.) (علیگ)-
مولوی فاضل، فاضلِ درس نظامی (دارالعلوم، میرٹھ)-
ای-ایف-ڈبلو (لندن)-

اعزازی ڈگری :- ڈی-لٹ (یو-اے-ایل، آسٹریلیا)-

دیگر اعزازات وغیرہ :- —— گولڈ میڈل (اے-بی-آئی، یو-ایس-اے) ؛
—— لائف ممبر، کنفیڈریشن آف شیولری (آسٹریلیا) ؛
—— ممبر گرانڈ کونسل (ماہر اسلامیات)- ورلڈ پارلیمنٹ (سڈنی آسٹریلیا) ؛
—— لائف ممبر- صولت پبلک لائبریری، رامپور ؛
—— لائف ممبر- علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن، نئی دہلی-
—— لائف ممبر :- یو-ڈبلو-اے-آئی (مدراس)
—— لائف ممبر :- انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری، برازیل-

مندرجہ ذیل بین الاقوامی کتابوں میں سوانح حیات لکھی گئی ہے :-

<u>Men Of Achievement</u>, International Biographical Centre, Cambridge, U. XIIth Ed., 1986.

<u>International Register of Profiles</u>, International Biographical Centr Cambridge, U.K., IXth Ed., 1987.

<u>International Leaders In Achievement</u>, International Biographical Centre
Cambridge, U.K., Ist Ed., 1988.

<u>International Who's Who of Intellectuals</u>, International Biographical Centre,
Cambridge, U.K., VIIIth Ed., 1988.

<u>International Directory of Distinguished Leadership</u>,
American Biographical Institute, U.S.A., 2nd Ed., 1988; etc.

ملازمت :- اسلامیات کا مضمون پڑھانے کے لئے مندرجہ ذیل اداروں میں ملازمت کی؛

۱- کالج، ٹرینیڈاڈ، ویسٹ انڈیز ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۴ء

۲- علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، فیکلٹی آف تھیالوجی ۷۵ء تا ۱۹۷۶ء

۳- جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، استاد، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز ۱۹۷۶ء تا حال

بحیثیت مصنف :- ڈاکٹر ماجد علی خاں نے اب تک دو درجن سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں جو زیادہ تر انگریزی میں ہیں اور تقریباً اسّی تحقیقی مقالات لکھے ہیں۔ ان کی تصنیف :

<u>MUHAMMAD THE FINAL MESSENGER</u>

پر جس کا ترجمہ "سیرت خاتم النبیین" کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے رابطۂ عالم اسلامی کی جانب سے بین الاقوامی سیرت مقابلہ میں ۱۹۷۹ء میں گرانقدر انعام مل چکا ہے۔

سفرِ غیر ممالک :- انگلینڈ، جرمنی، ہالینڈ، بلجیم، فرانس، یو۔ایس۔اے (امریکہ)؛ یو۔ایس۔ایس۔آر (ماسکو)، ٹرینیڈاڈ اینڈ ٹوباگو (ویسٹ انڈیز)، گیانا (جنوبی امریکہ)، سعودی عرب، پاکستان، افغانستان، ترکی وغیرہ۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں

موجودہ دور کے مغربی علوم میں تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہنوں میں جو اسلام کا مطالعہ مستشرقین کے ذریعہ لکھی گئی کتابوں اور مضامین سے کرتے ہیں باعتبار حقائق و عقائد ایک ایسا مسموم اثر ثبت ہوجاتا ہے جس کا خود اُن کو بھی احساس نہیں ہو پاتا۔

بیسویں صدی عیسوی میں مستشرقین نے ایک نئے حربہ کے تحت مسلمانوں اور عالمِ اسلام کی دل آزاری کے لئے نام نہاد اور خود ساختہ تاریخی حقائق کے پسِ پردہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) پر طعن و تشنیع کرکے ان کو معروضی شکل دینے کی کوشش شروع کی۔ اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا مطالعہ ابتدائی ماخذ و مصادر سے استفادہ کرنے کے بعد کیا ہے۔ مغربی مصنفین (مستشرقین) کے اعتراضات کے جواب میں لمبی مباحث اور لاحل مناظرہ کے بجائے سیرتِ طیبہ تاریخی حقائق کی روشنی میں اس طرح بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مستشرقین کے عائد کردہ الزامات و اعتراضات کا جواب خود بخود عیاں ہوجاتے اور عام قارئین کی سمجھ میں بھی آجائے۔

۵۴
Dr. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

دی ہولی ورسس (انگریزی)

THE HOLY VERSES

مصنف:۔ ڈاکٹر ماجد علی خاں

بدنام زمانہ سلمان رشدی کی انگریزی کتاب THE SATANIC VERSES (شیطانی آیات) کے جواب میں لکھی گئی اس انگریزی کتاب کا پہلا ایڈیشن مقبول عام و خاص ہو کر ختم ہو گیا ہے۔ دوسرا ایڈیشن پیپر بیک اور مُجلّد دونوں شکلوں میں موجود ہے۔

اس کتاب میں مُصنّف نے شیطان رُشدی کے، وحی الہٰی، قرآن، اسلام، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم، دیگر انبیاءؑ و ملائکہ، ازواج مطہراتؓ، صحابہؓ اور اسلام کے دیگر شعائر پر کیے گئے حملوں کا مُدلّل اور بھرپور جواب دیا ہے۔

قیمت —— پیپر بیک : پچاس روپیہ ۵۰/-
" —— مجلد : پچھتر روپیہ ۷۵/-

ناشر:۔
اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن،
۲۷۳، ذاکر نگر، جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵ (انڈیا)